تاریخ کٹہ خٹ

پختونخواہ کے اس قطعہ زمین کو پاؤں تلے روندنے اور اس پر
بڑے شان سے راج کرنے والے اقوام کی دلچسپ روداد

تاریخی پس منظر

تحریر: عبید اللہ خان یوسف زئی

The History of village Katta Khat

تاریخ کٹہ خٹ

پختونخواہ کے اس قطعہ زمین کو پاؤں تلے روندنے اور اس پر
بڑے شان سے راج کرنے والے اقوام کی دلچسپ روداد

بمعہ

تاریخی پس منظر

تحریر: عبیداللہ خان یوسف زئی

موبائل: 0301-8196540

: 0315-9422300

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	:	تاریخ کٹھ خٹ
تصنیف	:	عبیداللہ خان یوسف زئی
کمپوزنگ/ڈیزائنگ	:	محمد شہاب ثانی
اشاعت اول	:	ستمبر 2023ء
تکنیکی معاونت	:	حمزاللہ خان ایڈوکیٹ
تعداد	:	500
قیمت	:	500 روپے

مکتبہ العلمی پبلیکیشنز پشاور

انتساب

اُن بزرگوں کے نام

جو اپنے محدود وسائل کے باوجود اپنی زندگی میں گاؤں
کی تعمیر وترقی کے لیے کوشاں رہے اور جن کی خدمات
آج تک ہمارے کے لیے مشغل راہ ہیں۔

عبیداللہ خان یوسف زئی

فہرست مضامین

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
1۔	عرض مصنف	10
2۔	پیش لفظ	14
3۔	بھولی بسری یادیں	16
باب 1	**کٹہ خٹ کی روداد**	19
4۔	کٹہ خٹ (کب اور کیسے معرض وجود میں آیا)	22
باب 2	**قدیم تاریخ**	28
5۔	سمہ خاندان	29
6۔	ڈوماخیل خاندان	29
7۔	ہنجامنشی دور حکومت	30
8۔	داراخاندان	31
9۔	سکندراعظم	31
10۔	موریاخاندان	33
11۔	چندرگپت ماریہ	33
12۔	مہاراجہ اشوک	37
13۔	باختری یونانی	38
14۔	ساکا خاندان	41
15۔	پارتھین یا پہلوی خاندان	43
16۔	کوشاں حکمران	46

17۔	ساسانی دوراول	48
18۔	کوشاں کو چک	50
19۔	گپت خاندان	52
20۔	سفید ہن	55
21۔	جنگ پشاور	56
22۔	جنگ شہباز گڑھی	57
23۔	جنگ ٹیکسلا	59
24۔	ساسانی دور دوم	61
25۔	کابل شاہی حکمران (بریابرہمن)	61
26۔	راجہ جے پال اور محمود غزنوی	63
27۔	جنگ لغمان	63
28۔	جنگ پشاور	66
29۔	جنگ ہنڈ اول	70
30۔	جنگ ہنڈ دوم	74
31۔	پٹھان قبیلہ دلہ زاک	76
32۔	قدیم تاریخی دور میں کٹھ خٹ کی حالت	77
باب 3	جدید تاریخ	80
33۔	یوسف زئیوں کی آمد	80
34۔	قبیلہ یوسف زئیوں کی پشاور آمد	81
35۔	یوسف زئی کا چارسدہ اور مردان کے علاقوں پر قبضہ	81

36۔	یوسف زئیوں کا مردان اور صوابی پر قبضہ	83
37۔	یوسف زئیوں کا پہلا بندوبست	84
38۔	ملک احمد خان کی وفات	86
39۔	ملک گجو خان یوسف زئی	87
40۔	گجوخان کے ممالک متصرفہ اور حالات زندگی	89
41۔	علی اصغر المعروف مصری خان	91
42۔	تحریک روشنائی	93
43۔	یوسف زئیوں کا دوبارہ اتحاد	95
44۔	ملک کالو خان	98
45۔	ملک کالو خان کی وفات	99
46۔	ملک بہاکو خان	100
باب 4	امیر خان (بابائے سودھم)	
47۔	امیر خان (میر بابو)	102
48۔	قابضین کے ساتھ کشمکش	105
49۔	جنگ پلوڈھیری	111
50۔	جنگ رُستم	119
51۔	میر بابو کی اولاد	127
52۔	شجرہ نسب امیر خان (میر بابو)	131
53۔	افضل خان ولد میر بابو	132
54۔	جنگ کوتر پان	132

55۔	افضل خان کے دور میں کٹہ خٹ کی حالت	137
56۔	لطیف خان ولد افضل خان	139
باب 5	**موجودہ کٹہ خٹ**	140
باب 6	**مختلف شعبوں میں اہالیان کٹہ خٹ کی کارکردگی**	144
57۔	احیائے دین	144
58۔	تعلیم کے میدان میں	145
59۔	کھیل کے میدان میں	147
60۔	زراعت کے میدان میں	149
61۔	سیاست کے میدان میں	152
62۔	خدمات (سرکاری نوکری)	155
63۔	تجارت کے میدان میں	156
باب 7	**کٹہ خٹ کے روایات**	159
64۔	مہمان نوازی	159
65۔	حجرہ سسٹم	159
66۔	جرگہ سسٹم	161
67۔	کمیونٹی سسٹم	161
68۔	صوابی وال چادر	162
باب 8	**یوسف زئی اصلاحی جرگہ**	164
69۔	اعراض ومقاصد	166

70۔	کاکردگی	168
باب 9	**اہم مقامات**	173
71۔	جامع مسجد	173
72۔	مقام خوڑ	174
73۔	مقام خوڑ پل کٹہ خٹ	178
74۔	گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول کٹہ خٹ	180
75۔	گورنمنٹ ہائی سیکنڈری سکول مالہ ڈھیری	181
76۔	گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کٹہ خٹ	182
77۔	گورنمنٹ گرلز ہائی سکول مالہ ڈھیری	183
78۔	بنیادی صحت کا مرکز (BHU) کٹہ خٹ	184
79۔	گریویٹی فلو آبپاشی سکیم کٹہ خٹ باریکاب	185
80۔	شوکت شہید چوک کٹہ خٹ	187
81۔	کامران شہید چوک دوبئی اڈہ	189
باب 10	**مشہور خاندان**	191
82۔	اخون خیل خاندان	192
83۔	مولانا محمد اسحاق صاحب	190
84۔	مولانا محمد صاحب	198
85۔	مولانا محمد یعقوب صاحب	200
86۔	میر بابو خیل خاندان	202
87۔	افضل خان اور اُس کی اولاد	202

88۔	لطیف خان اوراوراُس کی اولاد	203
89۔	اسماعیل خان اور فیروز خان اوراُن کی اولاد	207
90۔	آئین خان اوراُس کی اولاد	211
91۔	نواب خان اوراُس کی اولاد	219
92۔	ناصر خان اوراُس کی اولاد	231
93۔	کریم خان اوراُس کی اولاد	234
94۔	اکبر خان اوراُس کی اولاد	240
95۔	حادی خان اوراُس کی اولاد	252
96۔	عمر خان اوراُس کی اولاد	257
97۔	دُرانے خان اوراس کی اولاد	280
98۔	مبین خیل خاندان	283
99۔	خیر دین خیل خاندان	288
100۔	باغبان خاندان۔1	295
101۔	باغبان خاندان۔ 2	302
102۔	عبدالجبار خان اوراُس کی اولاد	305
103۔	نوار خیل خاندان	310
104۔	غورغشت خاندان۔1	315
105۔	غورغشت خاندان۔2	319
106۔	غورغشت خاندان۔3	322
107۔	ترکھان خاندان	324
108۔	لوہار خاندان	327

بسمِ اللہِ الرَّحمنِ الرَّحِیم ط

عرضِ مصنف

الحمدُ للہ ! میری ایک دیرینہ آرزو پوری ہوگئی اور ’’ تاریخ کٹہ خٹ ‘‘ چھپ کر قارئین کرام کے ہاتھوں تک پہنچ گئی۔

اسلامی علوم میں تاریخ کو ایک بنیادی علم کی حیثیت حاصل ہے۔خود قرآن حکیم اقوامِ عالم کی عروج وزوال کے اسباب وعلل پر بحث کر کے تاریخی مثالیں پیش کرتا ہے۔ یہ مسلمان علماء ہی تھے جنہوں نے فلسفۂ تاریخ کی بناء ڈالی اور علم التاریخ کے دائرہ کار کو وسعت بخش کر اُسے سائنس کا درجہ عطا کیا گویا تاریخ انسانی کوششوں ، کاوشوں ، کارناموں اور کارگزاریوں کا ایک ریکارڈ ہی نہیں بلکہ ایک ایسی کسوٹی بھی ہے۔جس پر اجتماعی نیکی اور بدی اور فضائل ورذائل کو پرکھا جاسکتا ہے۔تاریخ ہمیں ماضی کا آئینہ دکھا کر اپنے حال و مستقبل کی اصلاح کی طرف متوجہ کرتی ہے۔اور ہم خود اپنے محتسب بن کر سوچنے پر مائل ہوتے ہیں کہ ہم کون تھے؟ کیا ہیں؟ اور اب کس طرف جارہے ہیں؟۔ تاریخ ہمارے ذہنوں کو جھنجھوڑتی ، قوت بخشتی اور فکری انقلاب سے ہم کنار کرتی ہے اور یہ امر واقعی ہے کہ جب افکار کی دنیا میں انقلاب آتا ہے تو انسانیت کو نئی زندگی ، نئی روشنی ، نئی طاقت ، نئی حرارت ، نیا یقین ، نیا تمدّن اور نیا معاشرہ ہاتھ آتا ہے اور اس طرح انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔اس اعتبار سے تاریخ انسان کی تخلیق بھی ہے اور خالق بھی۔

وہ قوم جو اپنی تاریخ سے بے گانہ ہوگئی ، ایسے انسان کی مانند ہے جو اپنا حافظہ کھو چکا ہو۔جس طرح انسان حافظہ کھو کر اپنی شخصیت کھو دیتا ہے، اسی طرح تاریخ سے بے نیازی اور بے پرواہی برتنے والی قوم بھی اپنی ہستی کھو بیٹھتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ملت اسلامیہ اس لحاظ سے دنیا کی وہ خوش قسمت قوم ہے جس کا ماضی درخشندہ روایات کا امین ہے، جس کی تاریخ کا

مطالعہ دِلوں کو جوش اور ولولہ عطا کرتا ہے اور اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کی ترغیب دیتا ہے۔

جیسا کہ عربوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنے گھوڑے اور اونٹ کے بارے میں بھی پورا شجرہ اپنے پاس رکھتے تھے کہ یہ گھوڑا یا اونٹ فلاں گھوڑے یا اونٹ کا بچہ ہے اور وہ گھوڑا یا اونٹ فلاں گھوڑے یا اونٹ کا بچہ تھا وغیرہ وغیرہ۔

تاریخ کٹہ خٹ کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے پختونخواہ کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے۔ کیونکہ کٹہ خٹ پختونخواہ کا ایک زرخیز علاقہ ہے اور اس کی تاریخ پختونخواہ کی تاریخ سے جڑی ہوئی ہے۔

مسلمانانِ پختونخواہ کی تاریخ بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے، یہاں کے تاریخ ساز لوگوں نے ہزاروں انقلاب دیکھے ہیں، انہیں سینکڑوں حملہ آوروں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور انہوں نے بیسوں تہذیبوں کو اُبھرتے اور ڈوبتے دیکھا ہے۔ اس سرزمین کی تاریخ بڑی دلچسپ اور رنگین ہے اور بے حد سبق آموز بھی، اس کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ پختونخواہ کی تاریخ کو سمجھے بغیر برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا، گویا اس خطّہ ارض کی تاریخ کا مطالعہ فی الاصل سارے برصغیر پاک و ہند کے تاریخی مطالعہ کی کلید ہے۔

پختونخواہ کی جغرافیائی اور تہذیبی اہمیت اس امر کی متقاضی تھی کہ اس تاریخ ساز خطّے کی تاریخ نگاری کی طرف کماحقہٗ توجہ دی جاتی لیکن عملاً ایسا ہونے نہ پایا۔ نامور دانشور پروفیسر حافظ محمد ادریس مرحوم اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ "پختونخواہ کے عظیم المرتبت باشندوں نے دینی تحریکوں اور سیاسی انقلابات میں نمایاں کارنامے انجام دیئے، مگر افسوس ہے کہ اُن کی پشت پر ایسے اربابِ قلم موجود نہ تھے جو اُن کی قلمی تصویر اُتار کر انہیں زندۂ جاوید بناتے۔ اس طرح بہت سی بے مثال شخصیتیں سامنے آئیں اور اپنا فریضہ ادا کر کے رخصت ہو گئیں ـــــ زمانہ آگے بڑھ گیا اور وہ پیچھے رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے کارنامے تو موجود ہیں، لیکن حالنامے ناپید ہیں" (بحوالہ تذکرہ علماء و مشائخ سرحد)۔

موضع کٹہ خٹ کئی دہائیوں پہلے علاقے کا ایک متحرک، مثالی اور شاندار روایات کا حامل گاؤں تصور ہوتا تھا۔ اس کے باشندے مہمان نوازی، اخوت، بھائی چارے، فہم و دانش اور اعلیٰ پختون روایات کی وجہ سے پورے خطے کے لوگوں میں ایک مثالی حیثیت رکھتے تھے اور خطے کے دوسرے علاقوں کے لوگ اپنے معاملات میں اُن سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔

موضع کٹہ خٹ کے لوگوں کی فہم و دانش کے بارے میں موضع گجرات کے ایک بزرگ اور دانشور رہنما حاجی فقیر احمد خان صاحب فرماتے تھے کہ کٹہ خٹ میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ میٹرک پاس ہوتا ہے اور اسکول میں وہ اس سے آگے پڑھتا ہے۔ یعنی کٹہ خٹ کے لوگ علم و دانش میں اتنے آگے گئے ہوئے تھے کہ یہاں کا نومولود بچہ بھی علاقے کے دوسرے مواضعات کے میٹرک پاس لوگوں کے برابر فہم و دانش رکھتا تھا۔ لیکن اربابِ قلم ناپید ہونے کی وجہ سے آج اُن کے وہ کارنامے جو وہ اپنے وقت میں سرانجام دے چکے تھے، قصہ پارینہ بن چکے ہیں اور لوگوں کی ذہنوں سے مٹ چکے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ اس علاقے (موضع کٹہ خٹ) کے بارے میں کوئی مستند تاریخ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے نئی نسل اپنے اسلاف کے عظیم کارناموں سے بے خبر رہی، بلکہ افسوس اس بات کا ہے کہ یہاں کی تاریخ پر قلم اُٹھایا بھی تو غیر ملکی سامراجیوں نے اُٹھایا۔۔۔ فرنگی اہل قلم اور مردان میں اُن کے مقرر کردہ افسروں نے اس علاقے کے بارے میں جو کچھ لکھا اپنے ہی نقطہ نظر سے لکھا۔۔۔ انہوں نے عمداً برطانوی حکومت اور انگریز عمائدین کے کارناموں کو اُجاگر کیا، اپنی مصلحتوں کو پیش نظر رکھا اور اپنے قلم سے محض سامراجی مقاصد کو تقویت دینے کا کام کیا۔

مجھے نہ مؤرخ ہونے کا زعم ہے، نہ محقق کہلانے کا داعیہ، میری جولان گاہ ادب و صحافت کا میدان ہے، تاہم موضع کٹہ خٹ کا ایک باشندہ ہونے کی وجہ سے اس کی تاریخ و

ثقافت کا ایک ادنیٰ طالب علم ضرور ہوں۔اس سے پہلے پختونوں کے عمومی کارناموں کو" قافلہ یوسف زئی پٹھان" کے نام سے دو جلدوں میں لکھ چکا ہوں جبکہ اس سلسلے کی تیسری جلد ابھی زیر طبع ہے،لیکن موضع کٹہ خٹ کے حالات و واقعات پر یہ پہلی کتاب ہے۔زیر نظر کتاب میں ماضی کے اختلافی اور نزاعی مسائل سے دامن بچاتے ہوئے دور حاضر کے حالات و واقعات پر زور دیا گیا ہے۔مقصد یہ ہے کہ نوجوان نسل کتاب کے مطالعہ سے خود آگاہی،خود شناسی اور قومی شعور کی دولت پائے اور جذبۂ عمل سے سرشار ہو کر اپنی عظمتِ رفتہ کی باز آفرینی کے لئے سرگرمِ کار رہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ موضع کٹہ خٹ کی تاریخ کے بارے میں یہ کتاب علاقے کے پڑھے لکھے باشعور طبقے کے لیے لکھی گئی ہے نہ کہ ایک تحقیقی مقالہ کے طور پر۔۔۔۔اس لیے اس کا اندازِ بیان سادہ اور عام فہم ہے اور اُسے حوالہ جات اور تشریحی نوٹوں سے بوجھل نہیں بننے دیا گیا ہے۔

آخر میں مَیں اُن تمام اہل قلم کی عظمتِ علمی کا دلی اعتراف کرتا ہوں ، جن کی تحریروں سے اس کام کے سلسلے میں استفادہ کیا گیا،اُن بزرگ حضرات کا بھی ممنون ہوں،جن کے قیمتی مشورے اور معلومات میرے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئے،اس کے علاوہ میں اسد خان مالہ ڈھیری کی طرف سے اخوت،محبت اور یگانت کے بے پناہ اظہار کا نہایت مشکور ہوں جس کی محبت اور مالی اعانت کی وجہ سے میری یہ کاوشیں کتابی شکل اختیار کر گئیں اور اُن قارئین کرام کا بھی سپاس گزار رہوں گا ، جو کتاب کی غلطیوں اور فروگداشتوں سے مجھے آگاہ کریں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں ان کوتاہیوں کی تلافی اور ان غلطیوں کی تصحیح ہو سکے۔

عبیداللہ خان یوسف زئی

موضع کٹہ خٹ ضلع مردان

پیش لفظ

حب الوطنی از ملک سلیمان خوشتر

خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر

اپنی مٹی اور اپنے وطن سے کون ہے جس کو پیار نہیں، کہ یہ ایک فطری چیز ہے اور فطرت کبھی بدلتی نہیں۔ صادق و مصدق پیغمبر علیہ السلام کے یہ مبارک و مقدس الفاظ ''حب الوطن من الایمان'' اس دعویٰ پر برھان بیّن ہیں۔ اور جب علاقہ بھی عام علاقہ نہ ہو بلکہ زرخیزی اور مردم خیزی کی بدولت دوسرے علاقوں پر فوقیت کا قائل اور جاذبیت کا حامل ممتاز خطہ ہو، جس کی قابلیت اور قبولیت کا اپنے تو لامحال دشمن بھی برملا اعتراف اور تعریف کریں تو پھر ایسے علاقے کی مدح سرائی میں سمجھتا ہوں، ہرگز مبالغہ آمیزی نہیں۔

عرض یہ کرنا تھا کہ اپنے آبائی وطن سے محبت ہر انسان کے رگ و پے میں رچ بس چکی ہوتی ہے۔ خود سردارِ دو جہاں حضرت محمد ﷺ جب اپنا آبائی مسکن مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ جا رہے تھے تو نمناک آنکھوں سے مڑ کر دیکھتے چلے جا رہے تھے اور فرماتے چلے جا رہے تھے، ''کہ میرا تو جی نہیں چاہ رہا تمہیں چھوڑنے کا، لیکن کیا کروں کہ یہ تیرے اہلیان مجھے یہاں چھوڑ نہیں رہے ہیں''۔

اسی جذبے کے پیش نظر بندہ عاجز ''تاریخ کٹہ خٹ'' پر کچھ لکھنے کی جسارت کر رہا ہے۔ کٹہ خٹ کی تاریخ کے بارے میں میرا عزم تھا کہ ایک بنیادی شکل میں تحریر کیا جائے تا کہ آنے والے کل کے محقق اور مؤرخ کے لیے آسانی ہو۔ اس تاریخ کو مرتب کرنے کے لیے میں نے چنداں اردو، پشتو، اور انگریزی کتابوں کی ورق گردانی کی، کئی سکالرز اور لکھاریوں سے تفصیلی مباحثے اور علمی مذاکرے کیے اور بہت سے بزرگانِ دیہہ و علاقہ سے ملاقاتیں کی ہیں۔ غرض اپنے مقصد کی یاوری کے لیے اپنی حد المقدور کوشش کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ

تاریخ کی بنیاد قیاسیات واحتمالات پر ہے اور یہی سب کچھ آپ کو یہاں بھی ملے گا کہ یہ تاریخ کا جزو لاینفک ہے ۔تاہم یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ کٹہ خٹ جیسے دور اُفتادہ علاقے پر مختلف تاریخی کتب میں ضمناً بحث بہت کم درج ہے اور کوئی مستقل رسالہ اس سلسلے میں نہیں ملا اور نہ کوئی مستقل کتاب اردو یا پشتو میں ابھی تک لکھی گئی ہے ۔لہذا اس بات کو ضرور ملحوظ خاطر رکھئے گا کہ ایسے میں کٹہ خٹ جیسے تاریخی بلکہ گمنام حیثیت کی حامل زرخیز سرزمین پر کچھ لکھنا یقیناً آسان نہیں اور مستزاد یہ کہ راقم کو اپنی کم علمی اور ناتجربہ کاری کا بھی پوری طرح سے احساس ہے ۔ایسے میں مجھ سے غلطیوں کا سرزد ہونا ناگزیر ہے ۔تاہم ایک عجیب قضیہ ہے مگر ''شوق من عجب است'' کے مصداق دوستوں کے پر زور اصرار پر بسم اللہ کر کے قلم اُٹھایا۔کسی قاری (پڑھنے والے) کا میری تحریر سے متفق ہونا ہرگز ضروری نہیں ۔ان حضرات سے گزارش ہے کہ وہ تنقید برائے اصلاح کی راہ چل کر کوتاہیوں اور لغزشوں کی نشاندہی کرائیں تا کہ آئندہ کی اشاعت میں اس کی تصحیح کرائی جاسکے ۔گرچہ میری تحریر میں وہ دلچسپی نہیں ملے گی جو ہونی چاہیے تاہم مجھے نہ تو کسی قسم کی ستائش کی تمنا ہے اور نہ کسی صلے کی پرواہ ۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ
نہ سہی گر میری تحریر میں مزہ نہ سہی

عبیداللہ خان یوسف زئی

کٹہ خٹ یکم جولائی 2023

بھولی بسری یادیں

دسمبر ۱۹۷۵ء کی ایک سرد رات بڑی تیزی سے گہری ہوتی زمین پر بچھتی شبنم کو چومتی بھاگتی چلی جارہی تھی۔ بینائی سے محروم تاریکیاں آسمان سے زمین کی وسعت اور زمین کی سرد پاتال تک اترتی چلی گئی تھیں۔ ہر شے پر دستور زباں بندی جیسی خاموشی تھی۔ اونگھتے انسان، ماضی کے کھنڈرات، تہذیب کے کھردرے ہاتھ، جنگل صحرا کوہستان، وادیاں ہر شے چپ اور خاموش تھی۔

ایسے میں اسلامیہ کالج پشاور کے ہاسٹل عبدالقیوم منزل میں سیکنڈ ایئر کے طلباء اپنے اپنے کمروں میں بجلی کے ہیٹر کے اردگرد اپنی پڑھائی میں عرق ریزی سے مشغول تھے۔ ہاسٹل کے صحن میں کبھی کبھار ہاسٹل کے بارعب وارڈن ارباب سکندر حیات کی آواز گونجتی، جو یا تو ہاسٹل کے چوکیداروں پر کوئی غصہ نکال لیتا تھا یا کسی طالبِ علم کو کمرے سے باہر گھومتے ہوئے جھڑک دیتا تھا۔

جب رات کافی گہری ہوگئی اور وارڈن صاحب کی مار دھاڑ بند ہوگئی، تو ایسے میں طلباء جو مسلسل پڑھائی سے بور ہوئے تھے، تبدیلی آب و ہوا کے لئے اپنے کمروں سے نکل کر دوسرے طالب علموں کے کمروں کا رخ کرنے لگے تا کہ کچھ گپ شپ لگا کر یا اکٹھے بیٹھ کر کچھ قہوہ شہوہ پی کر اپنے آپ کو مزید پڑھائی کے لئے تازہ دم کریں۔

ایسی حالت میں جب شب کے بارہ بجنے والے تھے میں (مصنف کتاب) اپنے کمرے میں ہیٹر کے ساتھ بیٹھ کر قہوہ پی رہا تھا، کہ سوات کا ایک طالب علم ساتھی حاجی محمد (جو کہ بڑا نیک، اور ہمدرد انسان تھا اور جسے اللہ تعالیٰ نے جوانی کی دہلیز پار کرتے وقت دو دفعہ حج بیت اللہ کی سعادت سے نوازا تھا) ہاتھ میں ایک کتاب اُٹھائے میرے کمرے میں وارد ہوا۔ وہ بھی ساتھ بیٹھ کر قہوہ پینے لگے۔ اس دوران گپ شپ میں اُس سے اُس کتاب کے

بارے میں پوچھا، جو وہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا۔تو اُس نے بتایا کہ کل اسلامیہ کالج کے روس کیپل ہال (Rose keepal Hall) میں پاکستان ایئر فورس کا عملہ آرہا ہے جو پاکستان ایئرفورس میں بطورِ جنرل ڈیوٹی پائلٹ (GDP) بھرتی ہونے والوں کا ابتدائی ٹسٹ لے گا۔ تو یہ کتاب اُس کی تیاری کے لئے ہے۔اس کے بعد اُس نے پاکستان ایئرفورس کے متعلق مزید بہت سی دلچسپی سے بھرپور اور جذبہ اُبھارنے والی باتیں بتائی۔جس کی وجہ سے میرے دل میں وطن کی حفاظت کا جذبہ اور اُس جذبہ کو تکمیل تک پہنچانے کا شوق پیدا ہوا۔حاجی محمد سے کتاب ایک گھنٹے کے لئے اُدھار لے لیا اور اس کو اچھی طرح سے پڑھ لیا اور صبح میں بھی حاجی محمد اور دوسرے طلباء کے ساتھ روس کیپل ہال مقررہ وقت پر پہنچا۔تا کہ میں بھی قسمت آزمائی کر سکوں۔

قسمت کا کرنا ایسا ہوا کہ حاجی محمد صاحب تو ٹسٹ پاس نہ کر سکے، جبکہ میں ٹسٹ میں پہلی پوزیشن حاصل کر کے پاس ہونے والے طالبِ علموں کی صف میں کھڑا تھا۔اس کے بعد انہوں نے مزید ٹسٹ دینے اور ابتدائی میڈیکل ٹسٹ کے لئے پاکستان ایئرفورس کی سلیکشن سنٹر مال روڈ پشاور میں طلب کیا گیا تھا۔اس طرح پاکستان ایئرفورس کی سیلکشن سنٹر کو آنے جانے کا سلسلہ شروع ہوا۔خوش قسمتی سے میں تمام ٹسٹ اچھی پوزیشن میں پاس کرتا رہا۔

یہاں سے تمام ٹسٹ پاس کرنے کے بعد کوہاٹ میں آئی ایس ایس بی (ISSB) اور پھر کراچی میں آخری میڈیکل ٹسٹ (CMB) جانا ہوا۔ہر آزمائش میں قسمت نے یاوری کی اور میں سرخ رو ہو کر واپس آ گیا۔تمام آزمائشوں سے کامیابی کے ساتھ گزرنے کے بعد، اب تو حالت یہ ہو گئی تھی۔کہ میں ہر وقت خیالوں میں جنگی جہاز اُڑا کر بھارت پر حملہ کرنے جا رہا تھا۔یہاں تک کہ خواب میں بھی میں جہاز میں بیٹھ کر ایم ایم عالم کی طرح ہندوستان کے جہاز گرا رہا تھا۔کالج تو معمول کے مطابق جاتا تھا، کلاس میں بھی موجود ہوتا تھا۔لیکن کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا اور ہر وقت جہاز اُڑانے کی دُھن میں مگن رہتا تھا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا۔کہ ایک دن فزیکس کے پروفیسر نے مجھے کلاس میں خیالوں کی دنیا

میں غرق دیکھ کر میری خوب کلاس لے لی۔ مجھے تمام طلباء کے سامنے شرمندہ کیا اور اُس نیند سے رابیدار کر دیا۔ جو ہر وقت میرے اعصاب پر سوار ہو چکا تھا۔ اُس نے دوسرے لڑکوں کے سامنے میری اس حرکت پر نہ صرف میری سرزنش کی، بلکہ مجھے پڑھائی میں دل لگانے، وقت ضائع نہ کرنے اور ایف سی اچھے نمبروں سے پاس کرنے کی ترغیب بھی دے دی۔ جس کی وجہ اپنے سر کو جھٹکا دیکر تمام خیالات کو یک دم دل سے نکال دیا اور اپنے اصل مقصد پر آنے کا احساس ہو گیا تھا۔

چونکہ ایف ایس سی کے امتحانات سر پر تھے، اس لئے ایک بار پھر خوب زور و شور سے اس کی تیاری میں لگ گیا اور ایسا لگ گیا، کہ پھر پاکستان ایئر فورس کی طرف سے پی اے ایف کالج سرگودھا کو جائن کرنے کے نوٹیفکیشن کو بھی درغور استشناء نہ سمجھا۔

جولائی ۱۹۷۶ء میں ایف ایس سی کو اچھے نمبروں سے پاس کرنے کے بعد میڈیکل کالج میں داخلہ لینے کا سوچ رہا تھا، کہ اس دوران پی اے ایف ہیڈ کوارٹر پشاور کی سلیکشن ونگ کی طرف سے دوبارہ بلاوا آ گیا، کہ ایف ایس سی کے رزلٹ کے ساتھ پی ایف ہیڈ کوارٹر پشاور آ جاؤ۔ چنانچہ ایک بار ملک و قوم کی خدمت کے جذبے نے سر اُٹھا لیا اور میڈیکل کالج میں داخلہ لینے اور ڈاکٹر بن کر ملک و قوم کی خدمت کرنے پر پاکستان ایئر فور میں بطورِ جی ڈی پائلٹ بن کر ملک و قوم کی حفاظت کرنے کو ترجیح دے دی۔

القصہ مختصر یہ کہ ۱۶ ستمبر ۱۹۷۶ء کو پاکستان ایئر فورس میں بطور فلائٹ کیڈٹ 67 ویں جی ڈی پی کورس میں شامل ہونے کے لئے لوئر ٹوپہ (lowerTopa) بیس نزد مری چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر احساس ہوا کہ یہاں کی تو دنیا نرالی ہے۔ کہ اب میں وہ کالج والا بولا بالا لڑکا نہیں ہوں بلکہ اب میں اُس اونچی اُڑان والی فورس کا جزو لاینفک بن چکا تھا جس کا موٹو ہے :

”جھپٹ کر پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا“

فلائٹ کیڈٹ

عبیداللہ خان یوسف زئی

باب 1

کٹہ خٹ کی روداد

(کٹہ خٹ اور اہل کٹہ خٹ)

کٹہ خٹ ایک خطہ زمین کا نام نہیں بلکہ دراصل کٹہ خٹ ۔۔۔۔۔ گنگناتے ، شور کرتے ندیوں، سونا اُگلتے کھلیانوں، لہلہاتے کھیتوں، چہچہاتے پرندوں اور سرسراتے درختوں سے مالا مال علاقہ ہے !

وسیع و عریض میدانوں، لق و دق گھاٹیوں سے مرکب خطہ اور قدرتِ خداوندی کے مظاہر کی قابل دید تفریح گاہ !

نور ایمانی سے چمکتی آنکھوں، سجدوں کے لیے بے تاب پیشانیوں، قوت و طاقت سے بھرپور بازوؤں، شہادت کے لیے بے قرار گردنوں اور انسانوں کی غلامی سے بیزار فرودگاہ!

پردہ دار خواتین، جفاکش مردوں، غیرت مند انسانوں، شجاعت پیشہ نوجوانوں اور سربکف مسلمانوں کا دار سکونت!

مجاہدوں کے نعروں سے لرزتی، ولیوں کی مقدس آہوں و سسکیوں سے مہکتی ، عالموں، خطیبوں، محدثوں، مفسروں، واعظوں اور مقرروں کے پرمغز اور عجیب وغریب نکات و ارشادات سے لبریز علمی خطبات اور تقریر یں کمال کی حد کو چھونے والی مشکبوں کی سرزمین !

پراسرار بندوں ، پرخلوص عبیدوں ، بے شمار نمازیوں اور گمنام شہیدوں کا نشیمن !
لائق داد حفاظ کرام، قابل قدر علماء اسلام اور مفتیان وعظام کا حامل علاقہ !

مہمان نوازی، قدر شناسی، علم دوستی، ذرہ نوازی اور مردم سازی کا آمین گاؤں اور عظیم، رحیم و کریم پٹھانوں کا مسکن !

الغرض نابغہ روزگار شخصیات ، بے مثال خواتین وحضرات اور قابل رشک ہستیوں کا

مولد و مدفن، ابدال واقطاب کی آرام گاہ، علماء، صلحاء، ڈاکٹر، انجینئرز، پروفیسرز، اساتذہ کرام، آفیسرز اور قابل ذکر صاحب الرائے لوگوں کا مسکن، شیروں کا مخزن، شہسواروں کا میدان، کٹہ خٹ جہاں کی سرزمین سے آسمان بھی جھک کے ملتا ہے۔

اس میں گھاس بھی اُگتی ہے، اس میں پھول بھی کھلتے ہیں
تبھی تو اس زمیں سے آسماں بھی جھک کے ملتا ہے

کٹہ خٹ کے شریف و کریم لوگ چونکہ دینداری سے خصوصی شغف رکھتے ہیں اور علم وعلماء سے خاص تعلق رکھتے ہیں بلکہ اللہ اور رسول صلعم اور اُن سے محبت کرنے والوں سے ازحد محبت رکھتے ہیں، اسی مناسبت سے یہ سرزمین ہمیشہ زرخیز و مردم خیز رہی ہے۔ گرچہ وسائل و مسائل کے اعتبار سے یہ گاؤں اتنا ترقی یافتہ شمار نہیں کیا جاتا ہے لیکن عقل و دانش، فہم و ادراک، دنیوی فنون اور دینی علوم کے لحاظ سے علاقے کی دیگر گاؤں کی نسبت اس کا اپنا ایک الگ تھلگ مقام اور منفرد نام ہے۔ اس کی کوکھ سے وہ نامور ہستیاں، نابعہ روزگار شخصیات، ناقابل فراموش سپوت اور فقید المثال افراد نے جنم لیا، جن کا ایک عالم معترف ہے۔ یہاں کے عوام میں انسانی اقدار اعلیٰ پیمانے پر موجود ہیں، جسمانی ساخت کے ساتھ ساتھ ان میں جرأت و ہمت، شجاعت و بسالت، عظمت و رفعت، عزم و عزت، اتفاق واتحاد، محبت و جودت اور مظلوم کی دادرسی جیسے اوصاف ان کے قابل دید و داد ہیں۔ جسم میں فولادی طاقت، دل میں ہمدردانہ، عادلانہ، مصفانہ، آزادانہ اور دلیرانہ قوت، دماغ کی تابانی، فراست کی فراوانی، بصیرت و دور اندیشی کی آنکھ، تدبر و تفکر والا مغز، حکمت و دانائی سے لبریز لہجہ، جیت کا عزم، شکست و بے غیرتی سے نفرت، حیا، حمیت و پاکدامنی اور مقدس خیالات پر مر مٹنے والا عظیم جذبہ، نیز اپنے اور پرائیوں کی صحیح پہچان جیسی بے شمار صفات ہی تو ہیں جو اسے علاقے کے دوسرے گاؤوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ تبھی تو اس کے ذرے ذرے سے ہمیں پیار ہے اور اس کا ہر ذرہ ہمیں جہاں سے بڑھ کر محبوب ہے۔

تو محبت میں مقدم ہے بُتاں سے بڑھ کر

تیرا ہر ذرہ مقدس ہے جہاں سے بڑھ کر

کٹھ خٹ والوں کا راقم کہاں تک مدحت کرتا رہے کہ قدرت نے ان کو کیا کیا خوبیاں، صفات واوصاف ودیعت کی ہیں۔المختصر۔۔۔

سیاست کا پلیٹ فارم ہو یا کھیل کا میدان، معاشی وسماجی سرگرمیاں ہوں یا تاریخی و تحقیقی جانفشانی، زبان کی امرت وکامرانی ہو یا قلم کی جودت وروانی، فکری بیداری ہو یا تحریک آزادی، علماء کے مجالس ہو یا علوم کی تدریس ہو، غیرت وجوان مردی کی بات ہو یا خرد وعقلمندی کی گھات، نام ومقام کا خروش ہو یا انعام واکرام کا جوش، صلاحیت واستعداد کا اظہار ہو یا اخلاق وکردار کا معیار، دنیاداری کا طنطنہ ہو یا دینداری کا ولولہ، خوبصورتی کا جمال ہو یا خوب سیرتی کا کمال، لسانی سیلاب ہو یا علمی انقلاب، دوستی میں سرفروشی ہو یا دشمنی میں سرکوبی، غلامی سے سرتابی ہو یا آزادی کی سرشاری، عبادت کا شوق ہو یا سبقت کا ذوق، اقوال وافعال کی شبعدہ بازی ہو یا مال واعمال میں مقابلہ بازی، حیاء ووفا کا دھج ہو یا ادا والقاء کا نہج ۔۔۔غرض۔۔۔زیست کے ہر موڑ، زندگی کی ہر دوڑ اور حیاتِ مستعار کے ہر جوڑ پر کٹھ خٹ والوں کا تفوق وتفضّل اور تقدم وتشرف امر بدیہی کی سی حیثیت رکھتا ہے۔جس کا اعتراف اپنے تو لامحال پرائے بھی بلا جھجک وبے دھڑک کرتے ہیں اور یہی فوقیت وقابلیت کی معقول دلیل ہے۔

حمزہ اللہ خان ایڈوکیٹ

کٹھ خٹ 20 جنوری 2023ء

کٹہ خٹ

(کب اور کیسے وجود میں آیا)

موضع کٹہ خٹ ضلع مردان کا ایک مشہور گاؤں ہے۔ جو مردان شہر سے 25 کلومیٹر اور موضع بخشالی سے 5 کلومیٹر شمال مشرق میں واقع ہے۔ واقعات وسکنات کا باریک بینی سے جائزہ لینے اور بزرگوں کے اقوال، روایات اور کٹہ خٹ کے قیام کے بارے میں بیان کی گئی روداروں کو (جواب تک سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں) سامنے رکھتے ہوئے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ گاؤں سلطان محمود غزنوی کے سال 1001ء میں ہندوستان آمد سے قریباً سو سال پہلے وجود میں آیا تھا۔ لیکن آبادی کم ہونے کی وجہ سے یہ ایک چھوٹی سی دیہہ (بانڈہ) کی شکل میں موجود تھا۔ یہ گاؤں اُس وقت سے اب تک مقام خوڑ کے مغرب کی طرف شہباز گڑھی سے 12 کلومیٹر شمال میں ایک ڈھلوانی سطح زمین پر آباد ہے، جسے پشتو میں خٹ کہتے ہیں۔

اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پہلے پہل چونکہ یہ تمام علاقہ بارانی اور صحرائی تھا۔ آبپاشی کا کوئی نظام موجو نہ ہونے کی وجہ سے اردگرد کے تمام علاقوں کے لوگوں کی زندگی کا دار و مدار مال مویشی پالنے اور اُن سے حاصل ہونے والی آمدنی پر ہوتا تھا۔ مویشیوں کے چرانے کے لئے زمین بہت تھی بلکہ یوں کہیے کہ سارا علاقہ چراگاہ کا کام دیتا تھا۔ لیکن پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا اور بارش کا پانی جب قدرتی طور پر بنے ہوئے جوہڑوں میں جمع ہوتا تھا تو لوگ اس کو اپنے مویشیوں کے استعمال میں لاتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مویشیوں والے اپنے مویشیوں کو چرانے کے لئے وہاں لے جاتے تھے جہاں جوہڑوں کا پانی وافر مقدار میں دستیاب ہوتا تھا۔ اس علاقے میں اُس وقت ایک ندی بہتی تھی (جو کہ ابھی دریافت نہیں ہوئی تھی) اور جس میں اُس وقت پانی کی مقدار بہت کم ہوتی تھی۔ اس ندی نے بعد میں مقام خوڑ کے نام سے شہرت پائی۔ اس علاقے کے اکثر گاؤں اس مقام خوڑ کے آر پار

پانی کی دستیابی کی وجہ سے آباد ہوئے ہیں۔اُنہی دنوں میں گوجرلوگ (پشتو میں مال مویشی پالنے والوں کو گوجر کہتے ہیں) اپنے مال مویشیوں کو پانی کی تلاش میں ادھر اُدھر لے کر جاتے تھےاور جب اسی طرح کی کوئی ندی مل جاتی تو اس کے آس پاس ڈیرے ڈال دیتے تھے۔اس طرح اس علاقے میں گاؤں کے گاؤں وجود میں آتے گئے۔اور بقول شاعر کے:۔

بستی بسانا کھیل نہیں۔ بستے بستے بس جاتی ہے

یہ اُنہی دنوں کی بات ہے جن دنوں میں مالاکنڈ کی پہاڑی سلسلے کے نیچے جنوب کی طرف تمام علاقہ بنجر ہوتا تھا۔آبادی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔سوات کی طرف سے آتے ہوئے جب لوگ مالاکنڈ کے پہاڑوں سے نیچے اُترتے تھے،تو پھر یہ گوجرلوگ اپنے مویشیوں کو آس پاس کے علاقوں میں چرانے کے لئے مختلف چراگاہوں کی طرف لے جاتے تھے۔کہاوت مشہور ہے کہ ایک دن ان گوجرلوگوں میں سے ایک گوجر جس کا نام کٹہ تھا اپنے مویشیوں کو چراتے چراتے دوسرے ساتھیوں سے بہت دور نکل آیا۔چونکہ اُس کے مویشیوں کو زرخیز زمین مل گئی تھی،اس لیے وہ بھی اُس میں خوب چر رہے تھے۔اور کٹہ گوجر بھی اپنے مویشیوں کے اس طرح چرنے سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا،مویشی گھاس میں خوب چر رہے تھےاور کٹہ گوجر ایک درخت کے سایے میں بیٹھ کر اُن کی رکھوالی میں مشغول تھا۔سایے میں بیٹھے بیٹھے کٹہ گوجر کی آنکھ لگ گئی اور جلد ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔تھکے ہوئے آدمی کے لیے زمین پر سونا بھی کسی فوم والے آرام دہ بستر ے سے کم نہیں ہوتا۔اس لیے کٹہ گوجر دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوکر خوابِ خرگوش کے مزے لینے لگا۔

کافی دیر تک خوابِ خرگوش کے مزے لینے کے بعد جب کٹہ گوجر کی آنکھ کھل گئی،تو وہ حواس باختہ ہوگیا۔کیونکہ آس پاس کے درختوں کے سایے بہت لمبے ہوگئے تھے۔سورج کے گرمی کی طمازت ماند پڑگئی اور مغربی اُفق کے حاشیوں کا رنگ گلاب کے پھولوں جیسا ہوگیا

تھا۔سورج ان دریاؤں کی طرح غروب ہونے لگا تھا جو سمندر میں جا گرنے کی بجائے صحراؤں کی پیاس میں کھو جاتے ہیں۔ ہر شے گویا لال غوں ہوگئی۔لیکن کٹھ گوجر کے مویشی ابھی تک زرخیز زمین ملنے کی خوشی میں ہر شے سے بے نیاز ہو کر چرنے میں مصروف تھے۔

زیادہ دیر تک سونے کی وجہ سے کٹھ گوجر کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور وہ کہاں پر ہے۔اُسے ہر چیز اُلٹی نظر آرہی تھی (مشرق کی جگہ مغرب اور مغرب کی جگہ مشرق)۔حالات کا ادراک کرنے کے لئے وہ دیر تک اپنی آنکھیں بے سود ملتا رہا، یہاں تک کہ شام کے دھندلکے تانک جھانک کرنے لگے اور سورج غروب ہونے کے لئے مغرب کی طرف سُرخ ہو کر جُھک گیا تھا اور مغربی حاشیوں کے رنگ شکستہ خدو خال کے ساتھ ایک یا سیت، ایک نا آسودگی کے ساتھ ہر سُو بکھرنے لگے تھے۔شام گہری رات میں ڈھلنے لگی تھی اور چاروں طرف ظلمت، سیاہی، تاریکی اور اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔فضائیں ایسی خاموش اور چپ ہوگئیں تھیں جیسے سحر سامری کا شکار ہوگئی ہوں۔کائنات کی ہر شے ایسی ساکن ہوگئی تھی گویا ازلی اور وہبی قوتوں نے ان سے فِطرت کے گیت چھین کر ان کے لبوں پر سکوت کی مہر لگا دی ہو۔تو ایسے میں کٹھ گوجر اپنی جگہ سے اُٹھا اور مویشیوں کو واپس گھر لے جانے کی فکر کرنے لگا۔لیکن دماغ چکرانے اور چاروں طرف مہیب اندھیرا چھا جانے کے باعث اُس سے سمت کا تعین نہیں ہو رہا تھا۔وہ بہت سٹپٹایا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔وہ اپنے تیئں مویشیوں کو مغرب کی طرف ہانکنا چاہتا تھا، لیکن دماغ چکرانے کی وجہ سے اُس سے سمت کا تعین نہیں ہو سکا اور وہ اپنے مویشیوں کو مغرب کی طرف ہانکنے کی بجائے مزید آگے مشرق کی طرف ہانکتا گیا۔

کافی دیر تک کٹھ گوجر اپنے مویشیوں کو ہانکتا جا رہا تھا اور ساتھ ہی ماحول نے اپنے چہرے پر تاریکی کا غلاف چڑھانا شروع کر دیا تھا۔بلند او نچی نوکدار چٹانیں، سر برآوریدہ صنوبر کی طرح کھڑی تھیں۔ہواؤں سے خلاؤں تک، دریا سے کوہسار تک کسی قدر گھمبیر مکڑی کے جالے کی طرح سُنسان اور خزاں زدہ درختوں جیسی مایوس کُن خاموشی طاری ہو رہی تھی۔

ایسے میں کٹہ گوجر اپنی منزل کی تلاش میں سرگرداں تھا،لیکن اُس سے منزل کوسوں دور چلی گئی تھی۔آخر کار مہیب اندھیرا چھا جانے کے بعد کٹہ گوجر کی ہمت جواب دے گئی اور اُس نے اسی صحرا میں رات گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔اُس نے اپنے مویشیوں کو ایک جگہ پر اکٹھا کیا اور خونخوار جانوروں سے اُس کی حفاظت کا سامان کرنے کے بعد وہ خود اُن کے قریب آرام کرنے کے لئے زمین کی ننگی پیٹھ پر لیٹ گیا۔

کافی دیر تک زمین کی ننگی پیٹھ پر لیٹے لیٹے کٹہ گوجر دِن بھر کے واقعات کو اپنے دل میں دہراتا رہا اور اس غیر معمولی حالات سے عہدہ براء ہونے کے بارے میں سوچ بچار میں مصروف تھا کہ نیند کی آہنی شکنجے نے اُسے اپنے آغوش میں لے لیا۔

اگلی صبح جب فضاؤں کے در و بام پر محیط رات کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ستارے سفر آسمان کی چپ اور سکوت کی طیلسان میں چھپنے لگے تھے۔آسمان پر روپیلے نیلے بادلوں کو چیرتا ہوا سورج مشرق سے طلوع ہو رہا تھا۔سورج کے طلوع ہونے سے فضائیں رنگ رنگ، ہوائیں جلترنگ اور سنگ سنگ صداؤں کے سکوت کو نغمگی ملنے لگی تھی۔قدرت کا جمال وجلال ستاروں کی رزکار کلیوں کی طرح ذہنوں کے برگد پر پھیلی تاریکی کو صاف اور روشن کرنے لگا تھا۔پودوں پر پھیلی شبنم قطرہ قطرہ ہو کر زمین کے بدن میں گھستی جا رہی تھی۔

تو ایسے میں کٹہ گوجر کی آنکھ کھل گئی۔نیند سے بیدار ہونے کے بعد سب سے پہلے اُس نے اپنے مویشیوں کا جائزہ لیا۔مویشیوں کو صحیح وسلامت پا کر وہ نہایت خوش ہوا اور پھر اپنی تیئں سمت کا تعین کرنے کے بعد اپنے مویشیوں کو ہانکنے لگا۔سورج جب آسمان کے وسط تک پہنچ گیا،تو گرمی کی شدت کی وجہ سے اُس کا بہت بُرا حال ہو گیا تھا اور اس کے مویشی بھی پیاس کی شدت کی وجہ پریشان حال تھے۔پچھلے دن سے اُس نے اپنے ساتھ پانی کا جو مشک بھر کر لایا تھا۔اُس کا پانی بھی ختم ہو چکا تھا اور وہ پانی کی تلاش میں سرگرداں ،اپنی منزل سے بے خبر بس بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔لیکن پانی کا کوئی اتہ پتہ نہیں لگ رہا تھا۔کبھی کبھی اُس کی

نظریں بارش کی اُمید میں آسمان کی طرف بھی اُٹھ جاتی ،لیکن آسمان پر بادلوں کا دور دور تک کوئی آثار دکھائی نہیں دیتا تھا۔ایسی حالت میں وہ اور اُس کے مویشی پیاس اور تھکاوٹ کی وجہ سے نڈھال ہو چکے تھے اور کٹہ گوجر کو اپنی زندگی کی کشتی کسی منجدھار میں پھنستی اور ہچکولے کھاتی نظر آنے لگی تھی۔لیکن اُس نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور پانی ملنے کی آس میں آگے بڑھتا چلا گیا۔سہ پہر کے قریب جب وہ ایک ڈھلوانی زمین کے پاس سے گزر رہا تھا تو اُسے پانی کے کچھ آثار نظر آنے لگے۔کیونکہ کچھ پرندے ڈھلوانی زمین کی پشت (مشرق) کی طرف سے نشیبی زمین سے فضا میں بلند ہو رہے تھے۔اس لیے وہ اُسی طرف لپکا۔قریب جا کر اُس کو پانی کی ایک چھوٹی سی ندی مل گئی۔اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔کیونکہ وہ زندگی سے مایوس ہو چکا تھا اور پیاس کی وجہ سے اُس نے موت کو بہت قریب سے گزرتے دیکھا تھا۔اُس کے مویشی بھی پانی کی حس کو پا چکے تھے لھذٰا وہ بھی پانی کی طرف دیوانہ وار دوڑے اور ندی میں پہنچ کر پانی سے اپنے آپ کو خوب سیراب کیا۔اگر چہ اُس وقت ندی میں پانی کی مقدار بہت کم تھی پھر بھی کٹہ گوجر اور اُس کے مویشیوں کی زندگی بچانے کے لیے یہ ایک رحمت ثابت ہوئی۔

نئی زندگی ملنے پر وہ بہت خوش ہوا اور اس نے ندی کے قریب ایک ڈھلوانی زمین ’’حٹ‘‘ پر ڈیرہ جما لیا۔یہاں پر سکون ملنے کے بعد وہ کئی دن ٹھنڈے پانی اور جانوروں کے لیے گھاس کی پراوانی کے مزے لوٹتا رہا۔پھر اُسے یہاں پر تنہائی ڈسنے لگی۔وہ یہاں کے مزوں سے لطف اندوز ہونا بھی چاہتا تھا اور اُسے دوسرے لوگوں کا ساتھ بھی درکار تھا۔اس لیے اُس نے رفتہ رفتہ اپنے دوسرے بھائی بندوں کو بھی ادھر بلا لیا اور سب نے مل کر اس ندی کے کنارے ڈھلوانی زمین یعنی ’’حٹ‘‘ پر رہنے کے لیے جھونپڑیاں بنائی۔وہ دن کے وقت اس علاقے میں اپنے مویشیوں کو چراتے تھے اور اس ندی سے اپنی پانی کی ضروریات پوری کرتے تھے اور رات اس ندی کے کنارے ڈھلوانی زمین (حٹ) پر اپنی جھونپڑیوں میں آرام کرتے تھے

چونکہ اس ندی اور ڈھلوانی زمین یعنی ’’حٹ‘‘ پر سب سے پہلے کٹہ گوجر براجمان ہو

چکا تھا اور باقی سب لوگ اس کے بعد یہاں آئے تھے اس لیے یہ ''خٹ'' (ڈھلوانی زمین) کٹہ گوجر کے نام کی نسبت سے ''کٹہ خٹ'' کے نام سے مشہور ہوگیا۔

وہی کٹہ گوجر کے وقت کا چند جھونپڑیوں کا چوپال اب جدید سہولتوں سے مزین ایک خوبصورت گاؤں کی صورت اختیار کر چکا ہے۔اس کے باسی تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ نہایت ہی محنتی اور جفاکش ہیں۔وہ اپنے گاؤں کو دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر چکے ہیں۔ لیکن گاؤں کا کوئی جدید نام رکھنے کی بجائے وہ اس پرانے نام پر فخر کرتے ہیں اور بڑے شوق سے دوسرے علاقے کے لوگوں کو اپنے گاؤں کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔

موضع کٹہ خٹ اور گردنواح کے علاقے کی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، تاکہ قاری کو پڑھنے اور سمجھنے میں دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔۱۔ قدیم تاریخ، ۲۔جدید تاریخ

قدیم تاریخ:۔ تاریخ کے اس حصے میں مختلف اقوام کے حالات زمانہ قبل مسیح سے لے کر پندرھویں صدی عیسوی میں یوسف زئیوں کی پختونخواہ آمد تک، کو شامل کیا گیا ہے۔

جدید تاریخ:۔ تاریخ کا یہ حصہ پندرھویں عیسوی صدی میں یوسف زئیوں کی پختونخواہ آمد سے لیکر اب تک کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے۔

باب 2

قدیم تاریخ

قدیم تاریخ کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہندوستان میں زمانہ قدیم میں کئی ایک قابل ذکر قومیں گزر چکی ہیں مثلاً نیولیتھک یا نیکر ہٹو، آسٹرک، تبسی، آسٹریلی کول، بحر رومی، الاینی، منگولی، داروڑ یا دراوڑی، بروسی، سمیری، اچی، ناگا، آشور، رواتی، واہیکے، داس ناگے، آزیہ، ڈوما، سمہ، بریا، رونی، بیکہ اور بھالا۔ ان میں آخرالذکر چھ سات اقوام کافی مشہور ہیں۔ جرمنی کے ماہر ہندوستانی ڈاکٹر گستاؤاورٹ نے اپنی تصنیف ''ہندوستان کے اصل باشندے'' میں بیان کیا ہے کہ ساڑھے تین ہزار برس ہوئے جب آریہ وادی سندھ میں وارد ہوئے تو انہیں شمال مغربی حصوں میں آباد دراوڑی قبائل کا سامنا کرنا پڑا دراوڑ لوگوں میں سے کچھ تو آریوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور یہیں آباد رہے۔ جو بعد میں آہستہ آہستہ یہ آریہ حملہ آوروں کے ساتھ خلط ملط ہو گئے جبکہ کہ کچھ دراوڑ حملہ آوروں کی تاب نہ لا کر جنوب کی طرف نقل مکانی کر گئے۔ بقول محمد شفیع صابر ''کول اور دراوڑ ہندوستان کی قدیم قوموں میں شمار ہوتے ہیں ان میں کول اور ناگا لوگ جنگلی قبائل تھے جبکہ دراوڑ نسبتاً مہذب اور متمدن لوگ تھے''۔ جن کے متعلق خیال یہ ہے کہ وہ آریاؤں کی آمد سے بہت پہلے شمال مغربی دروں کی راہوں سے اس سرزمین میں وارد ہوئے۔ وہ پہلے موجودہ پختونخواہ کے میدانوں میں آباد ہوئے لیکن بعد میں آریاؤں کے دباؤ کے تحت پنجاب، سندھ اور بلوچستان میں پھیل گئے۔

(محمد شفیع صابر، تاریخ صوبہ سرحد صفحہ 118)

نوٹ: قدیم تاریخوں میں درہ خیبر سے مشرق کی طرف تمام علاقے کو ہندوستان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ جبکہ اکثر قوموں کا دارالخلافہ اَلاہورُ جسے اب چھوٹا لاہور کہا جاتا ہے اور ہنڈ تھا۔ (اُس وقت مردان اور صوابی کے شہروں کا نام ونشان تک نہ تھا)

☆ سمہ خاندان:

ہندوستان کی قابل ذکر اور قدیم ترین اقوام میں سمہ قوم اہمیت کی حامل ہے۔ اس خاندان کا آبائی مسکن عراق کا شہر بابل تھا۔ جہاں سمہ خاندان کے نام سے ایک حکمران سمویل یا سموابی نامی شخص نے 2452 ق م میں اس خاندان کی حکمرانی کی بنیاد رکھ دی، پھر سموابی یا سمویل کے بعد اسی خاندان کے گیارہ حکمرانوں نے یکے بعد دیگرے وہاں حکومت کی۔ اسی خاندان کا آخری بادشاہ سموستان تھا۔ جس نے 2182 ق م سے 2151 ق م تک یعنی 31 برس حکومت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل شہر میں اسی بادشاہ کے دور میں 2160 ق م میں پیدا ہوا اور جب حضرت ابراہم علیہ السلام کی عمر نو برس ہوئی تو نمرود نے سموستان بادشاہ کو شکست دے کر اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور اس خاندان کو جلاوطنی پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا سموستان اپنے خاندان کو لے ہندوستان آ گیا اور صوابی مردان کے علاقے میں آباد ہو گیا۔ اور اُس نے اس علاقے کا نام اپنے جدامجد کے نام پر ''سمہ'' رکھ دیا۔ اگرچہ بعد میں جب پشتون یہاں آ کر آباد ہو گئے تو انہوں نے لفظ ''سمہ'' کو میدانی علاقے کے لیے وضع کیا یعنی پہاڑی علاقے کے مقابلے میں ہموار زمین کو ''سمہ'' کہنے لگے۔

(پاکستان کا ثقافتی انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۱۵۰)

☆ ڈوماخیل

علاقہ صوابی مردان کی یہ ایک قدیم ترین قوم ہے۔ موجودہ تحقیق کے مطابق محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ صوابی کے عہد حاضر کے ایک گاؤں لاہور جسے اب چھوٹا لاہور کہتے ہیں۔ یہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ مشرقی لاہور اور مغربی لاہور۔ اس کے مشرقی اور مغربی دونوں حصوں میں ڈوما قوم آباد تھی جو ڈوماخیل سے موسوم تھی۔ تاریخی اور ثقافتی قدامت کے پیش نظر یہ اس علاقہ کی قدیم ترین قوم ہے۔ لاہور کے مشہور مؤرخ میر سید بخاری کا کہنا ہے کہ اسی قوم کے

کچھ لوگ ڈیرہ اسماعیل خان کے مغرب میں سلسلہ کوہ شیرانی میں آباد ہیں۔اس قوم کی تفصیل کے بارے میں آسمانی کتاب تورات کی طرف رجوع کرنے سے یہ عقدہ کھلتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے۔ان میں ایک کا نام دوم یا ڈوم تھا۔مرورزمانہ کے مطابق ان کی اولاد ڈوماخیل سے مشہور ہوئی۔(ایضا،ص 151)

☆ ہنجامنشی دورِحکومت (550 ق م تا 331ق م)

طلوع اسلام سے قبل پانچ ایرانی حکمران خاندانوں کا ذکر ملتا ہے۔جنہوں نے یکے بعد دیگرے دادِحکومت دی اور 550ق م سے 331ق م تک ایران اورصوبہ سرحد(موجودہ پختونخواہ) پرحکومت کی۔یاد رہے کہ ایران اور یہاں کے لوگ ایک ہی نسل سے تھے۔اور یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آریوں کے بعد پختون خواہ میں جو پہلی اور متمدن قوم برسر اقتدار آئی وہ ایرانی قوم تھی۔

مذکورہ پانچ خاندان ماؤ(میڈیا) کہلاتے تھے جو تین سو سال تک برسر اقتدار رہے۔ایران سے لے کر صوابی تک کے علاقے ان کے زیر سایہ رہے۔ڈاکٹر جعفری نے فرانسیسی مؤرخ کے حوالے سے اس خاندان کی تفصیل لکھی ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ جب سلطنت ماؤ کا خاتمہ ہوا تو ایران کا تخت وتاج ہنجامنشی حکمران کے حصے میں آیا۔اس خاندان کے عظیم حکمران ساریوش یا کورش یا کیخسر و نے ایرانی سلطنت کو وہ استحکام بخشا جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔اس نے پے درپے یونانیوں کو شکست دی، چنانچہ دریائے سندھ کے مغربی کنارے سے لے کر مغرب میں بحر اسود اور بحیرہ روم تک کے وسیع علاقوں پر ایرانی پرچم لہرانے لگا۔اُس وقت گندھارا (پختونخواہ) پر راجہ پکوساتی کی حکومت تھی۔گندھارا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ داریوش نے اس کا نام ''گندھارا'' کے نام پر رکھا تھا اور قدیم ویدک ادب میں موجودہ صوبہ پختونخواہ کو اسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔

☆ دارا خاندان

دارا خاندان ہنجامنشی حکمرانوں کا آخری خاندان تھا۔جس نے گندھارا پر حکومت کی ۔چھٹی صدی قبل مسیح میں کیقباد، اسفندیار اور دارا خاندان کے لشکر ہندوستان کی طرف یلغار کی تھی ۔انہوں نے کابل سے لے کر ہنڈ تک کے سارے علاقے پر قبضہ کیا تھا اور گندھارا پر ایک عرصہ تک حکومت کی ۔ان حکمرانوں میں دارا (DARIUS) کے لقب سے جو حکمرانی کرتے رہے انہیں خاص عزت و وقعت حاصل ہوئی اس کو گشت سپ سوئم بھی تاریخ میں یاد کیا گیا ہے۔اسائیکلو پیڈیا آف انڈیا میں گشت سپ اول (521 تا 486 ق م)،گشت سپ ثانی (423 سے 405 ق م)اور گشت سپ سوئم کا دور حکومت (345 سے 331 ق م) تک لکھا ہے ۔ایڈوانس ہسٹری آف انڈیا میں لکھا ہے کہ دارا سوئم کو 331 ق م میں سکندر اعظم نے شکست دے کر موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔

☆ سکندر اعظم

سکندر یونانی ریاست مقدونیہ کے فیلقوس نامی بادشاہ کا بیٹا تھا اور یہ 356 ق م میں پیدا ہوا۔باپ نے اس کا اتالیق ایک عظیم سائنسدان ارسطو کو مقرر کیا۔ظاہر ہے کہ ارسطو جیسا فلسفی جس کا استاد ہو اس کی قابلیت اور سیاست سے انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ارسطو نے اس کی تعلیم و تربیت کا حق ادا کیا۔سکندر بذاتِ خود بھی بڑا ہونہار اور نڈر انسان تھا۔سکندر نے اپنے والد کے موت کے بعد 335 ق م میں جانشینی سنبھالتے ہی ایران فتح کرنے کا ارادہ کیا اور ایک عظیم الشان طاقت کے ساتھ مقدونیہ سے ایران تک کم از کم ایک ہزار میل کا فاصلہ اس نے مسلسل فتوحات کے ساتھ طے کیا اور ایران کے بادشاہ دارا سوئم کو شکست دے کر ایران پر قبضہ جمالیا۔(تاریخ پاک و ہند از پروفیسر ہدایت اللہ خان صفحہ 83-281)

سکندر اعظم نے جون 327 ق م میں افغانستان کو فتح کر کے ستمبر 327 ق م میں

اسکینوں سے مقابلہ کیا اور اُن کو شکست دے کر ناواں درۂ ضلع مہمند سے ہوتے ہوئے باجوڑ، دیر کے راستے بونیر سے گزر کر گدون پہنچا اور نومبر 327 میں صوابی کی اہم جنگی چوٹی مہابن کا محاصرہ کیا۔ سکندر کئی دنوں تک اس قلعے پر منجنیق سے گولے برساتا رہا۔ جب قلعے کی دیواروں میں بڑے بڑے شگاف پیدا ہوئے تو قلعے کی محصورین راتوں رات قلعے کو خالی کر کے کسی دوسرے محفوظ مقام کو چلے گئے۔ سکندر کے فوجی جب قلعہ میں داخل ہوئے تو انہیں ٹوٹے پھوٹے دیواروں کے علاوہ کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔ (تاریخ سرحد از مولوی میر احمد صفحہ 134)

آج بھی اس قلعے کے آثار مہابن کی چوٹی پر موجود ہیں اور اس مقام کو شاہ کوٹ کہا جاتا ہے جو علاقہ گدون صوابی میں ہے۔ تاریخ ہزارہ میں درج ہے کہ سکندر اعظم نے دسمبر 327 ق م میں مہابن کو فتح کرنے کے بعد ہند کا رخ کیا اور جنوری 326 ق م میں صوابی کے ہنڈ نامی مقام پر چند دن آرام کرنے کے بعد ہندوستان چلے گئے (تاریخ ہزارہ از شیر محمد پنی)

☆ پختونخواہ میں سکندر اعظم کے عرصہ قیام کی مشہور تاریخیں یہ ہیں:۔

۱۔ افغانستان سے روانگی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جون ۳۲۷ ق۔م

۲۔ پشکال وتی (ہستی) کی فتح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اگست ۳۲۷ ق۔م

۳۔ اساکینوں سے مقابلہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ستمبر ۳۲۷ ق۔م

۴۔ مہابن کا محاصرہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نومبر ۳۲۷ ق۔م

۵۔ مہابن کی فتح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دسمبر ۳۲۷ ق۔م

۶۔ ہنڈ میں آمد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جنوری ۳۲۶ ق۔م

☆ موریا خاندان (321ق م تا 185 ق م)

موریا خاندان کا عہد ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم ترین اور درخشاں دور تھا۔ یہی وہ خاندان تھا جس نے قریباً سارے ہندوستان کو ایک نظام حکومت کے تحت متحد کیا، اس خاندان کا بانی چندر گپت تھا جو بجا طور پر برصغیر پاک و ہند کا پہلا بادشاہ تھا، موجودہ دکن کے ماسوا سارا ہندوستان اور افغانستان اس کے زیر نگین تھا۔ اس سے قبل یہ ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور ہر ریاست کا راجہ مطلق العنان حکمران تھا۔ لیکن چندر گپت نے ان ریاستوں کو ختم کر کے انہیں ایک سیاسی وحدت میں ضم کر دیا۔ اسی بادشاہ کے ایک وزیر چانکیہ یا کوتلیا نے پہلی بار فرمانرواؤں کے لیے نظامِ حکومت کے اُصول اور قوانین مرتب کیے اور ''ارتھ شاستر'' لکھ کر سیاسیات کی دُنیا میں ہل چل مچا دی، موریا خاندان کے تحت جو علمی اور تہذیبی ترقیاں ہوئیں انہیں دیکھ کر مؤرخ سمتھ اس نتیجہ پر پہنچا کہ

''موریا دور کے آغاز سے تاریکی چھٹ جاتی ہے اور روشنی نمودار ہوتی ہے یعنی برصغیر پاک و ہند کے تاریخی واقعات واضح طور پر سامنے آنے لگتے ہیں''

پھر اسی خاندان کے راجہ اشوک کی کوششوں سے بدھ مت کو فروغ نصیب ہوا اور ایک وقت ایسا آیا کہ گندھارا (پختونخواہ) کی سرزمین بودھوں کی مقدس ترین زیارت گاہ بن گئی ، بودھ سیاحوں نے اس سرزمین کو بیرونی دنیا سے روشناس کرانے میں نمایاں حصہ لیا۔

چندر گپت ماریہ

جن دنوں سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا، جنوبی ہندوستان میں مگدھ کے مقام پر نند خاندان کے تحت ایک مضبوط حکومت قائم تھی ، یونانی مؤرخوں کا کہنا ہے کہ نند راجہ مہا پدما کے پاس دو لاکھ پیادے، بیس ہزار سوار، دو ہزار جنگی رتھ اور تین ہزار ہاتھی تھے۔ اگرچہ بظاہر تو نند

خاندان کی حکومت بہت مضبوط تھی لیکن ان کے حکمران اپنے مظالم اور ناانصافیوں کی وجہ سے عوام میں اپنا اعتماد کھو چکے تھے اور لوگوں میں اس حکومت کے خلاف نفرت کی لہر پیدا ہو چکی تھی۔ چندر گپت نے حکمرانوں کے خلاف بیزاری اور بے اطمینانی کی اس لہر سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ اور اس خاندان کے خلاف سازش کرنا شروع کیا۔

چندر گپت کی ماں کا نام مورا تھا۔ اسی لیے چندر گپت کے خاندان کو موریا (ماریہ) خاندان کہا جانے لگا۔ چندر گپت نے سکندر اعظم کے واپس جانے کے بعد پنجاب کے قبیلوں کو منظّم کرنا شروع کیا۔ منظّم کرنے کے بعد اُس نے پنجاب میں بغاوت کی ابتدا کی اور سکندر اعظم کے مقرر کردہ گورنر فلپ کو قتل کر دیا اور پنجاب پر اپنا اقتدار قائم کر دیا۔

سکندر اعظم واپس اپنی سرزمینوں کی طرف جاتے ہوئے جب بابل میں فوت ہو گیا تو اس سے چندر گپت کا حوصلہ بڑھا۔ اس نے ہندوستان میں یونانی چھاؤنیوں کو تہہ و بالا کر دیا اور پھر مگدھ کے نند راجہ سے زور آزمائی کے لیے ایک طاقتور لشکر جمع کرنا شروع کیا۔

جنگ مگدھ

چندر گپت نے خوب طاقت جمع کرنے کے بعد اپنے لشکر کو کیل کانٹے سے لیس کیا اور جنگ کے لیے خوب تیاری کرنے کے بعد پنجاب سے جنوبی ہندوستان کے شہر مگدھ کی طرف کوچ کیا۔ جہاں پر نند راجہ حکومت کرتا تھا۔

دوسری طرف نند راجہ بھی چندر گپت کی تیاریوں پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ جونہی اُس کو چندر گپت کے پنجاب سے مگدھ کی طرف کوچ کرنے کی خبر ملی تو وہ بھی وہ خوب تیاری کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ مگدھ شہر سے باہر ایک کھلے میدان میں چندر گپت کی راہ روک کر خیمہ زن ہو گیا۔

چندر گپت بھی اپنے لشکر کے ساتھ چند دن کے بعد اُسی میدان میں پہنچ گیا جہاں پر

نندراجہ نے پڑاؤ کیا تھا اور میدان کے دوسری طرف خیمہ زن ہوگیا۔ دونوں لشکروں میں تقریباً ایک میل کا فاصلہ تھا۔

اگلے دن دونوں لشکروں میں جنگ کے لیے بڑے بڑے طبل بجنے لگے اور دونوں لشکر اپنی اپنی صفیں درست کرنے لگے۔ جنگ کی ابتدا نندراجہ نے کی۔ پہلے وہ اپنے لشکر کے ساتھ کالی راتوں کے دروازوں پر دستک دیتے ویرانیاں پھیلاتے بگولوں ،شورِ قیامت کی طرح گونجتی گرجتی دھاڑتی آندھیوں کی طرح حرکت میں آیا، پھر وہ چندر گپت کے لشکر پر خواہشوں کے منہ زور جذبوں کو تشنگی میں سمیٹتے انجان سرکش جذبوں، دکھ کے استعارے، درد کے طوفان کھڑے کرتے برق کی نادیدہ لمحوں، بے کراں صحراؤں کی ویرانیوں، بین کرتی بھورے لاوے کی اُبلتی ندیوں اور رگ رگ میں چبھ جانے والے قہر، شور کے آتشیں خوف کی طرح حملہ آور ہوگیا تھا۔

دوسری طرف چندر گپت نے بھی اپنے آپ کو دفاع تک محدود نہیں کیا بلکہ وہ بھی جوابی کاروائی کرتا ہوا نندراجہ کے لشکر پر نارسائی کے دکھ، اُداسیوں کی تھکن، کرب وستم کی تشہیر، زندگی کے عنوان کو بدلتی گلیوں کی ویرانیوں، شکستگی کے خوابوں، خطاؤں کی کہانیوں کی طرح حملہ آور ہوگیا تھا۔

دونوں لشکروں کے ایک دوسرے پر اس طرح خون خواری سے چڑھ دوڑنے سے مگدھ کی زمین بہادروں کے خون سے لال ہونے لگی تھی۔ بڑے بڑے سورماؤں اور بہادروں کی خواہشیں سفلی ہونے لگی تھیں اور مگدھ کی زمین قیامت صغریٰ کا نظارا پیش کرنے لگا تھا۔

کافی دیر تک دونوں لشکروں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ نندراجہ کو پورا یقین تھا کہ فتح اُس کی ہوگی کیونکہ اُس کا لشکر چندر گپت کے مقابلے میں زیادہ تھا اور پھر علاقہ بھی اُس کا تھا۔ اس لیے رسد کے حصول میں وہ چندر گپت سے بہتر پوزیشن میں تھا۔ لیکن جب نندراجہ نے

دیکھا کہ چندر گپت نے اپنے تیز حملوں کی وجہ سے اُس کی اگلی صفوں کا صفایا کر دیا تھا جس سے اُس کی پچھلی صفوں کے اندر بھی ایک کھلبلی مچی گئی تھی اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ نند راجہ کے لشکر کے اندر تک گھس کر اس کے لشکریوں کا قتل عام کرنے لگا تھا، تو نند راجہ کو فکر دامن گیر ہوئی۔ اُس نے کئی بار اپنے لشکریوں کو پکارتے ہوئے جنگ تیز کرنے کی ترغیب دی تھی۔ لیکن اب اس کے لشکری جی ہار بیٹھے تھے اور آگے بڑھنے کی بجائے پچھلی صفوں کی طرف کھسک کر جنگ سے جی چرانے لگے تھے۔

یہ صورت حال نند راجہ کے لئے پریشان کن تھی۔ لہٰذا جب اس نے اندازہ لگایا کہ اگر جنگ اسی طرح جاری رہی تو اس کا سارا لشکر تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اس لئے مزید نقصان سے اپنے آپ کو بچانے کی خاطر اس نے شکست قبول کی اور واپسی کے بگل بجوا دیئے۔ جس کے ساتھ اُس کا پورا لشکر میداان چھور کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ چندر گپت نے دور تک اُس کا تعاقب کیا اور اُس کے لشکر کی تعداد مزید کم کر دی۔

نند راجہ کو شکست دینے کے بعد چندر گپت مگدھ کی راج دھانی میں بلا روک ٹوک داخل ہوا۔ کیونکہ راج دھانی کی حفاظت کے لیے اب کوئی حفاظتی لشکر نہیں تھا اور اُس کی پوری سلطنت پر قابض ہو گیا۔

چندر گپت موریہ کی تاج پوشی 322 ق م میں عمل آئی۔ بقول محمد شفیع صابر چندر گپت سوات کے مورا پہاڑ کا رہنے والا تھا۔ وہ سکندر اعظم کی فوج میں شامل تھا اس کی ماں کا نام مورا تھا، اس لیے چندر گپت کے خاندان کو موریہ کہا جانے لگا۔ 321 ق م سے لے کر 185 ق م تک اس خاندان نے حکومت کی۔ موریا خاندان کا عہد ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم ترین اور درخشاں دور تھا۔ یہی وہ خاندان تھا جس نے قریباً سارے ہندوستان کو ایک نظام کے تحت متحد کیا۔ اس خاندان کا بانی چندر گپت تھا جو بجا طور پر برصغیر پاک و ہند کا پہلا بادشاہ تھا۔ موجودہ دکن کے ماسوا سارا ہندوستان اور افغانستان اس کے زیر نگین تھا۔ چندر گپت کی تخت

سے دستبرداری پر اس کا بیٹا بندوسار اس کا جانشین قرار پایا۔ جس نے 298 ق م سے 273 ق م تک ایک وسیع وعریض سلطنت پر حکومت کی۔

☆ مہاراجہ اشوک

راجہ بندوسار کی وفات کے بعد 269 ق م میں اس کا بیٹا اشوک تخت نشین ہوا۔ اشوک قدیم تاریخ میں ہند کے عظیم فرمانرواؤں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی رعایا اس سے بے حد خوش تھی۔ اس نے اپنے آپ کو مذہبی خادم سمجھا اور اپنے لیے ڈیونم پیا اور پیا داسی کے القاب پسند کیے۔ اشوک کے دور میں پختونخواہ کو اتنی اہمیت حاصل ہوئی کہ یہ سرزمین دنیا بھر کے بودھوں کے لیے متبرک ترین جگہ بن گئی۔ مگدھ سے مہاتما بدھ کے ذریعے جو اخلاقی اور مذہبی روشنی اُٹھی تھی وہ سیالکوٹ اور ٹیکسلا سے ہوتے ہوئے پشاور، کابل اور بامیان تک پہنچی۔ لاہور (صوابی) وہ اولین جگہ تھی جہاں کے ایک باشندے نے پختونخواہ میں سب سے پہلے بدھ مت قبول کیا۔ یہ جگہ اس زمانے میں ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا۔ پانینی جیسا عالم جس نے سنسکرت زبان کی قواعد مدون کی، یہاں کا رہنے والا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اشوک کے حکم سے اسی قصبے لاہور میں ایک بہت بڑا بدھ معبد تعمیر کیا گیا۔ اشوک نے نہ صرف یونیورسٹیاں قائم کیں، بلکہ بدھ کی نشرواشاعت کے لیے بہت سی درسگاہیں بھی قائم کیں۔ پختونخواہ کا علاقہ اس کی وجہ سے بدھ آثار کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ صوابی کا پرانا گاؤں ''اسوٹا'' اشوک کی یادگار ہے۔ چالیس سال تک پوری شان وشوکت سے دادِ حکومت دینے کے بعد اشوک 229 ق م میں فوت ہوا۔ اس کے بعد شہزادہ دیرا سینا پختونخواہ کا حکمران مقرر ہوا۔ جس نے 229 ق م سے 202 ق م تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کے جانشین سوھوگا سینا نے 202 ق م میں اقتدار ہاتھ میں لیا اور 185 ق م تک حکومت کی۔

(ریفسن، دی کیمبرج ہسٹری آف انڈیا صفحہ 511)

☆ باختری یونانی (185 تا 97 ق م)

زمانہ قدیم میں یونان سے کچھ لوگ معاش کی تلاش میں افغانستان آئے اور یہاں پر باختر کی زرخیز زمین پر آباد ہو گئے۔ یہ لوگ محنت کش اور جفاکش تھے اور ساتھ ساتھ جنگجو بھی تھے۔ جب یہاں پر کچھ عرصہ رہ کر آسودہ حال ہو گئے تو پھر انہوں نے اپنی تنظیم سازی کی اور بوتھاڈلمس کی قیادت میں متحد ہو گئے اور جنگی ساز و سامان کی تیاری میں لگ گئے۔ جب خوب کیل کانٹے سے لیس ہو گئے تو پہلے انہوں نے بوتھاڈلمس کی قیادت میں آس پاس کے تمام علاقوں پر بزور شمشیر قبضہ کیا اور اپنی طاقت کو خوب بڑھایا۔

آس پاس کے تمام علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد اُس کی للچائی نظریں گندھارا (موجودہ پختونخوا) پر پڑیں۔ اس لیے جنگ کے لیے پوری تیاری کرنے کے بعد وہ بوتھاڈلمس کی قیادت میں مشرق کی طرف کوچ کر گئے۔ وہ درہ خیبر کے راستے سال 185 ق م میں گندھارا (موجودہ پختونخواہ) میں داخل ہوئے۔

جنگ خیبر

185 ق م میں جب یونانی باختر سے کوچ کر گئے تو اُس وقت ہندوستان پر موریہ خاندان کا موھوگا سینا حکمران تھا۔ چنانچہ جب اُس کو یونانیوں کی باختر سے کوچ کی خبر ملی تو وہ بھی ایک لشکر جرار کے ساتھ کوچ کرتا ہوا علاقہ خیبر پہنچ گیا اور ایک کھلے میدان میں خیمہ زن ہو کر اُن کی راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو جنگ کی ابتدا موریا خاندان کے موھوگا سینا نے کی۔ پہلے وہ اپنے لشکر کے ساتھ اُبھرتے موت کے سایوں، محدودیت کے لمحوں میں سمٹتی ویران دیولاخوں کی سنگینیوں کی طرح آگے بڑھا اور بوتھاڈلمس کے لشکر پر لہو کی رگ رگ میں زنگ آلود کرب بھرتی موجوں کے تند ریلوں، مستی میں جھاگ اُڑاتی سمندر کی خوف ناک

صداؤں، کرب آلود فضاؤں اور سمندر کی خاموشیوں میں موت کے ہولناک کارواں اُٹھاتے عناصر اور تقدیر کی بدترین علامتیں کھڑی کرتی دکھ کی یخ بستہ آندھیوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

دوسری جانب بوتھاڈلمس نے بھی جوابی کاروائی کرتے ہوئے وہ بھی موھوگا سینا کے لشکر پر دشمن بدنہاد برہم و پریشان تاریکیوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا اور حالاتِ ناموافق کی طرح اُن پر نزول کرنے لگا تھا۔

دونوں لشکروں کے اس طرح ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے سے میدان قیامت صغریٰ کا منظر پیش کرنے لگا۔ تلواروں کی جھنکار، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور زخمیوں کی چیخ و پکار نے آسمان سر پر اُٹھا رکھا تھا۔ بڑے بڑے تیغ زن زمین بوس ہونے لگے اور بڑے بڑے سورماؤں کے ارمان ادھورے رہنے لگے ۔ دونوں طرف کے بڑے بڑے شہسواروں کی خون سے خیبر کی زمین رنگین ہونے لگی تھی۔

موھوگا سینا کو یقین تھا کہ زیادہ لشکر رکھنے کی وجہ سے فتح و کامرانی اُس کے نصیب میں آئے گی۔ لیکن اُس کے توقعات کے برخلاف بوتھاڈلمس نے انتہائی سرفروشی اور جانبازی سے حملے کرتے ہوئے اس کے دل کو تجسس، اس کے ذہن کے تخیر، روح کو کلپنا اور آنکھوں کو حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ جنگ کے شروع میں ہندوستانی لشکر کی تعداد بوتھاڈلمس کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی۔ لیکن جب جنگ پوری طرح بھڑک اُٹھی تھی تو بوتھاڈلمس ہندوستانی لشکر کا ایک حصہ کاٹ کر اُس کے لشکر کی تعداد کو کافی کم کر چکا تھا۔ اس قتل عام سے موھوگا سینا کے لشکریوں میں ایک خوف و ڈر کی لہر پھیل گئی تھی۔ وہ اب دیکھ رہے تھے کہ بوتھاڈلمس کے لشکری انجانی زبان اور انجانے انداز میں نعرے بلند کرتے ہوئے برابر آگے بڑھ رہے تھے اور بوتھاڈلمس ایک انوکھے سے انداز میں اپنے لشکریوں کو پہلے سے زیادہ خوف ناک انداز میں حملہ آور ہونے کے لئے اُکسا رہا تھا۔ بوتھاڈلمس کا یہ کردار موھوگا سینا اور اس کے لشکریوں کے دلوں میں خوف اور

وحشت بھرتا چلا جا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ حوصلہ ہار بیٹھے اور جنگ سے گریز کرنے لگے۔

کچھ دیر تک مزید جنگ جاری رہی۔ جس کے بعد موھوگا سینا کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ جونہی وہ شکست قبول کر کے بھاگے تو بوتھاڈلمس نے اپنے لشکر کے ساتھ طوفانوں اور ابتلاؤں کے آہنگ، بیچ کھاتے دھوئیں، چڑھتے دریاؤں کی خونی موجوں، طلمساتی سنسانیوں اور جبر کے تیز جھکڑوں کی طرح ان کا تعاقب کیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ آندھیوں اور ہواؤں کے دوش پر قضا کی خونی بارش بن کر گرجتی دھاڑتی آندھیوں اور بھورے لاوے کی اُبلتی ندیوں کی طرح اُن کے پیچھے پڑ گئے ہوں اور اس طرح تعاقب کرتے ہوئے بوتھاڈلمس نے موھوگا سینا کے لشکریوں کی تعداد مزید کم کی۔

موھوگا سینا کو شکست دینے کے بعد وہ آگے بڑھے اور گندھار کے اُس وقت کے دارالحکومت ہنڈ پر قبضہ کر گئے۔ اس طرح بوتھاڈلمس نے موریہ خاندان کو یہاں سے بے دخل کر کے دریائے سندھ کے پار مشرق کی طرف دھکیل دیا اور یہاں پر اپنی حکومت قائم کی۔

بوتھاڈلمس باختری یونانیوں کا یہاں پر پہلا حکمران تھا جس نے 185 سے 150 ق م تک پینتیس سال حکومت کی۔ اُس کے بعد انطی مارکس (ANTIMARCHUS) نے 150 ق م سے 126 ق م تک، اس کے بعد مائی نندر (MANANDAR) نے 126 ق م سے 110 ق م تک حکمران رہا۔ اس کے بعد اپالوڈوٹس (APPOLLODOTUS) نے 110 ق م سے 98 ق م تک۔ اور آخری حکمران ہرمیس (HARMES) نے 98 ق م سے 97 ق م تک حکومت کی۔

اپالوڈولس کی وفات 98 ق م کے ساتھ اس خاندان میں اقتدار کے حصول کے لیے باہمی خانہ جنگی شروع ہوئی۔ اس خانہ جنگی کی وجہ سے ان کی حکومت کمزور پڑ گئی۔ اور مقبوضات اُن کے ہاتھ سے نکلنے شروع ہو گئے۔ اس لیے آخری حکمران ہرمیس بمشکل ہی ایک سال تک برسر اقتدار رہا۔ جس کے بعد کابل اور قندہار میں مقیم ساکا خاندان کے سردار مویز اول کے

ہاتھوں اُسے اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا۔

☆ ساکا خاندان (97ق م تا 5ء)

ساکا یا سیتھین وہ چرواہے تھے جو آب ودانے کی تلاش میں نکلے اور کابل اور قندھار کی زرخیز وادیوں میں آباد ہو گئے۔ ساکا لوگ اول اول قندہار کے نواح میں آباد تھے۔ ان ساکا لوگوں کو بعض مؤرخین نے پختون بھی ظاہر کیا ہے۔ یہ قبیلہ قندھار کے نواح میں محنت کرنے کے ساتھ اپنی جنگجوانہ قوت بھی بڑھاتا رہا۔

جنگ پشاور

جب ساکا خاندان کے سردار مویز جو باختر سے کابل تک کے علاقے کا گورنر تھا، نے کافی قوت جمع کر لی، تو 97 ق م میں وادی پشاور (پختونخواہ) پر حملہ آور ہونے کے لیے وہ اپنی لشکر کو لے کر قندھار سے وادی پشاور کی طرف بڑھا۔ یہاں پر باختری یونانی خاندان کے لوگ حکمران تھے اور اُن کا آخری حکمران ہرمیس تھا جو ایک سال پہلے 98ق م سے برسر اقتدار تھا۔ اُس کے دور میں باختری یونانی خاندان میں شورش اور اختلافات نے سر اُٹھا دیا تھا، جس کی وجہ سے حکومت پر اُس کی گرفت کمزور پڑ گئی تھی۔ لیکن وہ پھر بھی مقابلے پر ڈٹا رہا اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ پشاور کی طرف بڑھا تا کہ سیتھین کا راستہ روکا جا سکے۔

جب دونوں لشکروں کا پشاور کے نواح میں آمنا سامنا ہوا۔ تو جنگ کی ابتدا یونانی خاندان کے ہرمیس نے کی۔ پہلے اُس نے اپنے لشکر کو خونخواری سے آگے بڑھایا اور پھر وہ ویران تپتے صحرا میں گرم دوپہر، تھمی تھمی رکی رکی فضاؤں میں مہیب سناٹوں میں زمستانی جھکڑوں کی طرح مویز کے لشکر پر حملہ آور ہوا تھا۔

دوسری طرف ہرمیس کے حملہ آور ہونے کے ساتھ ہی مویز بھی سمندر کے شور کی وحشت ناکی، دہکتے پر اسرار اور صدیوں کے شعلے اٹھاتے طوفان آتش کی طرح ہرمیس کے لشکر

پر ٹوٹ پڑا تھا۔

دونوں لشکروں کے اس طرح ٹکرانے سے پشاور کے قریب کھلے میدانوں میں جنگ بہت جلد جنونی کیفیت شکستگی اور خستگی کی صورت حال اختیار کر گیا تھا۔ چاروں طرف انسانیت کش جہاں سوزی اور تباہ کاری رقص کرنے لگی تھی۔ زمین کا سینہ انسانی خون سے اُفق کے لال گوں دریچوں جیسا ہو گیا تھا۔ ساز حیات بڑی تیزی سے ٹوٹنے لگے تھے اور مصارفِ زندگی منقطع ہونا شروع ہو گیا تھا۔

اگر چہ ہرمیس کا لشکر مویز سے بہت زیادہ تھا، لیکن اُس کے لشکری اندرونی خلفشار کا شکار تھے۔ اُن میں جذبے کی کمی تھی اور وہ بادلِ ناخواستہ جنگ کر رہے تھے۔ جبکہ مویز کے ساتھ جانثاروں کا جتہ تھا جو کہ بڑے لگن اور جذبے کے ساتھ میدان میں نکلے ہوئے تھے اور اپنے سردار کے ہر حکم پر مر مٹنے کے لیے تیار تھے۔ جس کی وجہ سے مویز اپنے لشکر کے ساتھ ہرمیس کو دبتا چلا جا رہا تھا اور اُس کے لشکر کو پیچھے کی طرف دھکیلتا چلا جا رہا تھا۔

اس طرح کافی دیر دونوں لشکروں میں گھمسان کا رن پڑا۔ جس کے دوران مویز کے جانثاروں نے ہرمیس کی اگلی صفوں کا مکمل صفایا کر دیا اور اب جنگ اُس کے وسطی صفوں میں ہونے لگی تھی جس کی وجہ سے پچھلی صفوں میں کھلبلی مچ گئی تھی اور اُن کی ترتیب درہم برہم ہو گئی تھی۔ ہرمیس کے لشکری اب آگے جا کر لڑنے کی بجائے پچھلی صفوں کی طرف کسک رہے تھے اور جنگ سے جی چرا رہے تھے۔

جب ہرمیس نے اندازہ لگایا۔ کہ ان کے لشکری بددل ہیں اور بخوشی جنگ کرنے کے لئے اگلی صفوں کی طرف نہیں لپکتے بلکہ پچھلی صفوں میں جا کر جنگ سے جی چراتے پھرتے ہیں۔ تو اس صورتحال کو دیکھتے ہی ہرمیس نے فیصلہ کیا کہ اگر یہ جنگ مزید جاری رہی تو اس کے سارے لشکر کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لہٰذا اُس نے پسپائی کے بگل بجوا دیئے اور اپنے لشکر کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ مویز اول نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے سندھ تک اُس کا تعاقب

کیا۔لیکن وہ دُم دبا کر ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرف بھاگ گیا۔

اس طرح قلیل مدت میں پورے گندھارا (پختونخواہ) پر مویز نے قبضہ جما لیا اور اپنی حکومت قائم کی۔ باختری یونانی حکمرانوں کی طرح انہوں نے بھی اپنا سکہ جاری کیا۔ان سکوں سے چار ساکے حکمرانوں کا پتہ چلتا ہے۔جن کے نام مویز، آذیز اول، آڈی لیسز اور آذیز ثانی ہیں۔اس طرح اس خاندان نے ایک سو دو یعنی 97 ق م سے 5ء تک پورے شان و شوکت سے گندھارا پر حکومت کی۔

☆ ہندی پارتھین یا پہلوی (5ء تا 75ء)

ہندی پارتھین یا پھلوی ساکا خاندان کے قرابت دار تھے۔ وہ نسلاً ایرانی تھے اور ایران کے ساتھ ساتھ قندھار تک اُن کی حکومت تھی۔ بڑے جفاکش اور جنگجو تھے۔سونے چاندی کے استعمال سے گریز کرتے تھے،صرف ہتھیاروں میں ان دھاتوں کو استعمال کرتے تھے۔گھڑ سواری کو بہت پسند کرتے تھے یہاں تک کہ میلوں ٹھیلوں تک مرد گھڑ سوار ہی دکھائی دیتے تھے۔صرف غلام پیدل چلتے تھے۔توہم پرست لوگ تھے،دریاؤں تک سے گزرتے وقت چڑھاوے چڑھاتے تھے۔جب ساکا خاندان کے حکمران کمزور پڑ گئے اور حکومت پر اُن کی گرفت ڈھیلی ہوگئی۔تو اُن کے دل میں گندھارا کے علاقے کو بھی اپنے حکومت میں شامل کرنے کی خواہش موجزن ہوگئی۔

جنگ نوشہرہ

گندھارا پر قبضہ کرنے اور اس علاقے کو اپنی حکومت میں شامل کرنے کے لیے ہندی پارتھین حکمران تھراڈٹس ایک لشکر جرار لے کر قندھار سے مشرق کی طرف بڑھا۔جبکہ دوسری طرف ساکا خاندان کا حکمران آذیز ثانی اندرونی انتشار کا شکار ہونے کی وجہ تھراڈٹس کو مغربی سرحد پر روکنے کے لیے بروقت اقدام نہ کرسکا۔جس کی وجہ سے تھراڈٹس ترک تاز کرتا

ہوا نوشہرہ تک آ پہنچا اور نوشہرہ کے قریب ایک کھلے میدان میں دریائے کابل کے شمال میں پڑاؤ کرلیا۔اورسا کا خاندان کے حکمران آذیز ثانی کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

سا کا خاندان کا حکمران آذیز ثانی بھی اپنے لشکر کو لے کر ہنڈ سے نوشہرہ آ پہنچا اور تھراڈٹس کے سامنے کھلے میدان کی دوسری طرف پڑاؤ کیا۔

جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو جنگ کی ابتدا سا کا خاندان کے حکمران آذیز ثانی نے کی۔وہ اپنے لشکر کے ساتھ رگ رگ میں تلاطم برپا کرتی کھولتی موت کے تندریلوں، تباہی کی خاک اُڑاتے سلگتے سرخ لاوؤں، دلوں کی فضا میں جان سوز کراہیں کھڑی کرتے آتش کے سیل وطوفان کی طرح تھراڈٹس کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف تھراڈٹس جس کے پاس لشکر تعداد میں زیادہ تھی نے بھی جوابی کاروائی کرتے ہوئے سا کا خاندان کے آذیز ثانی کے لشکر پر صحرا کے ریگزاروں میں دائم خانہ بدوش بھیڑوں، خاموشی کے آسمان پر مایوسی کا اندھیرا پھیلاتے ہوئے ٹڈی دل کی یلغار کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے صداؤں کے ہجوم میں انسان کی تقدیر مٹاتے عناصر ناچ اُٹھے تھے۔آندھیوں میں سلوٹیں ڈال کر غم ناک شام کی سختیاں کھڑی کرتی نارسائی کے قدموں کی دُھند اور اس پر موت بن کر کھیل جانے والے فطرت کے خونخوار عناصر اپنا کام دکھانے لگے تھے۔

رزم گاہ کی چیختی ویرانیوں میں انسانیت کی پہچان بھلا کر خون کے اشک پھیلاتے عسکری ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے۔چنگھاڑتی ہواؤں کے نوحے چارسو اپنا رنگ جمانے لگے تھے۔دونوں طرف کے لشکری تقدیر کے ترکش کی آخری ضرب، بے باک طوفانی شعلوں کی یورش اور وقت کے طوفانوں کے گہرے غبار کی طرح ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہوئے اپنے مدِ مقابل کی تعداد کو کم کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

ساکا خاندان کے حکمران آذیز ثانی نے پوری کوشش کی کہ تھراڈٹس لشکریوں پر پے در پے ضربیں لگا کر ان کا خاتمہ کر کے اپنی فتح اور حملہ آوروں کی شکست کو یقینی بنائیں۔لیکن دوسری طرف تھراڈٹس کے جوابی حملے میں بھی ایک گہرائی ایک جذبہ اور ایک قوت پنہاں تھی۔ جبکہ آذیز ثانی کے لشکری جنگی جذبے سے عاری معلوم ہوتے تھے اور اُن میں باہمی ربط کا بھی فقدان تھا۔جس کی وجہ سے جب تھراڈٹس نے اپنے لشکریوں کو بڑھ چڑھ کر حملہ کرنے کے لیے پکارا، تو جواب میں اُن کے لشکری بھی آذیز ثانی کے لشکر پر پھٹ پڑنے والے آتش فشان، صحرا کی وسعت، سمندر کی گہرائی کو لرزاں دینے والے نجات دہندہ اور فضا کی تاریکی میں طوفانوں کی شدت کی طرح نزول کرنے لگے تھے۔

تھوڑی ہی دیر کی گھمسان جنگ کے بعد آذیز ثانی کے لشکری ہمت ہار بیٹھے اور وہ آگے بڑھنے کی بجائے پچھلی صفوں کی طرف کسکنے لگے۔اس صورتحال سے تھراڈٹس نے خوب فائدہ اُٹھایا اور ایک بھرپور حملہ کر کے اُن کی صفوں کی صفیں اُکھاڑ دیں۔

آذیز ثانی نے جب یہ حالت دیکھی تو اُس کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ شکست قبول کرتا ہوا اپنی لشکر کے ساتھ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

تھراڈٹس نے کف اُڑاتی موجوں اور گرم صحرا سے اُٹھتے سرخ ریت کے غبار کی طرح دریائے سندھ تک اُن کا تعاقب کیا۔اُن کی تعداد کو مزید کم کیا اور اُن کو دریائے سندھ کے پار مشرق کی طرف بھگا دیا۔

جنگ کے اختتام پر تھراڈٹس نے نوشہرہ سے اپنا پڑاؤ اُٹھایا اور ترک تاز کرتا ہوا دریائے سندھ کے پار مشرق کی طرف ٹیکسلا کے علاقے تک پہنچ گیا۔ٹیکسلا کو اُس نے اپنا دارالحکومت قرار دے دیا اور اس طرح سارے پختونخواہ اور پنجاب کے بیشتر علاقوں پر حکومت کرنے لگا۔

سر جان مارشل ''رہنمائے ٹیکسلا'' میں لکھتے ہیں کہ پہلوی یا پارتھین اعلیٰ درجے کے

شہسوار اور تیر انداز تھے۔ مہذب لوگ تھے، نسلاً ایرانی تھے اور ایران ہی کی بولی بولتے تھے، شروع میں یہ باختری حکمرانوں کے تابع تھے۔ پہلا پارتھی یا پہلوی حکمران جس نے پختونخواہ کو فتح کیا متھراڈٹس اول تھا۔ گرچہ ایران میں پارتھی حکومت پانچ سو سال تک قائم رہی اور اس کے کل 26 حکمران ہوئے تاہم یہاں گندھارا اور پنجاب کے علاقوں پر ان کی حکومت بہت تھوڑے عرصے تک قائم رہی۔ ان میں گولڈفریز نامی بادشاہ بہت مشہور گزرا۔

☆ کوشاں حکمران (60ء تا 225ء)

کوشاں تاتار یا منگول لوگ تھے اور یوچی قبیلے کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ باختر میں یوچی قبیلے کی بڑی بڑی شاخیں آباد تھیں۔ جن میں ایک قبیلہ کوشان کہلاتی تھی۔ لیکن یہ لوگ ایک قبیلہ ہونے کے باوجود باہمی اختلافات کا شکار تھے۔ خوش قسمتی سے کوشاں قبیلے میں ایک ذہین رہنما کجو لا کا ڈفیسز پیدا ہوگیا، جس نے سب لوگوں کو متحد کیا اور اُن کی باہمی رقابتوں کو ختم کیا۔ جس کے بعد کوشاں قبیلے کے تمام لوگ اُس کی قیادت میں متحد ہوگئے۔ اس طرح کجو لا کا ڈفیسز ایک متحدہ حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

جنگ پشاور

کجو لا کا ڈفیسز جب کوشاں قبیلے کا حکمران بن گیا تو اُس نے اپنی جنگی قوت کو بڑھانے پر توجہ دی۔ جب اُس نے اپنی جنگی طاقت کو خوب بڑھایا تو وہ اپنے لشکر کو لے کر پشاور کی طرف بڑھنے لگا۔ گندھارا پر اُس وقت پارتھین یا پہلوی حکمران تھے۔ لیکن اُن کی حالت اندرونی شورشوں کی وجہ سے قابل رحم ہوگئی تھی۔ پھر بھی اُن کا حکمران مقابلے پر ڈٹا رہا اور ایک لشکر کے ساتھ پشاور پہنچ گیا۔

جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو جنگ کی ابتدا کوشاں قبیلے کے حکمران کجو لا کا ڈفیسز نے کیا۔ وہ اپنی ردا سمیٹتی روشنی کی کرنوں، خوف بھری سکنوں کے نقش ونگار کی

طرح حرکت میں آیا اور اپنے لشکر کے ساتھ ہیجان کے عالم میں جذبوں کی رقابت اور صدیوں کے خونی بوجھ کی طرح پارتھین کے لشکر پر ٹوٹ پڑا تھا۔

جوابی کاروائی کرتے ہوئے پارتھین حکمران بھی ویران تپتے صحرا میں گرم دوپہر، تھمی تھمی رکی رکی فضاؤں میں مہیب سناٹوں میں زمستانی جھکڑوں کی طرح کجو لا کاڈفیسز کے لشکر پر حملہ آور ہوئے تھے۔

کھلے میدانوں مین یوں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے دھرتی اور آکاش کے درمیان من کے اُڑتے پنچھیوں کے پر کٹنے لگے تھے۔حیات کے پردے میں موت رقص کرتے ہوئے زیست کے گوشوں کو ویران کرنا شروع ہوگئی تھی۔آسودہ فضائیں ستم خوردہ ادوار میں تبدیل ہونا شروع ہوگئی تھیں۔زندگی کی طرب گاہوں مین فنا کا نزول شروع ہو گیا تھا۔ہر کوئی اپنے مقدر کا ناخدا بن کر ستیزہ کاری کرتے ہوئے اپنے دشمن کی سعی کو رائیگاں کر کے انہیں ویران مقدر میں تبدیل کرنے کا عزم کیے ہوئے تھا۔تلواروں اور ڈھالوں کے سائے تلے زمین خون آلود ہونا شروع ہوگئی تھی اور امیدوں بھری صدائیں ہوس کے طول میں کھونے لگی تھیں۔

کافی دیر تک دونوں لشکروں میں گھمسان کا رن پڑا۔دونوں طرف سے شہسواروں نے بڑی داد شجاعت دی۔لیکن پھر وقت کی آنکھ نے دیکھا کہ کجو لا کاڈفیسز کا لشکر پارتھین کے لشکر پر غالب آتا گیا۔کجو لا کاڈفیسز کے لشکر نے پارتھین کے لشکر کی اگلی صفوں کا صفایا کر دیا۔جس کی وجہ سے جنگ اُن کے وسطی صفوں میں ہونے لگی۔جس کی وجہ اُن کے لشکر کا نظم درہم برہم ہوگیا۔اوراب کجو لا کاڈفیسز کا لشکر منظّم انداز میں اُن کا قتلِ عام کرنے لگا تھا۔

پارتھین حکمران نے جب یہ حالت دیکھی تو اُس نے اندازہ لگالیا کہ اگر جنگ اسی طرح جاری رہی تو اُس سمیت کوئی بھی لشکری زندہ نہیں بچے گا۔اس لیے مزید نقصان سے بچنے کے لیے اُس نے شکست قبول کی اور بھاگ کھڑا ہوا۔کجو لا کاڈفیسز نے دور تک اُن کا تعاقب کیا

اور اُس کے لشکر کی تعداد کو مزید کم کر دیا۔ پارتھین لشکر مشرق کی طرف اپنے دارالحکومت کی بجائے جنوب کو ایران کے علاقوں کی طرف بھاگ گئے اور اس طرح پورے گندھارا اور پنجاب کے علاقوں پر کوشاں قبیلے کا قبضہ ہو گیا۔

کجو لا کاڈفیسز نے بڑے شان سے سال 78ء تک حکومت کی۔ سال 78ء میں اُس کی وفات کے بعد کاڈمی سس دوم وارث تاج وتخت قرار پایا۔ اس کے بعد کنشک کو تخت نشینی ملی، جو اس خاندان کا سب سے مشہور حکمران تھا۔ بدھ مت نے کنشک کے دور میں کافی فروغ پایا، اس نے پشاور کو دارلحکومت بنایا۔ وہ گندھارا آرٹ کا بانی تھا۔ اس کا جانشین بادشاہ ہوشکار (145ء تا 195ء) اور ہوشکار کا جانشین واسودیو (195ء تا 225ء) تھا۔

☆ ساسانی دور اول (225ء تا 365ء)۔

کوشاں حکمرانوں نے بڑے شان سے گندھارا پر 60ء تا 225ء حکومت کی۔ اُن کے دور میں گندھارا نے بڑی ترقی کی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کوشاں حکمرانوں کے اندر اختلافات نے جنم لیا۔ جس سے ملک اندرونی خلفشار کا شکار ہو گیا اور اُن کی حکومت زوال پذیر ہو گئی۔ ایسے میں مغرب کی طرف ساسانی اس خطے میں داخل ہوئے۔ ساسانی حکمران نے مغرب کی طرف سے درہ خیبر کو پار کیا اور ترک تاز کرتا ہوا صوابی کے علاقے تک جا پہنچا۔ اُس وقت کوشاں خاندان کے حکمران چونکہ باہمی جنگ و جدل کی وجہ زوال پذیر ہو گئے تھے۔ اس لیے اُن کو ساسانیوں کے مقابلے میں بڑا لشکر تیار کرنے اور جنگ کے لیے نکلنے میں دشواریوں کا سامنا تھا۔ پھر بھی اُن کے حکمران واسیودیو نے ہمت نہ ہاری اور ایک لشکر تیار کر کے ٹیکسلا سے صوابی کے علاقے تک کوچ کیا اور وہاں پر ساسانیوں کی راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

جنگ صوابی

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوگئے تو جنگ کی ابتدا ساسانی سردار نے کی۔ پہلے اُس نے اپنے لشکر کو سیلِ وقت کی تپش اور لُو میں راہوں کے آشوب کی طرح آگے بڑھایا۔ اس کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ سمندر کے شور کی وحشت ناکی، دہکتے پر اسرار اور صدیوں کے شعلے اٹھاتے طوفان آتش کی طرح واسیو دیو کے لشکر پر ٹوٹ پڑا تھا۔

جواب میں واسیو دیو نے بھی اپنے آپ کو دفاع تک محدود نہیں کیا بلکہ اُس نے بھی اپنے لشکر کو حرکت میں لایا اور آگے بڑھتے ہوئے وہ بھی پردہ تاریکی میں ملفوف بیزاری و اداسی، فاقہ کش کی سیمابی کیفیت و تخریب کے پیاسے کربناک درد کی طرح ساسانی لشکر پر حملہ آور ہوا تھا۔

دونوں لشکروں کے اس طرح ٹکرانے سے رزم گاہ میں جیون کی ساری تپش، لو اور زندگی کا سارا خمار کشت وخون کے وحشت بدوش کھیل میں موت کی آندھی کا لقمہ بننے لگا تھا۔ خاک کا رزق بنتے جسموں سے روحیں جدا ہونا شروع ہوگئی تھیں۔ چاروں طرف ذلت و رسوائی کی کرب خیز داستانیں رقم ہونا شروع ہوگئی تھیں۔

کافی دیر تک دونوں لشکروں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا رہا۔ واسیو دیو کے لشکری بڑی بہادری سے لڑتے رہے، لیکن اُن کی تعداد ساسانیوں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ اس لیے جب وہ ایک ساسانی کو قتل کر دیتے تو ایک کی بجائے دس ساسانی اُس کی جگہ لینے کے لیے آگے بڑھتے۔ اس لیے بہادری سے لڑنے کے باوجود ساسانی لشکر اُن پر غالب آتا گیا اور اُن کو پسپا کرتا گیا۔ یہاں تک کہ واسیو دیو کے لشکر کے آدھے سے زیادہ کو ساسانیوں نے کاٹ کر رکھ دیا۔

واسیو دیو نے جب حالات کا جائزہ لیا تو اُس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ لہذا

شکست قبول کرتے ہوئے وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ساسانیوں نے دور تک اُس کا تعاقب کیا اور اُس کے لشکر کی تعداد کو مزید کم کر دیا۔

واسیودیو کو شکست دینے کے بعد ساسانی گندھارا کے دارلحکومت ہنڈ تک آ گئے اور پورے گندھارا کو اپنے تصرف میں لے آیا۔اور گندھارا پر اپنی حکومت قائم کر دی۔ساسانیوں کی یہ حکومت سال 365ء تک رہی۔اس کے بعد ان کا بھی زوال شروع ہو گیا۔

☆ کوشاں کوچک یا کیدارکا دور (365ء تا 455ء)

یہ خاندان ایشیائے کوچک کی طرف سے 365ء میں ہندوستان وارد ہوا۔ جب ساسانیوں کی حکومت زاول پذیر ہوئی تو اُس وقت کوشاں کوچک کے سردار نے ایشیا کوچک کی طرف سے ایک بڑے لشکر کے ساتھ درہ خیبر پار کیا اور ترک وتاز کرتا ہوا ہشت نگر تک آ گیا۔ دوسری طرف اگرچہ ساسانی حکمرانوں کی ملک پر گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی اور ہر طرف انارکی پھیلی ہوئی تھی۔لیکن اُن کے حکمران نے بغیر لڑے ملک چھوڑنے کی بجائے لڑکر مقابلہ کرنے کو ترجیح دے دی۔اس لیے وہ بھی ایک لشکر لے کوشاں کوچک کے سرادر کی راہ روکنے کے لیے ہنڈ سے ہشت نگر آ گیا۔

جنگ ہشت نگر

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو جنگ کی ابتدا ایشائے کوچک کے سردار نے کی۔ پہلے وہ اپنے لشکر کے ساتھ بے روک طوفانوں، یاس کے دام بچھاتے بھنور اور غیض و غضب کے دھاروں کی طرح آگے بڑھا اور پھر ساسانی لشکر پر قرن قرن کی وحشت ناکی، ویران اور لق ودق صحرا میں ہجر کی اندھی کالی رات اور دھرتی پر پھیلے ظلم کے قصے کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

دوسری طرف ساسانی حکمران نے بھی جوابی کاروائی کرنے میں دیر نہیں کی اور وہ بھی دشتِ دل کی اسیری سے نجات پانے والی خونی داستانوں اور زمین کی تہہ میں کھولتی خرابیوں کی طرح ایشائے کوچک کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

دونوں لشکروں کے اس طرح ٹکرانے سے میدانِ جنگ اجڑتے رضوان و خیابان، بابل و نینوا کی تباہیوں کے آثار کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ چاروں طرف خونی لمحے اپنی کندہ کاری کرنے لگے تھے۔ دھرتی کے سب درپن ٹوٹنے، بگولے گرد و خون آلود اور انسان ریزہ ریزہ ہونے لگا تھا۔ بے کراں وادیاں خون آلود سفاک مرمر کی یورشیں لہولہو ہونا شروع ہو گئیں تھیں۔ موت ہر شئے کو چاٹنے لگی تھی۔ چاروں طرف مرگ و زیست کا خونی تماشہ شروع ہو گیا تھا۔

کافی دیر تک دونوں لشکروں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا رہا۔ ساسانی سردار کا خیال اور گمان تھا کہ ان کے لشکریوں کی تعداد چونکہ کوشاں کوچک کے لشکر سے کئی گنا زیادہ ہے۔ لہذٰا وہ ہشت نگر کے اس میدان میں بڑی آسانی کے ساتھ ان کو شکست سے دوچار کر کے مار بھگانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن وقت نے ساسانی سردار کی ہر امید کو راکھ کی طرح فضا میں اڑا کے رکھ دیا تھا۔ تھوڑی دیر کی جنگ میں کوشاں کوچک کے سرادر کے جان لیوا حملوں سے اُسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے کوشاں کوچک نے اس کے لشکریوں کا قتل عام شروع کر دیا ہو۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُس نے اندازہ لگا لیا کہ اس کے لشکر کی حالت لمحہ بہ لمحہ ڈوبتی کشتیوں، قبرستان میں دفن ہوتی لاشوں، تار تار دامن سسکتے آسیب اور پھٹے خرقہ سالوس جیسی ہونا شروع ہو گئی ہے۔

کافی دیر بعد جب جنگ اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ ساسانیوں کے لشکر کی اگلی کئی صفیں ادھڑ چکی تھیں۔ پچھلی صفوں کے اندر کہرام اور افراتفری کا عالم برپا تھا اور ساسانی لشکری آگے بڑھ کر جنگ کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ جب ساسانی سردار نے اندازہ لگایا کہ تھوڑی دیر تک اگر ایسی حالت رہی تو اس کی شکست یقینی ہو جائے گی۔ اس لیے مزید نقصان

سے بچنے کے لیے وہ اپنی شکست کو تسلیم کرتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔

سردار کے میدان چھوڑتے ہی اُس کے لشکری بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کاشاں کو چک کے سردار نے پوری قوت اور خونخواری سے بھاگتے ہوئے لشکریوں کا تعاقب کیا۔ یہ تعاقب کافی دیر تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ کوشاں کو چک کے لشکریوں نے ساسانی لشکر کے آدھے سے زیادہ لشکریوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے تعاقب ختم کیا اور واپس جنگ کی میدان میں آیا۔ دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

اس کے بعد کوشاں کو چک کا سردار گندھارا کے دارالحکومت ہنڈ تک آگے بڑھا اور پورے گندھارا کو اپنے تصرف میں لے آیا۔ کوشاں کو چک نے 90 سال تک یعنی 365ء سے 455ء تک بڑے شان سے گندھار پر حکومت کی۔ جس کے بعد اُسے گپت خاندان کے ہاتھوں حکومت سے ہاتھ دھونا پڑا۔

☆ گپت خاندان

گپت خاندان کا بانی ایک شخص تھا جس کا نام گپت تھا۔ اسے مہاراجہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ کوشاں سلطنت کے اندر ایک چھوٹی سی ریاست پر حکومت کرتا تھا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا کھٹوت کچ حکمران ہوا۔ اُس کے بعد اس کا بیٹا چندر گپت اول حکمران بنا۔ چندر گپت اول نے اپنے باپ دادا کے برعکس مہاراجہ دھراج کا لقب اختیار کیا اور اس جہت سے وہ پہلا حکمران تھا جس نے خاندان کی عظمت کو دوبالا کر دیا۔

اس خاندان میں چندر گپت کے بعد سمدر گپت حکمران بنا۔ سمدر گپت نے اس خاندان کو کافی تقویت بخشی اور اپنی سلطنت کو کافی وسعت عطا کی۔ سمدر گپت کے بعد چندر گپت دوم نے 375ء سے 414ء تک حکومت کی۔ اس کے بعد کمار گپت اول تخت نشین ہوا جو 414ء سے 455ء تک حکومت کرتا رہا۔ چندر گپت دوم کے دور میں مشہور چینی سیاح فاہیان ہندوستان

میں داخل ہوا اور وہ 399ء سے 414ء تک اس سرزمین کا جائزہ لیتا رہا۔

جنگ ہنڈ

کمارگپت نے جب اپنی جنگی قوت کو عروج پر پہنچا دیا تو اُس نے کوشاں کو چک کو جو دریائے سندھ کے مغربی کنارے گندھارا پر حکومت کرتے تھے بے دخل کرنا چاہا۔اس مقصد کے حصول کے لیے اُس نے ایک لشکر جرار کے ساتھ دریائے سندھ کو پار کیا اور ہنڈ کے قریب ایک کھلے میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔

دوسری طرف کوشاں کو چک کا سردار بھی اپنا لشکر لے کر مقابلے پر آ گیا۔دونوں لشکروں کا ہنڈ کے قریب ایک کھلے میدان میں آمنا سامنا ہوا۔ جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو جنگ کی ابتدا کوشاں کو چک کے سردار نے کی ۔اُس کے لشکر کی تعداد چونکہ کمارگپت کے مقابلے میں بہت کم کی تھی۔اس لیے جنگ میں پہل کر کے وہ اپنے لیے فوائد حاصل کرنا چاہتا تھا۔اس لیے کوشاں کو چک کا سردار بے روک آندھیوں ، بے تحاشہ طوفانوں ،سلگتے رازوں کی طرح حرکت میں آیا اور ستم خوردہ ادبار اور خوفناک مرثیہ خواں روحوں کی طرح وہ کمارگپت کے لشکر پر حملہ آور ہوا تھا۔

دوسری طرف کمارگپت بھی شعلہ بے باک سرکش و بغاوت کے گیتوں اور جنونِ عشق کے نغموں کی طرح آگے بڑھا اور کوشاں کو چک کے لشکر پر یورش افلاس رسم انقطاع اور سرخ شعلوں کے رقص کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دونوں طرف کے لشکری ایک دوسرے پر اس طرح نمودار ہونے لگے تھے کہ جس طرح اوس میں بھیگی کلیوں پر اوس گرتی ہے۔جس طرح بگولوں کے سامنے پھول جھڑتے ہیں۔ میدان جنگ کے اندر روح وجسم کے تعلق کی عارضی ساعتیں ختم ہونے لگی تھیں ۔تلواروں، ڈھالوں اور نیزوں کے سیل حرص وہوس کے سامنے انسانی جسم ،شکستہ میناروں کی طرح گرنے

لگے تھے۔

کافی دیر تک گھمسان کا رن پڑ گیا۔جس کے بعد کمار گپت کا لشکر کوشاں کو چک کے لشکر پر غالب آتا دکھائی دیا اور اُس نے ایک طرح کوشاں کو چک کے لشکر کا قتل عام شروع کر دیا تھا اور ہنڈ کے میدان میں دھرتی کے کھلے سینے پر کوشاں کو چک کے لشکریوں کا خون بہنے لگا تھا۔جس کی وجہ سے بل کھاتی پگڈنڈیاں خون خون ہو کر رہ گئی تھیں۔

کوشاں کو چک کے سردار نے جب دیکھا کہ اب کسی بھی صورت قتل عام سے نہیں بچا جا سکتا تو اس نے شکست تسلیم کرتے ہوئے اپنے بچے کھچے لشکر کو پسپا ہونے کا حکم دیا۔جونہی کوشاں کو چک کا لشکر پسپا ہو کر بھاگا۔تو کمار گپت نے بڑی خونخواری سے ان کا تعاقب کیا۔بھاگنے والوں میں سے اکثر کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔جبکہ اُس کے سردار سمیت کئی کماندار اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس طرح کمار گپت اول نے کوشاں کو چک کے حکمرانوں کو شکست دے کر پورے گندھارا کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔کمار گپت کے بعد ایک اور زبردست راجہ اس خاندان کا حکمران ہوا اور کا نام اسکند گپت کرمادیتہ تھا۔وہ 455ء سے 467ء تک حکومت کرتا رہا۔اسی راجہ کے دور میں سفید ہن کے سردار مہر گل اور تورمان سال 455ء میں ہندوستان پر حملہ آور ہو گئے۔

☆ سفید ہن (455ء تا 550ء)

پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں تاریخ کے اوراق پر نمودار ہونے والا سفید ہن کا سردار اٹیلہ مشرق سے اُٹھنے والا وہ طوفان تھا جو صدیوں کے بند توڑ کر آفتوں کے سیل بے پناہ، موت کی تمازت اور جوالا مکھی کے کھولتے لاوے کی طرح ایشیا سے یورپ کی طرف بڑھا۔ دریائے یورال اور دریائے وولگا کی دلدلوں کو روندتا ہوا لُو کے قہری تھپیڑوں، آگ اور تیزاب کی بارش کی طرح دریائے ڈینوب کے کنارے جا پہنچا۔

یورپ کے ساری قوتوں نے کوشش کی کہ اٹیلہ کی راہ روکی جائے لیکن وہ دریائے ڈینوب عبور کرنے کے بعد ہوا کے جھونکوں کو شعلہ ریز کرتی نفرت کی طغیانیوں کی طرح یورپ میں داخل ہوا۔ رومن کی دونوں سلطنتوں مشرقی رومن اور مغربی رومن کو روند کے رکھ دیا۔ وہ رومنوں پر صحرا بدر بگولوں کی طرح نازل ہوا اور چلتے پتھروں کی برسات کی طرح ان پر برس گیا۔ یورپ میں اس نے چاروں طرف بدبختی کے ہانپتے سائے اور موت و مرگ کی حدتیں پھیلا کے رکھ دی تھیں۔

اٹیلہ بالکل چنگیز خان کی طرز پر ہی وحشی قبائل کے سردار اور سربراہ کی حیثیت سے تاریخ کے اوراق پر نمودار ہوا تھا۔ یورپ کی بڑی بڑی قوتوں نے اس کی راہ روکنے کی کوشش کی لیکن ہر قوت کو اس نے بیکار اور ناکام کیا۔ وہ یورپ میں اس طوفان کی طرح سرگرداں رہا جس کے آگے بڑی بڑی قوتیں خس و خاشاک اُڑاتی رہیں۔ اٹیلہ کے فوت ہونے کے بعد ہن قبائل کی قوت تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

اٹیلہ کے بیٹے یورپ کے ان علاقوں پر حکمرانی کرنے لگے جو انہوں نے فتح کیے تھے۔ اٹیلہ کا ایک سالار فیروز ایران پر حملہ آور ہوا اور خراسان میں اُس نے اپنی حکومت قائم کر لی، جبکہ تیسری طرف اٹیلہ کے دو اور سالار مہر گل اور تورمان ہندوستان میں داخل ہوئے۔

جنگ پشاور

مہر گل اور تورمان جب ہندوستان میں داخل ہو گئے، تو یہاں کے حکمران اسکند گپت ایک جرار اور بڑا لشکر لے کر نکلا اور پشاور کے قریب مہر گل اور تورمان کی راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو جنگ کی ابتدا اسکند گپت نے کی۔ پہلے اُس نے اپنے لشکر کو بحر کے محتسبوں، سمندر کے محروموں، فتح مندی کے جویاؤں، آگ کے پیرہن میں کھولتے لمحوں اور خلاؤں میں جلتے آفتاب کی طرح آگے بڑھایا اور پھر وہ مہر گل کے لشکر پر موت بھرے بے آب و گیاہ صحراؤں میں سرابوں کی طرح گھس آنے والے غول، رات کے گہرے سکوت میں خیالات کی گہرائیوں تک اُتر جانے والے موت کے سرخ رنگ ہیولوں، دل کی کھٹورتا میں چِتا کی آگ سلگاتے غم والم کے سلگتے بارود کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف مہر گل نے بھی جارحیت اختیار کرنے میں دیر نہیں کی۔ جس وقت اسکند گپت نے اپنے لشکر کو حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھایا تھا، تو اسی وقت مہر گل نے بھی اپنے لشکر کو خیالات کو لخت لخت کرتی شوریدہ سر آندھیوں، اُٹھتے سرابوں کے لمحوں میں کرب خیزیوں کے نہاں طوفانوں کی طرح آگے بڑھایا۔ پھر وہ اسکند گپت کے لشکر پر ارمانوں اور حسرتوں تک کو ویران اور بنجر کر دینے والی تباہی کی اتھاہ غم انگیزیوں، روح کی نزہت گاہوں، خیالات کی انمول دنیا، خواہشوں کو اسفل حسرتوں میں تبدیل کر دینے والے خون کے پیاسے غرّاتے بھڑیوں، خشونت آمیز ہولناکیوں، ذلت اور پستی کے کفن پہناتے ابتلاؤں بھرے گرداب کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح پشاور کے نواح میں غموں کے نایافت، وحشت اور سراسیمگی کے ہیولے، فنا کے بے چین، کھولتے لمحے، دردِ الم اور کرب کی آگ اور دکھ کے بھورے سائے اور دہکتی چنگھاڑتی وحشت ناکیاں اپنا رقص دکھانے کرنا شروع ہو گئی تھیں۔ سینوں کی خلش چاروں

طرف پھیلنے لگی تھی۔ بڑے بڑے ماہر لشکری ناکام اور نامراد ہونا شروع ہو گئے تھے۔زندگی کی دیواریں گرنے لگی تھیں ۔خون رسیدہ زمین پر بھٹکتی آوارہ بھوکی گدھوں کی طرح لشکری ایک دوسرے پر ٹوٹ رہے تھے اور پرانے بتوں کی طرح ایک دوسرے کو توڑ کر ریزہ ریزہ کرنے کے درپے تھے۔اخوت عداوت میں اور گروہ بندی انتشار میں تبدیل ہونے لگی تھی۔

کچھ دیر تک دونوں لشکروں کے درمیاں ہولناک رن پڑا۔آخر جب اسکندگپت نے دیکھا کہ مہر گل کے لشکر کے سامنے اس کے اپنے لشکر کی حالت گلیوں گلیوں اُڑتے کاغذوں، چھاؤں کو ترستے درختوں، مرہم کو ترست زخموں، اندھے غم الود غاروں، زندگی کے خاموش قفس ،اورصدیوں کے تیرگی کے غبار سے بھی زیادہ المناک ہونا شروع ہوگئی ہے اور اگر جنگ اس طرح جاری رہی تو دشمن اس کے لشکر کا خاتمہ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔لہذا وہ شکست اُٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔مہر گل نے کچھ دیر تک اس کا تعاقب کیا اور اس کی لشکر کی تعداد کومزید کم کیا۔اس کے بعد وہ لوٹا، دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کرلیا۔اور پھر وہ اپنے لشکر سمیت اپنے زخمیوں کے دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا۔

جنگ شہباز گڑھی

پشاور کے قریب اسکندگپت کے لشکر کو شکست دینے کے بعد مہر گل نے وہاں پر کچھ دن قیام کیا اور اپنے لشکریوں کو آرام دینے کا موقع فراہم کیا۔اس کے بعد وہ اپنے لشکر کو لے کر مشرق کی طرف بڑھا۔

دوسری طرف ہندوستان کا راجہ اسکندگپت نے بھی اپنے لشکریوں کو نئے سرے سے منظّم کیا اور اور مہر گل کے مقابلے کے لیے نکل پڑا۔موجودہ شہباز گڑھی کے قریب دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے، صفیں درست کیں۔حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے دونوں سالاروں نے اپنے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔

جنگ کی ابتدا اسکند گپت نے کی۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور مہر گل کے لشکر پر رات کے سایوں کے سائبان میں ہراساں اور شکستہ کرتی کثرتِ آلام، رگ و پے میں پیوست ہوکر ماحول میں تلخیاں بھرتی صدیوں کی پیاسی کرب خیزیوں اور خواہشوں کے قرطاس پر لب سلے رت جگوں کی داستانیں رقم کرتی المناکیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف اپنے کام کی ابتدا کرنے کے لئے مہر گل نے بھی اپنے لشکر کو ذہنوں کو افسردہ، دلوں کو پژمردہ کر دینے اور افلاس کے راستوں پر وحشی خونخوار لمحوں کا سماں باندھ دینے والی آتش فشانی لو کی طرح آگے بڑھایا۔ پھر وہ ہندوستان کے لشکر پر روحوں پر نہ مندمل ہونے والی گھاؤ لگاتے تیر اور برق گام طوفانوں، دلوں کی سطح پر سوزاں اور لرزاں اندیشے ثبت کرتی اندیشوں، عداوتوں کی کھولتی آگ، ہر شے کی ہستی کو منطقوں میں تقسیم کرتی برستی آگ کے سنگ وخشت اور زمین کی ننگی پیٹھ پر خواہشوں کے سرابوں تک کو بے سمت کر دینے والے برق کے کھولتے سرسام کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح شہباز گڑھی کی سرزمینوں میں قضا کے بھنور، منزلوں کے آخری نوحے، اندھی خونی شورشیں اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ رگ و پے میں خوف بھرنے لگا تھا۔ بے کراں قضا کی ویرانیاں، انجانے سرکش جذبے اور تپتے سایوں کی بے سکونیاں اپنا رنگ دکھانے لگی تھیں۔ ہولناک موت کے عذاب، فنا و بقا کی ان گنت داستانیں، نفرت کے خار، موت کے طوفان اور خون آلود جذبے رزم گاہ کے اندر رقص کرنے لگے تھے۔

کچھ دیر تک ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ رزم گاہ خون خون اور میدانِ جنگ جذبات کی بھڑکتی آگ کا سماں پیش کرنے لگا تھا۔ آخر اسکند گپت کے لشکر کو بدترین شکست ہوئی۔ مہر گل نے دور تک دشمن کے لشکر کا بڑے خوفناک انداز میں تعاقب کیا تھا اور اُن کی تعداد کو مزید کم کیا۔

اسکند گپت کو شکست دینے کے بعد مہر گل نے دو ہفتے تک شہباز گڑھی میں قیام کیا

اور اپنے لشکر کو خوب ستانے کا موقع دے دیا۔ ساتھ ہی اُس نے اپنے مخبروں کو ہر طرف پھیلا دیا تا کہ اسکند گپت کے ارادوں کے بارے میں بروقت آگاہی ہو سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہباز گڑھی کے مختلف حصوں اور اردگرد کے علاقوں کا بھی جائزہ لیتے رہے۔ مہر گل کے استفسار پر اُسے شہباز گڑھی کے متعلق تفصیل سے بتایا گیا کہ شہباز گڑھی گندھارا کے قدیم ترین قصبوں میں سے ایک ہے، جو اپنے اندر ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ گاؤں قریباً 380 قبل مسیح میں آباد ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب دریائے سندھ تک کا سارا علاقہ ایرانیوں کے زیر حکومت تھی اور یہ سلطنت رو بہ زوال ہو چکی تھی۔ انہی دنوں میں بدھ مت اور ہندومت کا عروج شروع ہو چکا تھا۔ بدھ مت کے عروج کے ساتھ ہی اس تاریخی شہر نے بھی شاندار ترقی کی۔ مشہور ہے کہ مہاتما بدھ ایک جنم میں اسی تاریخی شہر ورشاپورہ (موجودہ شہباز گڑھی) کے ایک راجا کے گھر پیدا ہوا تھا۔ یہ راجہ اپنے دور میں معروف حکمران تھا۔ جس نے اس شہر کے اردگرد ایک مضبوط فصیل بنوائی تھی۔ جس کے چار دروازے تھے۔ شمالی دروازے کے سامنے ایک عظیم الشان مندر تھا جو اپنی فنکاری کا عظیم شاہکار تھا۔ اس مندر میں بڑے بڑے بت نصب تھے۔ یہ بت اگر چہ بہت خوبصورت تھے۔ لیکن مہر گل کا عقیدہ بت پرستی کا نہیں تھا۔ اس لیے اُس نے خوبصورتی کے باوجود ان بتوں کو توڑنے اور مندر کو تباہ و برباد کرنے کا حکم دے دیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان بتوں کی خوبصورتی کو دیکھ کر ہن قوم کے بادشاہ مہر گل کی آنکھوں میں اُس وقت آنسو اُمڈ آئے تھے جس وقت وہ اس مندر کو تباہ کر رہا تھا۔

جنگ ٹیکسلا

جب مہر گل کو اس کے مخبروں نے اطلاع دے دی کہ اسکند گپت نے ٹیکسلا میں ہندوستان کے پورے راجاؤں کا لشکر اُس کے مقابلے کے لیے جمع کیا ہے اور اپنے بھائی پور گپت کو اس متحدہ لشکر کا سربراہ مقرر کیا ہے اور وہ عنقریب مہر گل پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا

ہے۔تو مہر گل نے اپنے لشکر کے ساتھ شہباز گڑھی سے ٹیکسلا کی طرف کوچ کیا۔

جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ٹیکسلا کے نزدیک ہوا۔تو راجا پور گپت نے اپنے لشکر کو جنگ کی ابتدا کرنے کا حکم دیا۔تاکہ اپنے لیے فوئد حاصل کر سکیں۔حکم ملتے ہی پور گپت کا لشکر آفاق تنگ کر دینے والے گردِش اقوام کی تقدیر سے کھیلتے بحر کے ہولناک طوفانوں، زندگی نچوڑتی قضا کی خاموشی میں زوال اور فنا طاری کرتی تعصب کی صرصر اور کذب وعصیان اور جرم وجہل کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف مہر گل نے بھی جوابی کاروائی کرتے ہوئے پور گپت کے لشکر پر لاوا اُگلتے آتش فشانوں کی لامحدود قہر مانیت، صدیوں کے خونی موبد میں بے کل باطن اور ذہنی مفلسی کا شکار کرتے بھنور، موت کے رقص اور سنگین رات کے کرب میں ٹیلوں تک کو برباد کر دینے والی صحرائی آندھیوں اور گہرے ماتمی سایوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح ٹیکسلا کے شمال مغرب میں جب دونوں لشکر ٹکرائے تو زوال فنا طاری کرتے لمحے، تباہی وبربادی کے پیش خیمے، اوہام کی خونی کشمکش، جوالا مکھی کے کھولتے لاووں کی سی طغیانی، جبروت اور تنکے سندرمن میں بن کے خارزار اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

رزم گاہ کے اندر دریدہ دہن وحشیوں کے ارادوں کی ترنم ریزی اپنا آپ دکھانے لگی تھی۔درد وکرب کی اذیتیں عذاب بھرے شمشان، اُمڈتے ارادوں کا جوش، نفس نفس میں سلگتی شوریدگی، جنون خیز وحشتیں، آتش ناک گرم رو اور مصائب کی آندھیاں ناچ اُٹھی تھیں۔

تھوڑی دیر کے ٹکراؤ کے بعد پور گپت اور اس کے لشکر کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔مہر گل نے شکست اُٹھا کر بھاگنے والے دشمن کا زرد موسموں کے طوفانوں، تقدیر کے ترکش کے تیروں اور بے چین شراروں کے خروش کی طرح تعاقب کرتے ہوئے انہیں خاصا نقصان پہنچایا۔اس کے بعد واپس آکر پور گپت کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا۔

ٹیکسلا پر قبضہ کرنے کے بعد مہر گل آگے بڑھا اور لاہور اور سیالکوٹ پر بھی قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد اُس نے سیالکوٹ کو اپنا مرکزی شہر قرار دیا اور یہاں سے ہندوستان کے طول و عرض میں حملے کر کے اپنے سلطنت کو وسعت دینے لگا تھا اور اس طرح 568ء تک وہ ہندوستان کے مختلف علاقوں پر بڑے شان سے حکومت کرتے رہے۔

☆ ساسانی دور دوم (568ء تا 644ء)

سفید ہن نے سیالکوٹ کو اپنا مرکزی شہر قرار دیا تھا اور وہاں بڑی شان سے حکومت کر رہے تھے لیکن جب وہ اندرونی خلفشار کا شکار ہو گئے، تو پھر مختلف علاقوں میں شورشوں نے سر اُٹھا لیا۔ اور اس طرح مختلف علاقے ان کے دسترس سے آزاد ہوتے گئے۔

گندھارا کے علاقے میں ساسانیوں نے دوبارہ طاقت پکڑی اور 568ء میں جب سفید ہن کے حکمران اندرونی خلفشار کا شکار تھے، انہوں نے بغاوت کر کے گندھارا میں موجود سفید ہن کے گورنر کو قتل کر دیا اور پورے گندھار پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور یہاں پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ سفید ہن کے حکمران جو اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے کمزور پڑ چکے تھے، کو ساسانیوں کے خلاف جوابی کاروائی کی ہمت نہ ہوئی۔ اس طرح ایک لحاظ سے انہوں نے گندھارا پر ساسانیوں کی اقتدار کو تسلیم کر لیا۔ ساسانیوں نے دوسری بار گندھارا پر تقریباً 86 سال تک بڑے شان سے حکومت کی۔ اُن کی حکومت 644ء تک قائم رہی۔ اس کے بعد وہ زوال پذیر ہو گئے۔ جب حکومت پر ان کی گرفت کمزور ہو گئی تو پھر کابل کی طرف بریا برہمن نے حملہ آور ہو کر اُن کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

☆ کابل شاہی حکمران (بریا برہمن) (650ء تا 870ء)

شاہان کابل کے نام سے گندھارا پر طویل عرصہ تک حکومت کرنے والے بریا برہمن تھے۔ امیر سبکتگین کے وقت اس خاندان کا راجہ جے پال اسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس کا پایہ تخت صوابی کا علاقہ ہنڈ تھا۔ تاریخ کامل ابن اثیر نے راجہ جے پال کا نام بروج لکھا

ہے جو بر کی نسبت سے ہے اور بر حضرت اسماعیل علیہ السلام کا پوتا تھا۔ بر بیٹا تھا کیدار کا اور کیدار فرزند تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کا۔ حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے کی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو برہمن یا پھر بر کی نسبت سے بریا کہتے تھے۔ تاریخ نے اس قوم کو خاص جگہ دی ہے اور یہ خاندان اب بھی ہندوستان کی معزز ترین خاندان ہے۔ تاریخی حوالے سے اس خاندان کے بارے میں جو تحقیق ہوئی ہے اس کے مطابق اس خاندان کی جائے سکونت افغانستان کے شہر کابل کے جنوب میں بیس میل کے فاصلے پر کمری اور چکری کے مقامات ہیں۔ لیث بن صفاری نے جب 256 ہجری میں یہاں کے علاقے فتح کیے اور اس خاندان کو شکست دی، تو شکست کھانے کے بعد یہ لوگ افغانستان چھوڑ کر علاقہ صوابی کے مقام ہنڈ اور لاہور آ کر آباد ہو گئے تھے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ بریا برہمن کے دور میں موضع کٹھ خٹ معرض وجود میں آیا تھا۔

اس طرح جب ساتویں صدی میلادی میں آفتاب اسلام افق بطحاء سے طلوع ہو رہا تھا، تو اُس وقت مملکت وادی پشاور گندھارا پر بدھ اور برہمنی مذاہب رائج تھے۔ چینی سیاحوں ہیون سانگ (630ء) اور دانگ ہیون سی (657ء) کی سیاحت کے وقت گندھارا بشمول صوابی مردان آریائی کشتری خاندان کے کابل شاہیوں کے زیر اقتدار تھا۔ البیرونی پہلا مسلمان مؤرخ تھا جس نے اس حکمران خاندان کا ذکر کیا۔ البیرونی نے کتاب الہند میں کابل شاہی حکمرانوں میں سے حسبِ ذیل نام لکھے ہیں؛

سامند، کملو، بھیم، جے پال، انند پال اور ترلوچن پال۔

قبل ازیں اسلام گندھارا میں یونانی، ہندی، مغل اور ایرانی عناصر کا ایک مخلوط تمدن رائج تھا۔ صوبہ سرحد یعنی گندھارا کا دارالحکومت کبھی ٹیکسلا، تو کبھی پشاور اور کبھی ہنڈ (صوابی) رہا ہے۔ آخر میں ہنڈ مستقل طور پر منتقل ہو گیا اور یوں ہندوشاہیہ کی حکومت کا مرکز اور صدر مقام ہنڈ (صوابی) بن گیا۔

☆ راجہ جے پال اور محمود غزنوی

راجہ جے پال کا تعلق بریا برہمن خاندان سے تھا۔اس کے باپ کا نام است پال تھا اور بیٹے کا نام انند پال ۔سلطنت لاہور کو مشرق میں سرہند تک اور کشمیر سے ملتان تک اور شمال مغرب میں چترال اور لغمان سے کوہ سلیمان تک اپنے قبضہ وتصرف میں رکھتا تھا اور وہ اس مملکت کا خودمختار حکمران تھا، بلکہ کابل اور قندھار بھی اس کے باجگزار تھے۔اس کے علاوہ بہت سے ہندورائے اور راجے اس کے حکم بردار تھے۔اس کا دارالحکومت لاہور (چھوٹا لاہور) تھا، جو پشاور سے جانب مشرق چھپن (56) میل کے فاصلے پر دریائے سندھ سے جانب مغرب واقع تھا اور راجہ کے رہائشی محلات اور اس کی حفاظت کے واسطے ایک چھوٹا سا مضبوط قلعہ بھی دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر شہر ہند یا وے ہند یا ہنڈ کے مقام پر تھا۔قصبہ ہند سے جانب شمال مغرب چار میل کے فاصلے پر دارلحکومت شہر لاہور تھا۔ان دونوں مقامات مذکورہ کے اب تک یہاں نہ صرف آثار قدیمہ موجود ہیں بلکہ یہ اس وقت بھی سکونتی قصبے ہیں اور اب تک انہی پرانے ناموں سے موسوم ہیں۔ان قصبوں میں قبیلہ آباخیل مندڑ یوسف زئی آباد ہیں۔ (روشن خان،تذکرہ؛ پٹھانوں کی اصلیت اوران کی تاریخ،صفحہ 118)

جنگ لغمان (7-986ء)

جس دنوں یعنی دسویں صدی عیسوی کے آواخر میں موجودہ پختونخواہ میں راجہ جے پال کی حکومت تھی، اُنہی دنوں افغانستان کے اکثر حصوں پر امیر سبکتگین کی حکومت تھی۔دونوں گویا ایک دوسرے سے خوفزدہ تھے۔بالخصوص راجہ جے پال کو ڈر تھا کہ اگر امیر سبکتگین نے پٹھان شیخ حمید لودھی کی حمایت حاصل کر لی تو پھر ان کی خیر نہیں۔اس لیے راجہ جے پال نے کسی قسم کا خطرہ مول لینے کی بجائے خود اقدام اُٹھاتے ہوئے ایک لشکر جرار تیار کیا اور 7-986ء میں غزنی کی طرف اقدام کرنے لگا۔اُدھر امیر سبکتگین کو پتہ چلا تو اُس نے بھی پوری تیاری کر لی

اور پورے عزم واستقلال کے ساتھ راجہ کے مقابل آیا۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو جنگ کی ابتداء جے پال نے کی۔ جے پال کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی، لہٰذا وہ ایک گھمنڈ اور تکبر میں پڑا ہوا تھا۔ اسی گھمنڈ میں وہ اپنے لشکر کو حرکت میں لایا اور پھر وہ سبکتگین کے لشکر پر تشنہ خوابوں کی تعبیروں میں اُمیدوں اور خواہشوں کی ثمر آوری کو تباہ کرتے قہر کے دریائے نند، کارگاہِ شیشہ گری میں سمندر کی لہروں کی طرح ہر شے کو بے ترتیب کر دینے والے طوفانوں کے گرد غبار اور زندگی کی دوامی قدروں کو فنا کرتی عذابوں کی زلزلہ انگیزیوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

دوسری طرف سبکتگین نے بھی اپنے آپ کو دفاع تک محدود نہیں کیا بلکہ وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ جے پال کے لشکر پر عذابوں کی زلزلہ انگیزیوں، زندگی کی گہری تہوں میں یخ بستہ دکھ کی ہواؤں کی طرح گھس جانے والے زوال وفنا کے ہولناک عناصر، وقت کے گہرے ساگر کی خاموشیوں میں زندگی کے آشیانے بکھیرتے بپھرتے دہشت زاروں کے کرب اور ذہن کی ساری کھڑکیاں کھولنے اور دل کے صحرا کے سارے نخلستان تباہ کر دینے والی ماہ وسال کی ہولناک اذیتوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

یوں لغمان کی سرزمین میں اذیت بھری فطرت کی جوالا، ہر تمنا کو لہولہو، احساس کی ندرتِ فکر کی رفعت اور خوشی کے سرگرداں لمحات کو تباہ کرتے طوفان اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ذہن اور دل کے رابطے ختم ہونا شروع ہو گئے تھے۔ دامن کو چاک، دل کو فگار کر دینے والی اندھی شورشیں اپنا رنگ دکھانے لگی تھیں۔

رزم گاہ کے اندر ایک طوفانی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ کچھ دیر تک گھمسان کا رن پڑا۔ جے پال نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ سبکتگین کو شکست دے کر بھگا دے۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا، اُلٹا سبکتگین نے چھوٹا سا لشکر رکھنے کے باوجود جے پال پر دباؤ بڑھانا شروع کر دیا تھا اور جے پال اپنے لشکر کے ساتھ دبتا چلا گیا۔ اپنے اوپر پڑنے والے اس دباؤ کا جے پال

کو احساس ہو گیا تھا۔ اس کے لشکر ہی کی نہیں، اس کی اپنی حالت بھی سوچوں میں گم ہجر کی سیاہ راتوں، کھولتی بھٹکتی بھیڑوں، صعوبت کی راہوں کے مسافروں کی سی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد جے پال کو اپنے سامنے اپنی شکست صاف دکھائی دینے لگی۔ راجہ جے پال نے جب یہ حالت دیکھی تو صلح کے لیے درخواست گزاری کی۔ اگرچہ محمود غزنوی کا اصرار تھا کہ جنگ جاری رکھی جائے۔ لیکن نوجوان محمود کے برعکس تجربہ کار سبکتگین نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے جنگ بندی قبول کر لی۔ امیر سبکتگین نے وقت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنا سکہ جما لیا اور راجہ سے دس لاکھ درہم، پچاس ہاتھی اور چند سرحدی قلعے خالی کر دینے کے اقرار کے ساتھ ایفائے عہد کی ضمانت کے طور پر اپنے چند متعلقین کو بطور یرغمال سلطان کے حوالے کر دیا۔ لیکن اپنے دارالسلطنت واپس پہنچ کر راجہ ایفائے عہد نہ کر سکا بلکہ رسمِ حکمرانی کے خلاف سلطان کے ان افسروں کو جو شرائط صلح میں فیصلہ شدہ اُمور کی تکمیل کے لیے راجہ کے ساتھ آئے تھے، گرفتار کر لیا اور اعلان کر دیا کہ جب تک سبکتگین اس کے آدمیوں کو واپس نہیں بھیجے گا، سبکتگین کے آدمیوں کو پابند سلاسل رکھا جائے گا۔

سلطان کو اس واقعہ کا علم ہوا تو بے قرار ہو گیا۔ وہ اب چین سے بیٹھنے والا نہ تھا اور راجہ کو اس نچلی حرکت کی سزا دینے کی تیاری کرنے لگا اور پہلی ہی جست میں ان نے لغمان کے اردگرد کے علاقہ پر مکمل قبضہ کر لیا اور رفتہ رفتہ اس طرف علاقے فتح کر کے بڑھنے لگا۔ اُدھر راجہ کو معلوم ہوا تو اُس نے ہندوستان کے راجاؤں سے امداد طلب کی۔ اس نے مختلف راجاؤں سے سپاہی جمع کر کے پھر سے امیر سبکتگین پر پیشگی میں حملہ کر کے اسے یکسر ختم کرنا چاہا۔ لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا اور وہ اس کے انتظار میں تھا کہ اس سے اپنا انتقام لے لیں۔ اس بار جب دونوں آمنے سامنے ہوئے تو ایک خونریز جنگ لڑی گئی اور آخر کار راجہ کو پھر سے بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جے پال کسی نہ کسی طرح جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور یوں سبکتگین نے پشاور تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ اور اب کے بعد دونوں ایک دوسرے کے

مقابل رہے۔غزنی سے پشاور تک کا علاقہ سبکتگین کے پاس تھا جبکہ موجودہ پختونخواہ کا باقی علاقہ راجہ جے پال کے پاس تھا۔

سلطان سبکتگین نے اگست 997ء بمطابق شعبان 386 ھ میں بمقام بلخ وفات پائی۔تو اُس کے بعد اُس کا بیٹا سلطان محمود غزنوی تخت نشین ہوا۔جس کے متعلق طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ اس کی پیدائش پر راجہ جے پال کی دارالسلطنت ہنڈ (صوابی) کا بت خانہ خود بخود گر گیا تھا۔یہ تاریخ ۹ اور ۱۰ محرم الحرام ۳۶۱ھ یعنی یکم اور دو نومبر ۹۷۱ء کی درمیانی شب تھی۔ (طبقاتِ ناصری صفحہ ۸۷)

جنگ پشاور (نومبر 1001ء)

غزنی میں ایک نوجوان کو سریر آرائے سلطنت دیکھ کر راجہ جے پال کو اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔اس مقصد کے لیے وہ ہندوستان کے راجے مہاراجوں سے طاقت جمع کر کے پھر سے غزنی پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔لشکر کو تیاری کرنے کا حکم ملا تو شوال ۳۹۱ھ بمطابق ستمبر ۱۰۰۱ء میں اقدام شروع کر دیا اور بارہ ہزار سوار اور تیس ہزار پیادہ سپاہیوں کے علاوہ تین سو جنگی ہاتھی لے کر لغمان کی طرف روانہ ہوا۔

دوسری طرف محمود غزنوی بھی بے خبر نہ تھا،اسے راجہ کی طاقت اور کاروائی کی واقفیت تھی۔اس لیے قبل اس کے کہ راجہ جے پال افغانستان کی سرزمین میں قدم رکھتا،سلطان محمود خود پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ غزنی سے نکلا اور پشاور کے قریب آ کر ڈیرے ڈال دیئے۔ محمود غزنوی کے لشکر میں کئی ہزار رضا کار بھی تھے۔

27 نومبر 1001ء کو علی الصبح جے پال نے اپنی فوج کو مرتب وصف بستہ کر کے طبل جنگ بجادیا۔جے پال نے راجاوؤں کے اس متحدہ فوج کو اس طرح مرتب کیا تھا کہ جنگی ہاتھی سب سے آگے تھے درمیان میں پیدل فوج تھی جس کے بازوؤں اور عقب میں گھوڑ سوار

اور رتھ سوار تھے۔

دوسری طرف سلطان نے بھی اپنی فوج کو ایک منصوبہ بندی کے تحت مرتب کیا۔ اس کے بازوؤں پر تیرانداز دستے متعین کیے اور دشمن کو اپنے لشکر کے قلب کی جانب بڑھنے دیا۔

جب دونوں لشکروں نے اپنی صفیں درست کیں، تب جنگ کی ابتداء جے پال کی سرکردگی میں متحدہ راجاؤں کے لشکر نے کی۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ خوابوں کے دریچوں سے نکلتی صدیوں کی فتنہ گری کو دربدر کر دینے والی گمشدہ لمحوں کی ہولناک پکار کی طرح حرکت میں آئے اور پھر سلطان کے لشکر پر زندگی کے رنگوں کو خوابوں میں بدلتے، زہر گھول دینے والے غم، فراق کے قصوں، اُجاڑ راتوں کی تنہائیوں میں زمین کو لہولہو کرتے گورکھ دھندوں کے پھیلاؤ، قرن ہا قرن کے رُکے انگڑائیاں لیتے آتش فشانوں اور اضطراب وعتاب کا شکار کرتے بددماغوں کے غضب ناک گروہ کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دوسری طرف جوابی کاروائی کے طور پر سلطان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ متحرک ہوا۔ اپنے لشکر کو وہ طوفانوں اور ابتلاؤں کے ہم آہنگ بن جانے والی صحرائی لُو کی کرب ناک شدت، رزم گاہوں کے بدن پر خنجر چلاتے زمین کے چیتھڑے اُڑا دینے والی انحطاط و زوال طاری کرتے جنگجوؤں کی طرح حرکت میں لایا۔ اس کے بعد ہندوستان کے متحدہ لشکر پر وہ ریگستانوں میں منڈلاتی ظلم کی بہتات، جبر کی ارزانیوں، شام کے بے انت تاریکیوں میں متحرک طلمساتی سنسانیوں، آندھیوں اور ہواؤں کے دوش پر ہر شے کو ساکن کر دینے والے کڑے وقت میں جبر کے تیز جھکڑوں اور زندگی کے ہر حصار کو توڑتی قضا کی خونی یورش کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

اس طرح پشاور کی سرزمینوں میں تلواریں اور ڈھالیں، نیزے اور برچھے تعصب کے مرض، لاعلاج تحریف، موروثی تمدن کے اوہام بے حسی کا طلسم پھیلانے لگے تھے۔ بگولوں کے مہیب جھکڑ سیال آگ کی صورت میں پھیل جانے والے موجوں میں بنتے بھنور چاروں

طرف ناچ اُٹھے تھے۔ میدانِ جنگ کے اندر دل کا سکون وچین، روح کا صبر وتحمل چھین لینے والی بدبختی کی آہٹیں اور بُغض وعداوت بُری طرح ناچ اُٹھے تھے۔

کافی دیر تک گھمسان کا رن پڑا۔ ہندوستان کے متحدہ لشکر کے کمانداروں کو اُمید تھی کہ فتح انہی کے ہاتھ آئے گی، لیکن اُنہیں اس وقت حیرت اور بددلی کا منہ دیکھنا پڑا جب انہوں نے اندازہ لگایا کہ کافی دیر کی جنگ کے بعد بھی وہ سلطان کے لشکر میں ذرّہ برابر پسپائی پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔

اس دوران دشمن کے حملہ آور جنگی ہاتھی، پیادہ دستے اور سوار غزنوی تیر اندازوں کی زد میں آگئے تو انہوں نے دشمن پر تیروں کی بارش کردی۔ انہوں نے خاص طور پر ہاتھیوں کو نشانہ بنایا۔ ان کی آنکھوں اور ٹانگوں پر مسلسل تیر برساتے گئے۔ کئی ہاتھی لنگڑے اور اندھے ہو گئے۔ غزنویوں کے شمشیروں نے آگے بڑھ کر پہلی صف کے ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ دیں۔ جس سے ہاتھی سراسیمہ ہو گئے۔ چنانچہ دشمن کے پیدل دستے رک گئے۔ ادھر دشمن کے گھڑ سوار اور رتھ سوار بھی سلطان کے فوج کے گھیرے میں آگئے۔

دوپہر تک ہولناک جنگ جاری رہی جس میں دونوں طرف کا شدید نقصان ہوا، لیکن جب سورج کافی ڈھل جانے کے بعد سلطان نے اپنے حملوں میں مزید تیزی پیدا کی، تو یہ صورت حال جے پال کے لشکر کے لئے بڑی خوفناک تھی۔ پھر وقت کی آنکھ نے دیکھا، جے پال کے لشکر کی حالت اب بڑی تیزی سے بیوہ کی بدنصیبی، ننگ وذلت کے جہنم، بختِ سیاہ رو، مجوریوں کے روتے اشجار، مردہ آرزوؤں اور غم زدہ وحزیں جذبوں کی سی ہونا شروع ہوگئی تھی۔ میدانِ جنگ کے اندر الم نصیب سایوں کی طرح سوختہ لاشیں اِدھر اُدھر بڑی تیزی سے بکھرنے لگی تھیں۔ ان لاشوں نے ہندوستان کے متحدہ لشکر کے اندر ایک طرح سے غموں کی یلغار اور دکھ کی کسک کا سماں برپا کر کے رکھ دیا تھا۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد ہندوستان کے متحدہ لشکر کو بدترین شکست کا سامنا

کرنا پڑا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ سلطان نے بھاگتے دشمن کا چیختی چلاتی ہواؤں، سوگ کی آنچ، بنجر پیاس، سحر آفرین قوتوں، موت کے رقص لازوال، زمین کے انوکھے نگران عناصر اور قہر کے برستے تازیانوں کی طرح تعاقب کیا تھا۔ جس وقت وہ ہندوستان کے متحدہ لشکر کا تعاقب کر رہے تھے۔ اُس وقت ایسا لگتا تھا جیسے قہر مانیت کی تاریک گہرائیوں سے سرخ شعلوں کے رقص اور زہر آلود اضطراب نے اُٹھ کر ہر شے کو اپنی گرفت اور اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا ہو۔

تعاقب کے دوران غزنویوں نے بھاگنے والوں کی ایک بڑی تعداد کو کاٹ ڈالا۔ میدان میں دشمن کی پندرہ ہزار سے زیادہ لاشیں پڑی تھیں۔ اور راجہ جے پال پندرہ عزیزوں اور شہزادوں سمیت گرفتار ہو گیا تھا۔ سلطان آگے بڑھتا ہوا جے پال کے دارالحکومت وے ہند یعنی موجودہ ہنڈ تک آ گیا اور ہنڈ پر قبضہ کر لیا۔

یہ جنگ ۸ محرم ۳۹۳ھ بمطابق ۲۷ نومبر 1001ء کو لڑی گئی تھی۔ اس جنگ کا میدان ضیا اللہ جدون کے مطابق موجودہ پشاور یونیورسٹی کے عقب میں تھا، جہاں آج کل پروفیسر کالونی آباد ہے۔ یہ پوری کی پوری آبادی اسی قبرستان پر بنی ہے جہاں اس جنگ کے شہداء مدفون ہیں۔

جے پال کو جب سلطان کے سامنے بحیثیت قیدی لایا گیا تو اس وقت سلطان محمود غزنوی دارالسلطنت ہنڈ (لاہور) میں موجود تھا۔ اس جنگ میں سلطان کو بے شمار مال غنیمت ملا تھا۔ اس میں موتیوں کے پندرہ ہار تھے جن میں ہر ایک ہار کی قیمت دس دس لاکھ دینار لگایا گیا تھا۔ اب راجہ جے پال کے پاس سوائے باج گزاری کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ اس لیے وہ بیس لاکھ دینار، پچاس ہاتھی، متعدد گھوڑے اور مویشی دے کر گلوخلاصی کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر اس بار راجہ جے پال مکمل طور پر مایوس ہو چکا تھا۔ اس لیے اُس نے آگ میں کود کر خودکشی کر لی۔ سلطان محمود نے صوابی اور آس پاس کے تمام علاقوں کو بھی اپنے زیر اثر کرتے

ہوئے اپنا رعب و دبدبہ قائم کیا۔ پشاور سے ہنڈ تک تمام مندر مسمار کر دیئے۔ سلطان نے اس بار دریائے سندھ پار نہ کیا اور ہنڈ میں مسند حکومت راجہ جے پال کے بیٹے راجہ انند پال کے سپرد کر کے اپریل 1002ء میں واپس غزنی چلا گیا۔

(جکسن سمتھ، ہسٹری آف انڈیا، ص56)

جنگ ہنڈ اول (مارچ 1006ء)

سلطان محمود غزنوی چونکہ ایک مسلمان حکمران تھا اس لیے اس نے بجائے خود حکمران مقرر کرنے کے، راجہ جے پال کے بیٹے راجہ انند پال کو واپس یہاں کی حکومت سونپی اور یوں صوابی کے دارلسلطنت ہنڈ (لاہور) کے تخت پر راجہ نند پال مسند آراء رہا۔ پھر جب مارچ 1006ء بمطابق ۳۹۶ھ سلطان محمود غزنوی نے ملتان کی طرف رخ کرنا چاہا تو راجہ انند پال کو اطلاع دے کر خواہش ظاہر کی کہ وہ اس راستے سے گزرنا چاہتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت تک دونوں حکمرانوں کے تعلقات کشیدہ نہ تھے۔ راجہ انند پال نے عقل و تدبر سے کام لینے کی بجائے بڑی بے وقوفی کا فیصلہ کر کے از خود آلام و مصائب کو دعوت دی اور سلطان محمود غزنوی کے اس راستے سے گزرنے پر نہ صرف اعتراض کیا بلکہ موقع غنیمت جان کر جنگ کی باقاعدہ تیاری کرنے لگا۔ اس وقت چونکہ ہندوستان کے اکثر راجے اس کی مدد کرنے پر آمادہ تھے لہٰذا اس نے اپنی اجتماعی طاقت سے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل دینا چاہا۔ اس نے اسے مذہبی جنگ کا رنگ دے کر مسلم ہندو جنگ بنا دیا۔ ہندو راجاؤں نے دل کھول کر اس کی امداد کی۔ اس مشترکہ لشکر نے مجتمع ہو کر بمقام لاہور (صوابی) سلطان محمود غزنوی کے سامنے ایک بلاک کی حیثیت سے بزعم خویش اسے مسدود کرنا چاہا۔ سلطان محمود غزنوی کو اطلاع ملی تو وہ بھی بڑی تیز رفتاری کے ساتھ یہاں آیا اور اپنے لشکر جرار کو اس بار سمجھایا کہ یا تو یہ لوگ رہیں گے یا پھر ہم۔ جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو جنگ کی ابتداء

انند پال نے کی۔ انند پال اپنے لشکر کے ساتھ سلطان کے لشکر پر خون اور اشکوں میں نہلاتے وقت کے بدترین کرب، اپنے ارادوں کا مطیع بنانے والے خواہشوں کے منہ زور سمندر، غم گزیدہ قلب دریدہ کر کے زوال وفنا کا شکار بناتے خناس کے وسوسوں اور دلوں کو پامال کرتی المناک گھٹن کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

شروع میں سلطان نے اپنے آپ کو دفاع تک محدود کیا اور وہ بڑی ہنرمندی سے انند پال کے حملوں کو روکتا رہا۔ جبکہ انند پال کے لشکر نے شروع ہی میں اپنے حملوں میں تیزی اور خوں خواری پیدا کر لی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انند پال بڑا لشکر رکھنے کے باوجود سلطان کو پسپا کرنے میں ناکام رہا۔ اس طرح دونوں لشکر ایک دوسرے پر اپنی فتح اور کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے زمین کا سینہ سرخ کرنے لگے تھے۔

. کافی دیر تک دفاعی جنگ لڑنے کے بعد جب سلطان نے اندازہ لگایا کہ انند پال اپنا پورا زور صرف کر چکا ہے تو اس نے اپنے لشکریوں کو مخصوص اشارہ کیا اور ساتھ ہی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ جواب میں اُس کے تمام لشکریوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور پھر سلطان نے دفاع کے چادر کو اُتار پھینکا اور وہ انند پال کے لشکر پر قلب ونظر کو خون آلود کرتے انحطاط اور زوال کے عناصر، آرائش وتزئین کے نشیلے انسانوں کو دھواں دھواں بنا کر اُڑا دینے والی صحرا صحرا پھیلتی قضا، پیمانۂ مشیت میں منزلوں کو خون آلود اور تحیر کی رسدگاہوں میں دل آشوبی طاری کرتے سمندر کے غصیلے رقص کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

سلطان کا اس طرح حملہ آور ہونا دشمن کے لیے انتہائی خوفناک اور حیران کن تھا۔ سلطان کے ان زوردار حملوں کی وجہ سے راجہ انند پال کے لشکریوں کے جسم وجان کے حوصلے بدبختی کی سیال سیاہی میں بدلنے لگے تھے۔ بن بن، بستی بستی میں بکھرتے حرف وصوت کے سایوں کی طرح اُن کے لشکری ڈھیر ہونے لگے تھے۔ جنگ کی حیلہ گری اور مکاری، الم بھری داستانیں درد کے رابطے بڑھانے لگی تھیں۔ جان کو سلگا دینے والے آتش، وحشی جذبے،

اضطراب کے انتقام اور فنا کے آنچل اپنا رنگ دکھانے لگے تھے۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد انند پال کو اپنی شکست صاف دکھائی دینے لگی۔ لہذٰا ہزیمت قبول کرتے ہوئے وہ بھاگ کھڑا ہوا۔سلطان نے غم انگیز سایوں ،کھولتے قہر آلود غول، پُر اسرار قضا کے سرابوں اور وقت کی آندھیوں کے آشوب کی طرح کچھ دور تک اُس کا تعاقب کیا اور جہاں تک ہو سکتا تھا انہیں جالیا لیکن راجہ انند پال بھاگنے میں کامیاب ہوا اور جا کر کشمیر کی وادیوں اور پہاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔سلطان نے اُس کے پڑاو پر کی ہر چیز کو قبضہ میں لے لیا اور پھر وہاں پر ہنڈ میں قیام کیا۔

سلطان نے کچھ عرصہ ہنڈ میں گزارنے کے بعد وہاں کا نظم ونسق اپنے ایک حکمران کے سپرد کیا۔اُس کے ساتھ ایک حفاظتی دستہ چھوڑا اور خود واپس غزنی چلا گیا

جنگ ہنڈ دوم (دسمبر 1008ء) :

چاہیے تھا کہ انند پال اس بار سمجھ جاتے کہ مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے نپٹنا اپنے پاؤں آپ کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔اس لیے غنیمت اسی میں تھی کہ وہ خود کی آمان مانگ کر چپ سادھ لیتے لیکن وہ چونکہ ایک راجہ کا بیٹا تھا اور خود بھی ایک عرصہ تک تخت پر بیٹھ کر حکمرانی کے مزے لے چکا تھا۔اس لیے اس نے ہار ماننے کی بجائے ایک آخری بار حملہ کر کے تخت یا تختہ کا فیصلہ کر لیا۔اس بار اس نے پورے ہندوستان کے راجوں مہاراجوں کو پیغامات بھیج کر مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا کہ اگر انہوں نے سلطان محمود غزنوی کو ہنڈ (صوابی) پر نہ روکا تو یاد رکھو کہ اس کا اگلا ہدف ہندوستان ہی ہے اس لیے اسے اس بار پہلے سے بڑھ کر یہاں اپنی فوج بھیجنی چاہیے تا کہ سلطان محمود غزنوی کا راستہ روک لیا جا سکے۔

چنانچہ ہندو ایک بار پھر کثیر تعداد میں جمع ہوئے اور اس بار ان سب کو یقین تھا کہ سلطان محمود غزنوی انفرادی حیثیت سے اس سیل رواں کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ لا سکے گا۔اور

جب لشکر بہ تعداد کثیر جمع ہو گیا تو اپنے کھوئے ہوئے سلطنت کی طرف یلغار شروع کر دی اور بڑی تیزی سے اقدام کرتے ہوئے ہنڈ کے قریب جا پہنچے۔

دوسری طرف سلطان بھی افغانستان سے ایک لشکر جرار لے کر آنے لگا جس میں پٹھانوں کی بھی اکثریت تھی۔ دی لائف اینڈ ٹائمز آف سلطان محمود آف غزنہ میں ڈاکٹر ناظم صاحب لکھتے ہیں کہ ۲۹ ربیع الاول ۳۹۹ھ بمطابق ۳۱ دسمبر 1008ء کو ہنڈ کے مقام پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو جنگ کی ابتداء انند پال کی زیر قیادت ہندوستان کے راجاؤں کی متحدہ لشکر نے کی۔ پہلے اُس نے اپنے لشکر کو خزاں کے طوفانی جھکڑوں کی طرح آگے بڑھایا اور پھر سلطان کے لشکر پر صدیوں کے ویران گوشوں میں ذہن کی لوح کے نقوش مٹاتے بے آواز طوفانوں، کاٹ کھانے والے اُداس اور ویران دیولاخوں میں دلوں کو ملول کرتے پرانے قدیم عذابوں کے وسوسوں، زندگی کے کفن میں لپٹتے ہیجان آفریں بگولوں، تباہی کے قاصدوں، اور درد بھری نفرتوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اس دفعہ سلطان نے اپنے آپ کو دفاع تک محدود نہیں کیا بلکہ جوابی کاروائی کرتے ہوئے وہ بھی رات کی تہوں سے نکل کر شعلوں کی صورت اختیار کرتے جوالامکھی کی آتش سیال، قلب وجگر کی تہوں میں پستیاں اور رُسوائیاں اُتارتے موت کے بے کنار سایوں، نگاہوں کی وسعتوں، ذہن کی کشادگیوں میں برق کی کڑک، زلزلوں کی دھمک بھر دینے والے قلزموں کے بکھرتے زور کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

یوں میدانِ جنگ اور رزم گاہ میں اجل کے عناصر، قضا کے ساربان، عداوتوں کی رقابتیں ناچ اُٹھی تھیں۔ حیوانی خواہشیں، غرور و نخوت کے پندار اپنا رنگ جمانے لگے تھے۔ بڑے بڑے سورماؤں کی کامیابیاں اور سرفرازیاں خاک اور راکھ ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

کافی دیر تک گھمسان کا رن پڑا رہا۔ رزم گاہ میں گھنی چھاؤں کی سی خواہشیں

آنسوؤں کی جھلمل میں بدلنے لگی تھیں۔ دلفریب مسکراہٹیں خون میں نہلائی جانے لگی تھیں۔ بربریت کے اندھیرے، جسموں کا روگ بن کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔آنکھوں کی سحر کاری، انسانیت کا وقار اور زندگی کے لمحات موت کے منجدھار میں ڈوبنے لگے تھے۔ بڑے بڑے حوصلے والے اور جواں ارادوں کے مالک، قضا کے سامنے سرنگوں ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس طرح ہنڈ کے نواح میں صداؤں کی داستانوں میں عذابوں کے قصے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔اور گرجتی دھاڑتی موج کی آندھیاں ہرسُو پھیلنے لگی تھیں۔شدید جنگ لڑی گئی ۔جس میں دونوں اطراف نے خوب جواں مردی کے جوہر دکھائے ، مگر بل آخر ہندوؤں کا متحدہ لشکر سلطان کی جوانمردی، ہمت وشجاعت اور دلیری کا مقابلہ نہ کرسکی اور شکست اُٹھا کر بھاگ نکلی۔ راجہ انند پال کو جان کے لالے پڑ گئے لیکن وہ اس بار بھی بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔سلطان کچھ عرصہ تک صوابی میں مقیم رہا اور پھر جون 1009ء میں واپس غزنی چلا گیا۔اس جنگ میں سلطان کو کافی مالِ غنیمت ملا۔جس کی تفصیل یوں ہے۔کہ شاہی سفری خیمہ جس میں انند پال دوران سفر قیام کرتا تھا۔اس کی لمبائی پندرہ گز جبکہ چوڑائی تیس گز تھی۔ اس کے ستون سونے چاندی کے تھے،سائبان ریشمی تھا اور راجہ کے بیٹھنے کے لیے ایک مزین شاہی تخت تھا۔جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ پانڈوں کے قدیم خاندان سے اس موجودہ خاندان تک پہنچا تھا۔اس ساز و سامان میں شاہی خزانہ سے سات کروڑ درہم اور منوں سونا چاندی بھی ملی تھی ۔یہ ہندوؤں کا صوابی پر آخری حملہ تھا۔اس کے بعد انہیں پختونخواہ کی اس سرزمین پر کبھی حملہ یا اقدام کا خیال تک نہیں آیا اور یوں ان کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔ (دی لائف اینڈ ٹائمز آف سلطان محمود آف غزنہ میں ڈاکٹر ناظم)

اس لشکر میں چونکہ سلطان محمود کے ساتھ بہت سے پٹھان بھی تھے بلکہ بقول اللہ بخش یوسفی کے حقیقت میں حکومت تو خاندانِ غزنویہ کے ہاتھ میں تھی لیکن عملاً اقتدار پٹھانوں کے

ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ سلطان کے وزیر اعظم ہمندی اور مشیر ابوالفتح ان ہی قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ابوالفتح کا اصل نام داؤد بن نصیر بن شیخ حمید تھا یعنی وہ اولین پٹھان حکمران کا پوتا تھا اور ان ہی کی فراست اور دلیری کی وجہ سے سلطان نے اس علاقے پر قبضہ جمایا تھا۔ سلطان کے ہر حملے میں پٹھان مقدمۃ الجیش کی حیثیت میں دکھائی دیتے تھے اور جب سلطان سومنات پر حملہ کرنے نکلا تو بھی بارہ ہزار جانباز پٹھانوں کا لشکر اس کے ہمرکاب تھا۔ انہی پٹھانوں کی بہادری اور دلیری سے متاثر ہو کر سلطان محمود غزنوی نے اُن کو ''خان'' کا خطاب دیا تھا۔ پٹھانوں میں ملک خانو، ملک عامو، ملک دادر، ملک یحیٰ، ملک محمود، ملک عارف، ملک غازی، ملک شاہد، ملک احمد وغیرہ سرداروں کے نام تاریخ میں ملتے ہیں۔ (یوسف زئی پٹھان، ص ۲۰۹)

ہندوشاہیہ کے مشہور راجے بھمیہ، جے پال، ترلوچن اور بھیم پال تھے۔ بھیم پال آخری ہندو راجہ تھا جو سلطان محمود کے سپاہیوں کے ہاتھوں 1026ء میں کشمیر میں مارا گیا اور اسی طرح اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ مؤرخ ''فرشتہ کتاب'' قمطراز ہے کہ جب آٹھویں صدی عیسوی کے آواخر میں افغان قبیلوں کی آبادی بڑھی تو وہ اپنے پہاڑی ٹھکانوں سے نکلے اور انہوں نے وادی کرم، وادی پشاور اور شناوڑی (ہنگو اور کوہاٹ) پر قبضہ کر لیا۔ لاہور (صوابی) کے ہندو راجہ نے جو اجمیر کے راجہ کا قریبی رشتہ دار تھا، اپنے ایک ہزار گھڑ سواروں کو افغانوں کے مقابلے کے لیے بھیجا لیکن افغانوں نے ان میں سے اکثر ہندوؤں کو تہہ تیغ کر دیا۔

☆ غوری پٹھان

خاندانِ غزنویہ کے چراغ گل ہو جانے کے بعد عنانِ حکومت غوریوں کے ہاتھ لگی۔ سلطان محمود غزنوی نے اپنے دور میں پٹھانوں کی خوب دلجمعی کی تھی، محمد غوری نے بھی صوابی، مردان و پشاور کے علاقوں سے ہندوؤں کو نکال کر افغان قبائل دلازاک اور شلمانی

سواتی قبائل آباد کیے۔اگرچہ قبل ازیں سلطان محمود غزنوی کے ساتھ بھی افغانستان سے افغان آکر یہاں آباد ہو گئے تھے، تاہم غوری دور میں پورے صوابی مردان پران کا قبضہ ہو گیا تھا اور ان غوریوں نے اپنا اقتدار قائم کیا تھا۔اگرچہ بعد میں سلطان اویس سواتی نے بھی ان علاقوں پر حکومت کی۔غوریوں کے بعد خاندان غلامان (1206ء تا 1290ء)، خاندان خلجی (1290ء تا 1320ء) ، اورلودھی خاندان (1450ء تا 1526ء) نے ہندوستان پر حکومت کی۔1526ء میں مغل فرمان رواظہیرالدین محمد بابر نے سلطان ابراہیم لودھی کو پانی پت کے مقام پر شکست دے کر سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھی۔

☆ پٹھان قبیلہ دلازاک

جب 1001ء میں محمود غزنوی افغانستان سے صوابی آیا تب ان کے ساتھ پٹھانوں کی آمد شروع ہوئی اوران میں سب سے پہلے دلازاک قوم یہاں وارد ہوئی۔رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھ گئی اور یہ لوگ ایک مضبوط قوت کی شکل میں ابھر کر سامنے آئے۔انہوں نے اس تمام تر علاقے پر اپنا قبضہ جما لیا بالخصوص صوابی مردان ان کا گڑھ بن گیا۔گوان کے ساتھ دیگر اقوام بھی یہاں رہتی تھیں تاہم حکومت ان کی تھی اور قبضہ ان کے پاس تھا۔کیونکہ سلطان محمود غزنوی کا یہ معمول تھا کہ وہ آزاد منش افغانوں کو بلاجھجک موت کے گھاٹ اتارتا تھا اوراس باب میں وہ کسی قسم کا خوف یا ڈر محسوس نہ کرتا تھا۔جیسا کی منشی گوپال داس نے لکھا ہے(تاریخ پشاور،ص ۱۶۵)۔اس لیے اس نے دلازاک پٹھانون کا ساتھ دیا اورانہیں یہاں آکر آباد کرایا، کہ اس قبیلہ نے اس کی ہر ہاں میں ہاں ملانے کی حامی بھر لی تھی۔پھر جب یوسف زئی یہاں وارد ہوئے توانہوں نے دلازاک کو یہاں سے بے دخل کر دیا۔

قدیم تاریخی دور میں کٹہ خٹ کی حالت

قیاس کیا جاتا ہے کہ موضع کٹہ خٹ ہندوستان پر بریا برہمن خاندان کی حکومت کے دوران 900ء کے لگ بھگ وجود میں آیا تھا۔ بریا برہمن خاندان کی حکومت مشرق میں سرہند تک اور کشمیر سے ملتان تک، شمال میں چترال اور مغرب میں لغمان سے کوہ سلیمان تک پھیلی ہوئی تھی، بلکہ کابل اور قندھار بھی اس کے باجگزار تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے ہندو رائے اور راجے اس کے حکم بردار تھے۔ اس کا دارالحکومت لاہور (چھوٹا لاہور) تھا، جو پشاور سے جانب مشرق چھپن (56) میل کے فاصلے پر دریائے سندھ سے جانب مغرب واقع تھا۔

اُس دوران کٹہ خٹ کا علاقہ بنجر یعنی بارانی تھا۔ کھیتی باڑی کا کوئی موزوں انتظام نہ تھا۔ لوگوں کا گزر اوقات مال مویشی پالنے اور اُن سے حاصل ہونے والی آمدنی، مثلاً دودھ، دہی، دیسی گھی اور بھیڑوں وغیرہ کے اُون پر ہوتا تھا۔ اس دور میں لوگ تعلیم کے زیور سے نا آشنا تھے۔ مواصلات اور خط وکتابت کا کوئی نظام نہیں تھا۔ لوگ انتہائی پسماندہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ ملکی معاملات سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ نہ دین کے معاملات سے آگاہی تھی اور نہ اسلام کے بنیادی اُصولوں کا علم ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اُن کو اردگرد کے حالات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ اُن سے کوئی آگاہی حاصل کرتے تھے۔۔ اُن کا سب کچھ اُن کے مویشی ہوتے تھے۔ وہ دن رات مویشیوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے تھے اور مویشیوں کی خیر خبر رکھنا اُن کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا تھا۔ اُن میں طاقتور اور دولت مند وہ شخص ہوتا تھا جس کے پاس زیادہ مویشی ہوتے تھے۔

چونکہ اُس وقت لوگوں کا ذریعہ معاش صرف مویشی پالنے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی پر تھا، اس لیے ان لوگوں کو اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے ایک خاصا سفر طے کر کے شہباز گڑھی تک جانا پڑتا تھا، کیونکہ نزدیک کہیں کوئی اور گاؤں وغیرہ نہیں

تھا۔شہباز گڑھی میں ہندؤوں کی ایک بہت بڑی آبادی تھی جن کا پیشہ تجارت ہوتا تھا۔ چنانچہ اُن لوگوں نے اپنی تجارت کو پھیلانے کے لیےاس موقع کوغنیمت سمجھا اورتجارت کی غرض سے ہندؤوں کے کچھ گھرانے شہباز گڑھی سے یہاں آکر آباد ہو گئے ۔انہوں نے گاؤں میں چند دکانیں کھول کرلوگوں کو اشیائے ضرورت مہیا کرنی شروع کیں ۔ اگر چہ یہ اشیائے ضرورہ لوگوں کوشہباز گڑھی کی نسبت مہنگی ملتی تھیں لیکن اُن کو زندگی گزارنے میں آسانی پیدا ہوگئی ۔ جس سے یہاں کےلوگ بہت خوش ہوئے اورانہوں نے بخوشی ان مہاجر ہندؤوں گھرانوں کا اپنے ہاں رہنا قبول کیا۔ زندگی گزارنے کے لیے جب ضروریات زندگی کٹہ خٹ میں مقامی طور پرملنی شروع ہوگئی ،تو پھران ضروریات کی تلاش میں اردگرد کے علاقوں سے بھی لوگ نقل مکانی کرکے کٹہ خٹ میں آباد ہونا شروع ہو گئے ۔

موضع کٹہ خٹ کی یہ حالت محمود غزنوی کی ہندوستان آمد تک رہی۔ جب 1001ء میں محمودغزنوی افغانستان کی حدود سے نکل کر ہندوستان پرحملہ کرنے کے لئے آیا تو اُس وقت مردان اورصوابی کے سارے علاقوں پر بریا برہمن خاندان کے راجہ جے پال کی حکومت تھی ۔ اُس کی رعایا زیادہ تر ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ کیونکہ ابھی اسلام کی روشنی انہی علاقوں تک نہیں پہنچی تھی۔محمودغزنوی سے شکست کھانے کے بعد راجہ جے پال نے اپنے آپ کو چتا میں جلا کر خودکشی کرلی اوراس کا بیٹا انند پال دریائے سندھ کے پار مشرق کی طرف بھاگ گیا اوراس طرح وادی پشاور کے ساتھ مردان اورصوابی کا سارا علاقہ محمودغزنوی کے قبضے میں آ گیا۔

محمودغزنوی نے جب مردان کے سارے علاقوں سے ہندوؤں کو بے دخل کیا تو اُس کے ساتھ افغانستان سے جو دلازاک قبیلہ کے لوگ اور سادات آئے تھے وہ ان تمام علاقوں پرقابض ہوگئے ۔اس دوران شہباز گڑھی سے جو ہندو بے دخل ہو گئے ،تو اُن کے مختلف گھرانے سر چھپانے کے لئے دور دراز کے علاقوں کا رخ کرنے لگے۔اُن میں بہت سے لوگ کٹہ خٹ میں بھی وارد ہو گئے اور یہاں پر کٹہ گوجر کی اولاد اوردوسرے ہندؤوں کے ساتھ

رہائش پذیر ہو گئے۔جس کی وجہ سے کٹہ خٹ کی آبادی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ہندوؤں میں زیادہ تر لوگ تجارت سے منسلک ہو گئے جبکہ دوسرے لوگ مال مویشی پالنے اور تھوڑا بہت زمیندارہ کا کام کرنے لگ گئے۔

محمد غزنوی کے آمد کے بعد جب ہندوستان میں اسلام کی روشنی پھیل گئی ور مسلمان مبلغ تمام علاقوں میں پھیل کر لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دینے لگے،تو اس سے مقامی لوگ اسلام کے زرین اُصولوں امن ،استحکام ،رواداری اور مل جل کر بھائیوں کی طرح رہنے سے باخبر ہو گئے۔اسی وجہ سے مردان کے دوسرے علاقوں کی طرح کٹہ خٹ کے باشندوں کی اکثریت بھی مشرف با اسلام ہو گئی۔جبکہ کچھ لوگ اپنے پرانے ہندو مذہب پر قائم رہے۔تاہم تمام لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر محبت سے رہتے تھے۔کٹہ خٹ کی یہی حالت پندرھویں صدی عیسوی میں یوسف زئیوں کی آمد تک رہی۔

باب 3

جدید تاریخ

یوسف زئیوں کی آمد:

یوسف زئیوں کے متعلق مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ پندرھویں صدی عیسوی میں افغانستان کے بادشاہ اُلغ بیگ کے ہاتھوں پریشان ہوکر اپنے وطن کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوئے اور کابل کے نواح سے بے سروسامانی کی حالت میں پشاور آ گئے۔

مؤرخین کے مطابق یوسف زئی قبیلہ کے لوگ تیرھویں صدی عیسوی کے آواخر یا چودھویں صدی کے شروع میں دشت لوط کے قریب گارا اور نوشکی کے علاقہ میں مقیم تھے۔جیسا کہ انگریز انفسٹن نے ''کنگڈم کابل مطبوعہ 1842ء'' میں وضاحت کی ہے۔اس کے علاوہ گزیٹر ژوب 1907ء میں لکھا ہے کہ مشہور انگریز سر ہنری مک مومن کسی وقت افغانستان میں علاقہ گستوئی میں سفر کرنے کے دوران ایک مقام پر پہنچا تو اسے وہاں ایک ایسے کیمپ کے نشانات ملے جو کافی وسیع تھا اور جس کے چاروں طرف کچی دیوار تھی۔اس نے اس کیمپ کے متعلق مقامی لوگوں سے پوچھا تو گو کہ وہاں کے لوگ یوسف زئی قبیلہ سے واقف نہ تھے، لیکن پھر بھی انہوں نے روایت بیان کی کہ ہم اپنے بڑوں سے سنتے چلے آرہے ہیں کہ اس کیمپ میں کسی زمانے میں یوسف زئی نامی قبیلہ ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ (گزیٹر ژوب ۱۹۰۷،ص ۳۴۶)

کچھ عرصہ بعد یہ لوگ کابل کے گردونواح میں آباد ہو گئے چونکہ قبیلہ یوسف زئی کے ساتھ قبیلہ گدون بھی وہاں ڈیرے جمائے ہوئے تھا۔لہٰذا ان دونوں قبیلوں کی نقل مکانی اور بود و باش ایک ساتھ رہی۔ ہر دو قبیلوں کا دعویٰ ہے کہ اُن کی آمد افغانستان کے ''غوڑہ مرغی'' نامی جگہ سے ہوئی۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں قافلہ یوسف زئی پٹھان جلد اول)

بہر حال بابر بادشاہ کے چچا مرزا اُلغ بیگ کو تخت نشینی میں اس قوم نے مدد دی اوران

کی اعانت سے اس نے مسند کابل پر استقلال پایا۔لیکن جب مرزا اُلغ بیگ کو یوسف زئیوں سے خطرہ محسوس ہونے لگا،تو اس نے گگیانی قوم سے ساز باز کر کے سینکڑوں مشران یوسف زئی کو کھانے کی دعوت کے بہانے بلا کر قتل کر دیا۔ایک ایک کر کے سب قتل کر دیئے گئے صرف ایک نوجوان ملک احمد خان کسی نہ کسی طرح اس سازش سے بچ نکلا جو بعد میں اس قبیلے کا نامور سردار اور ایک قابل وذی استعداد قائد ثابت ہوا۔ملک احمد خان اپنے قبیلے کو لے کر پشاور وارد ہوا اور رفتہ رفتہ قوت پکڑنے کے بعد وادی پشاور ،مردان ،صوابی اور سوات کے علاقوں پر قبضہ جما لیا۔

قبیلہ یوسف زئی کی پشاور آمد:

مرزا اُلغ بیگ کے ہاتھوں دھوکے سے یوسف زئی مشاہیر کے قتل عام کے بعد یہ قبیلہ کسمپرسی کی حالت میں کابل کے نواح سے 1500ء کے لگ بھگ خیبر کے راستے وادی پشاور میں داخل ہوا۔پشاور میں اُس وقت دو قبیلے آباد تھے،دلازاک اور شلمانی۔تاہم اکثریت کی بناء پر اقتدار دلازاک کے پاس تھا۔اس لیے انہوں نے دلازاک سے رہنے کے لیے جگہ مانگی۔دلازاک نے سخاوت اور فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پختون بھائیوں کو بخوشی بود و باش کے لیے دوابہ کا علاقہ دے دیا اور وہاں سے اپنے ہی قبیلے کے لوگوں کو دوسری جگہوں پر منتقل کر دیا۔اس طرح یوسف زئیوں کو رہنے کے لیے ایک زرخیز علاقہ مل گیا اور وہ خوشی خوشی وہاں رہنے لگے۔

یوسف زئی کا چارسدہ اور مردان کے علاقوں پر قبضہ:

چونکہ دوآبہ سے مشرق کی طرف متصل علاقہ چارسدہ کا تھا جہاں پر شلمانی قوم آباد تھی،اس لئے کچھ وقت کے بعد دونوں طرف کے زمینداروں کے درمیان کشمکش شروع ہوئی۔ پہلے یہ کشمکش مقامی لوگوں کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپوں تک محدود رہی،مگر بعد میں یہ کشمکش

دونوں قبیلوں کے اکابرین تک پہنچ گئی۔جس کی وجہ سے دونوں طرف سے تلواریں نکل آئیں اور بات میدان جنگ میں جوہر دکھانے تک پہنچ گئی۔ دونوں قبیلوں کے اکابرین اپنے اپنے قبیلے کا لشکر لے میدان جنگ پہنچ گئے اور دونوں قبیلوں کے درمیان ایک خونریز جنگ لڑی گئی۔ دونوں طرف کے شہسواروں نے میدانِ جنگ میں خوب دادشجاعت دی۔شلمانی چونکہ بہادر ضرور تھے،لیکن یوسف زئیوں کی طرح جنگجواور ماہر نہ تھےاور دوسری بات یہ کہ یوسف زئی تعداد میں بھی زیادہ تھے۔جب ان دونوں کے مابین لڑائی ہوئی تو ملک خالوشلمانی جوکہ ایک بہادر جنگجوسردارتھا،نے بڑی بہادری سے شلمانیوں کو یوسف زئیوں سے لڑایا اورقریب تھا کہ شلمانی فتح حاصل کر لیتے لیکن جونہی ملک خالو مارا گیا،جنگ کا پانسا پلٹااورشکست شلمانی قوم کی مقدر میں آئی۔مختصر یہ کہ یوسف زئی فاتح بن کر اس پورے علاقے پر قابض ہوئے اور شلمانیوں کا مالاکنڈ کی پہاڑی تک پیچھا کیا۔شلمانی مقابلہ ہارنے کے بعد مالاکنڈ پار کر کے علاقہ سوات میں داخل ہوگئے اور وہاں پرانہوں نے والی سوات سلطان اویس سے جائے پناہ مانگی تو اُس نے انہیں علاقہ الہ ڈھنڈ دے دیا۔

شلمانی قبیلہ کے ہشت نگراورضلع مردان کے میدانی علاقوں سے اخراج کے بعد پورے ہشت نگر،ضلع مردان کی موجودہ تحصیل تخت بھائی اور تحصیل کاٹلنگ اور مالاکنڈ کی تحصل درگئی پر یوسف زئیوں کا قبضہ ہوگیا،جبکہ مردان کے باقی علاقوں اورصوابی پرابھی دلازاک قوم کا قبضہ تھا۔

ہشت نگر سے شلمانی قبیلہ کے اخراج کے بعد یوسف زئی وہاں آکرخودآبادہوئے اوراپنی ذیلی شاخوں کے ناموں سے اس علاقے کے مقامات کے نام رکھ دیئے اوراتمان زئی، عمرزئی،رزڑ،ترنگزئی،تنگی،چارسدہ،آبازئی،پڑانگ وغیرہ مقامات آبادکئے۔اورجب یہاں قیام کے بعدان کی طاقت بڑھی تو پھرانہوں نے مزید علاقہ حاصل کرنے کیے لیے تگ ودو شروع کردی۔یہاں یہ بات یادرہے کہ عام مشہور ہے کہ ہشت نگر کوآٹھ بستیوں چارسدہ،

پڑانگ، تنگی، شیرپاؤ، عمرزئی، ترنگ زئی، عثمان زئی، اورراجوڑ) کی وجہ سے ہشت نگر کہا جاتا ہے لیکن گندھارا دور کے محقق ولی اللہ خان کا کہنا ہے کہ یہ اصل میں سنسکرت زبان کے ہستیک یانا سے ماخوذ ہے جو دوسو قبل مسیح میں اس علاقے کا حکمران تھا۔ ولی اللہ خان، گندھارا، ص ۴۴)

یوسف زئیوں کا مردان اور صوابی کے تمام علاقوں پر قبضہ

کئی سالوں تک دلازاک اور یوسف زئی ایک دوسرے کے ساتھ امن اور سکون سے رہے، لیکن پھر رفتہ رفتہ ان میں ناچاقیاں پیدا ہوئیں اور دونوں قبیلوں کے درمیان اکا دکا جھڑپیں ہونے لگیں۔ جب حالات انتہائی کشیدہ ہو گئے اور اصلاح کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی اور بات جنگ وجدل تک پہنچ گئی، تو یوسف زئیوں کو فکر لاحق ہوئی کیونکہ دلازاک ایک زورآور اور جنگجو قبیلہ تھا اور یوسف زئیوں کی تعداد اتنی نہ تھی کہ وہ دلازاک جیسے بڑے قبیلے سے نبردآزما ہوسکے۔ اس لیے یوسف زئی سردار ملک احمد خان نے افغانستان میں مقیم اپنے ہمنوا قبائل یعنی گدون، محمد زئی، اتمان خیل، خلیل، گگیانی، ترکلانی وغیرہ قبائل سے مدد کی اپیل کی۔ جس پر ان سب قبائل نے لبیک کہا اور تمام کا مشترکہ لشکر افغانستان سے آکر یوسف زئیوں سے مل گیا۔

دوسری طرف دلازاک لنگر کوٹ میں اپنی جمیعت کے ساتھ تیاری کرنے میں مصروف تھے۔ سال 1523ء میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا کاٹلنگ کے قریب گدر کے مقام پر ہوا۔ جس میں دلازاک لشکر کی تعداد دولاکھ کے لگ بھگ تھی اور یوسف زئی اور ہمنوا قبائل کی تعداد ڈیڑھ سے پونے دولاکھ کے برابر تھی۔ دونوں لشکروں میں خون آشام لڑائی ہوئی جس میں ہزاروں آدمی مارے گئے، شام تک کوئی نہیں جانتا تھا کہ کس کا پلڑا بھاری ہے۔ جب تک دلازاک کا سردار زنگی زندہ تھا تب تک دلازاک جوانمردی سے لڑتے رہے لیکن جونہی شام کے وقت وہ مارا گیا تو جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور دلازاک میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ یوسف زئیوں نے دریائے سندھ تک ان کا پیچھا کیا اور انہیں دریائے سندھ پار مشرق میں

ہزارہ کی طرف دھکیل دیا۔اس طرح پشاور، مردان،صوابی اور چارسدہ یوسف زئیوں کے ہاتھ آ گیا۔ (منشی گو پال داس،تاریخ پشاور،ص۲۳۴۔ ۲۴۵)

تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں روشن خان کی کتاب ''یوسف زئی قوم کی سرگزشت''، اللہ بخش یوسفی کی کتاب ''تاریخ یوسف زئی افغان''،شیر محمد کی کتاب '' تاریخ پشتون''، منشی گو پال داس کی کتاب ''تاریخ پشاور''،غنی خان کی کتاب ''پٹھان''اور بہادر شاہ کا کاخیل کی کتاب''تاریخ پشتون''۔

یوسف زئیوں کا پہلا بندوبست

جب یوسف زئیوں کو جنگ وجدل سے قدرے آرام ملی اور پختونخواہ کا یہ سارا علاقہ ان کے قبضے میں آگیا تب یوسف زئیوں کے سردار ملک احمد خان نے اپنی فراست سے کام لیتے ہوئے علاقوں کی تقسیم کو ضروری سمجھا کیونکہ اس سے باہمی اختلافات پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔چنانچہ کاٹلنگ کی جنگ کے بعدخخی (خشی) کی ساری قوم کاٹلنگ میں زمین کی تقسیم کے لئے جمع ہوگئی۔ملک احمد خان کو تقسیم کے اس کام میں اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ کیسے مختلف قبائل کے درمیان مستقل علاقے تقسیم کئے جائیں۔تو قدرت نے شیخ ملی کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔شیخ ملی بچپن سے ملک احمد خان کا شریک کار یار فیق سفر رہا اور اس وقت سے جب افغانستان میں الغ بیگ نے یوسف زئی سرداروں کا قتل عام کیا تھا یہ دونوں پہلو بہ پہلو اپنی قوم کی اصلاح و بہبود کیلئے ہمہ تن مصروف رہے۔ملک احمد خان کو قبیلہ میں سرداری حاصل تھی تو شیخ ملی اس کے بہترین مشیر یا صلاح کار تھے

شیخ ملی بابا بن پیرک اکازئی نہ صرف دانا اور ہوشیار تھا بلکہ ایک دیندار، منصف اور متقی انسان بھی تھا تبھی تو شیخ جیسے معزز لقب سے متصف تھا۔شیخ ملی نے جب مقبوضہ علاقہ پر نگاہ ڈالی اور جانچ پڑتال کی تو نہایت عقلمندی سے کام لیتے ہوئے اس پورے صوبے کو جس سلیقہ

مندی سے تقسیم کر کے سب کو خوش کر دیا۔یقیناً وہ تاریخ کا ایک نا قابل فراموش باب ہے۔ کیونکہ یہ کوئی مختصر علاقہ نہیں تھا بلکہ مہمندوں کی پہاڑیوں سے شروع ہو کر حال کے پشاور،نوشہرہ ،چارسدہ ،مردان ،صوابی ،سوات ،دیر، بونیر ،باجوڑ وغیرہ علاقوں تک کا ایک وسیع ملک تھا۔جس کو اس زمانے میں جبکہ کوئی خاص وسائل بھی نہیں تھے اور دوسری طرف کئی ایک قبائل بھی تھے جن میں برابر زمین تقسیم کرنا ایک مشکل کام تھا۔

شیخ ملی نے کسی قسم کی زور زبردستی کرنے کے بجائے مصلحت سے کام لیا اور ہر قبیلہ کے مشران کے ساتھ گفت وشنید کر کے انہیں قائل کر دیا کہ وہ واقعی اس جگہ رہنا پسند کرتے ہیں تبھی فیصلہ سنایا کہ فلاں جگہ اس قبیلے کے لئے مختص ہوئی اور فلاں حصہ اس قبیلے کو مل گیا۔اس سلسلے میں یہ بات طے پائی کہ جو قبیلہ جہاں کہیں بھی ہو وہی پر مقیم رہے۔

ملک احمد خان نے تقسیم میں سب سے پہلے کابل سے آئے ہوئے لشکر پر توجہ دی اور اس کے بعد مما لک کی تقسیم شروع ہوگئی محمد زئی کو ان کی درخوست پر ہشت نگر کا علاقہ دیا گیا اور ملک احمد خان نے ان سے کہا کہ آپ لوگ اپنے آپ کو خخی (خشی) کا چھوتا فرزند سمجھو اور خخی (خشی) کے ہر اچھے برے میں شریک رہو انہوں نے جواب میں کہا کہ خان صاحب ہم آپ کے غلام ہیں آپ کا حکم جو ہوگا ہم اس کی تعمیل کرینگے اور آپ کے دائرہ اطاعت سے کبھی باہر قدم نہیں نکالیں گے

گیگیانیوں نے درخواست کی کہ چونکہ اب موسیٰ زئی بھی کابل سے آ گئے ہیں اس لئے دوآبہ کے علاوہ ہمیں کچھ اور علاقہ بھی عنایت فرمائیں چنانچہ ان کو دوابہ کے علاوہ نصف باجوڑ یعنی دانشکول سے عنبر، لاشوڑے تک اور نواگئی سے چار منگ تک کا علاقہ دیا گیا جس پر وہ بہت خوش ہوگئے اور خان صاحب کا شکریہ ادا کر دیا

اس کے بعد دوسرے اقوام مثلا اتمان خیل ،گدون ،مشوانی ، ماہیار ، تخار ، روانڑی ، کانسی وغیرہ میں ہر ایک کو اس کے مناسب حال مما لک (علاقے) عطا کر کے سب کو راضی کیا

ہرکوئی اپنا اپنا حصہ پا کر خوش ہوگیا ہر کسی نے دعائے خیر کی اور اس طرح سب رخصت ہو گئے۔

اس کے بعد شیخ ملی نے بقیہ ممالک (علاقے) دیر، باجوڑ، بابقرہ سے جندول اور پنجکوڑہ تک اور سارا سوات اور بونیر، چملہ سے تنول تک، اور سارا سمہ نوشہرہ اور سرخ وڑئی، دریائے لنڈا کے کنارے تک اور دریائے سندھ کا پورا ساحلی علاقہ یوسف زئی اور مندڑ میں تقسیم کر دیا زمین کی یہ تقسیم 1523ء میں جنگ کاٹلنگ کے فورا بعد کر دی گئی اس کے بعد یوسف زئی کے گھرانے گھرانے کی تقسیم ہوگئی۔ دراصل اسی انتظام کو شیخ ملی کے دفتر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس میں زمین کی تقسیم اور حصے بخرے کا حساب خانہ دار ہوتا تھا اور ہر کسی کو اس کے پدری حق کے مطابق حصہ دیا جاتا تھا یہ تقسیم اتنی صحیح، بے نقص، منصفانہ اور مساویانہ تھی کہ ابھی تک اس میں کوئی غلطی پیدا نہیں ہوئی اور ہر کسی کو اپنے جدی دفتر کا حصہ دیا گیا ہے دفتر کے تقسیم کے اسی طریقہ کار کو ویش یعنی حصہ بخرہ کہا جاتا تھا۔

ملک احمد خان کی وفات

ملک احمد خان نے چھیاسٹھ (66) سال تک قوم کی قیادت کا فریضہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا جنگ کاٹلنگ میں دلہ زاک کو شکست دینے اور انہیں دریائے سندھ کے پار ہزارہ کی طرف بھگانے کے بعد ملک احمد خان کی ریاست کا سلسلہ بڑھتا گیا اور دن دُگنی رات چوگنی ترقی کرتا رہا۔ تمام خخی (خشی) بلکہ سارا افغان اس کا مطیع و فرمان بردار ہو گیا اور اس کی ملک گیری کے غلغلے اطراف عالم میں پھیل گئے۔ اس کے مفتوحہ و مقبوضہ علاقے دوابہ، ہشت نگر، باجوڑ، دانشکول سے عنبر، لاشوڑے تک اور نواگئی سے چارمنگ تک، سارا دیر، بابقرے سے جندول اور پنجکوڑ تک، سارا سوات، بونیر، چملہ سے تینول تک، اور سارا سمہ، نوشہرہ، سرخ وڑئی، دریائے لنڈا کے کنارے تک اور دریائے سندھ کا پورا ساحلی علاقہ تھے اور وہ یوسف زئی کے ساتھ ساتھ گیگیانیوں، محمد زئی، اتمان خیل، گدون، مشوانی، ماہیار، تنخار،

روانڑی، کانسی اور دوسرے متعدد اقوام کا بھی سردار بن چکا تھا۔

ملک احمد خان نے جنگ کاٹلنگ کے بارہ سال بعد 1535ء میں اسی سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنی حیاتِ مستعار جان آفرین کے سپرد کرتے ہوئے اس دار بے مدار سے عالم پائیدار کو انتقال کیا اور سوات میں اللہ ڈھنڈ ڈھیری اور موضع تھانہ کے درمیان شاہرہ کے متصل مدفون ہوئے۔اس کے انتقال پر سارے یوسف زئی بلکہ سارے خخی (خشی) میں گاؤں گاؤں اور گھر گھر صف ماتم بچ گیا تھا اس کے غم میں ہر کوئی اشک بار اور ماتم کناں تھا اس جیسا عالی شان اور ممالک گیر شخص اس کے بعد سارے افغان میں کوئی دوسرا پیدا نہ ہوا صرف خان گجو کا نام لیا جا سکتا ہے۔

ملک خان گجو یوسف زئی (۱۵۳۵ء تا ۱۵۶۰ء)

خان گجو 1485ء کو مندڑ یوسف زئی کے ذیلی شاخ بہزاد خیل سدوزئی کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کی پیدائش کے وقت تمام خخی (خشی) قبائل قندہار کے جنوب کی طرف دریائے خاشی اور نیشکے میں آباد تھے جس کا مرکزی مقام گاڑکے (گڑکویہ) تھا آپ کے والد کا نام ملک قرہ خان اور دادا بہزاد خان سدوزئی مندڑ تھا خان گجو بڑے باہمت اور عقل مند واقع ہوئے تھے۔بچپن ہی سے بزرگی کے آثار ان کی پیشانی میں ظاہر تھے۔وہ یوسف زئی کے تمام قبائل میں قوت اور شوکت کے لحاظ سے بھی سب پر فائق تھے ملک احمد خان، شیخ ملی اور خخی کے دوسرے سردار اس کا جوانی میں بے حد احترام کرتے تھے اور اس سے مشورہ کئے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

خان گجو نہایت ہی دلیر اور بہادر تھے وہ ملک احمد خان کے وقت میں یوسف زئی کے ہراول دستے کے سالار تھے اور ملک احمد خان کی سربراہی میں جنگ تھانہ، جنگ کاٹلنگ اور دیگر بے شمار مہموں میں حصہ لے چکے تھے اور ہر جگہ بہادری کی نئی تاریخ رقم کر چکے تھے۔جنگ کے

وقت وہ دشمن پر ایک طرفہ شناسی، ہیجان انگیزی اور تادیب وتعزیر کے ساتھ حملہ آور ہوکر دور تک اُن کی صفوں میں اندر گھس جاتے تھے اور اپنی راہ میں حائل ہونے والے بڑے بڑے فرعونوں کو زیر کرنے اور دشمن کے ستارہ جان کو شکستہ سیاروں میں بدل دینے کا عزم لئے ہوتے تھے اور دشمن کے لشکریوں پر وحشت کی چنگاریاں پھیلا کر انہیں زخموں کی قبا پہناتے تھے

ملک احمد خان کی وفات کے بعد 1535ء میں متفقہ طور پر یوسف زئی کے سردار بنا دیئے گئے اور قوم کی طرف سے خانِ خانان کا لقب دیا گیا اور تمام اہالیان پختون خواہ ان کے مطیع ہوگئے خان گجو اپنی سرداری کے وقت صوابی کے علاقہ منارہ میں رہتے تھے اور وہی پر مجلس مشاورت طلب کرتے تھے۔

خان گجو کی اولاد اس وقت سلیم خان اور کلابٹ میں آباد ہیں۔ خان گجو کی قیادت میں یوسف زئی کافی مستحکم ہوئے۔ جنگ کاٹلنگ کے بعد گرچہ دلازاکوں کی طاقت ٹوٹ چکی تھی، لیکن پھر بھی وہ مخالفت پر ڈٹے رہے اور ایک عرصہ تک یہ کشمکش جاری رہی۔ دلازاک ہمت سے کام لے کر اپنی کھوئی ہوئی طاقت واپس لینے کے درپے تھے۔ اسی مقصد کے لئے انہوں نے ایک بار شہباز گڑھی میں یوسف زئیوں سے جنگ لڑی جس میں ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کے بعد انہوں نے شاہ منصور کے قریب سنتا ور کے مقام پر جہاں آج کل شاہ منصور ٹاؤن ہے آخری بار لڑنے کی ٹھان لی۔ لیکن اس بار بھی انہیں شکست کھانی پڑی۔ کیونکہ اب یوسف زئیوں کا اقتدار خان گجو کے ہاتھ میں تھا جو کہ ایک بے مثل جنگجو تھا۔

خان گجو کی سرداری کے دوران یوسف زئی کی تسلط میں بے حد اضافہ ہوا۔ رعیت اور لشکر بھی ملک احمد خان کے وقت سے زیادہ ہوگیا۔ بعض مہمات میں خان گجو نے یوسف زئی، گیگیانی، محمد زئی، ترکلانی، اور اپنے توابع میں سے ارمان خیل، گدون، کنخار، ماہیار، گبری، ماندوری، بڑیچ، وردگ، روانڑی، کانسی، سرکانڑی، ابدال، ترین، مشوانی، کاکڑ، پنی، تورانی، روغانی، خٹک، اور دہقان اقوام، سواتی، متراوی، اعوان اور گجر وغیرہ سے تقریباً ایک لاکھ

چالیس ہزار سے زیادہ لشکر اکٹھا کیا۔ یہ تعداد ہزارہ کے دلہ زاک، تربیلہ اور حسن ابدال وغیرہ کے لوگوں کے علاوہ ہے۔ اگر ان کو بھی بلایا جاتا تو وہ بھی ضرور شریک ہوتے تو مزید اضافہ ہوتا۔ مؤرخین کے مطابق خان گجو کے زمانے میں یوسف زئی کی تعداد نو لاکھ تھی۔

خان گجو کے ممالک متصرفہ اور حالات زندگی

خان گجو بہت نڈر اور دلیر انسان تھے۔ اُس نے نہ صرف اپنے ملک کی حدود کی حفاظت احسن طریقے سے کی بلکہ پشاور کی طرف جمرود تک کا علاقہ شیخ تپور کی جنگ میں غوریا خیل (خلیل، مہمند اور داؤ دزئی) کو شکست دیکر فتح کر لیا اس کے علاوہ اپنے تمام لشکر کے ساتھ پشاور آ کر قلعہ بالا حصار کا محاصرہ کیا اور اسے ہمایون کی فوج سے خالی کرایا۔ ودسری بار دریائے سندھ کو عبور کر کے بھنڈہ اور گھیپ وغیرہ علاقوں کو تاراج کرنے کے بعد بہت سے مال غنیمت کے ساتھ واپس آ گئے۔ تیسری بار پھر خی کے تمام افواج کو جمع کر کے دریائے سندھ عبور کیا۔ اور چھچھ، ہزارہ، کرلغ، مانگڑاؤ اور مضافات کو فتح کرنے کے بعد دم توڑ اور پکھلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں سلطان عیاث الدین تیرک نے اطاعت قبول کر لی۔ جس کے بعد گھگھڑ کے سلطان آدم نے بھی ان کی آمد پر اطاعت قبول کر لی۔

خان گجو اور شیر شاہ ہم عصر حکمران تھے۔ جب شیر شاہ سوری نے خان گجو کو ہمایون کی گرفتاری کے لئے پیغام بھیجا تو اس کے جواب میں خان گجو نے یہ کہہ دیا کہ آپ اور ہم ایک پختون ہیں اور آپ کا دشمن ہمارا دوست نہیں ہوسکتا اس لئے وہ ہمارے علاقے میں داخل نہیں ہوسکتا۔ خان گجو نے یوسف زئی قائدین کے مشورہ سے بابر کی چہیتی بی بی مبارکہ جو شاہ منصور کی بیٹی تھی، کی بھی یہی خواہش ٹھکرادی اور کہا کہ ہمایون ایک مغل زادہ ہے اور مغل کبھی بھی پختون کا دوست نہیں ہوسکتا اور نہ ہی پختون مغل کا دوست ہوسکتا ہے۔ ہمایون کے بھاگنے کے بعد شیر شاہ سوری نے بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس وقت شیر شاہ سوری خوشاب میں خیمہ زن تھا۔

1541ء میں خان گجو دیگر یوسف زئی مشران ملک سرابدال، اور ملک بارہ خان کی معیت میں شیر شاہ سے ملنے اور مبارک باد دینے کے لئے گیا۔ دو دن تک شیر شاہ سوری کے ساتھ قیام کرنے کے بعد انہیں انتہائی عزت اور احترام کے ساتھ پڑاؤ سے رخصت کیا اور ہیبت خان نامی جرنیل کئی میل تک آپ کو چھوڑنے گیا۔

خان گجو ایک انصاف پسند حکمران اور عالم دین تھے اپنے رعایا کے ساتھ ہمیشہ انصاف سے کام لیتے تھے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا اور نہ ہی کسی کی حق تلفی کی۔ خان گجو کے انصاف پر مبنی فیصلوں کا پورے ہندوستان اور خراسان میں چرچا تھا۔

خان گجو نے سارا علاقہ سمہ تا ہشت نگر تا دریائے سندھ، سارا سوات تا تورwال اور تیرات تا پنجگوڑہ تا نیاگ، سارا بونیر، چملہ تا تنول، سارا ہشت نگر، سارا دوابہ، سارا باجوڑ، ہندوراج کی چوٹی تا اسمار، ناواگئی، کونڑ اور ساری وادئی پشاور کڑپہ تک، خیبر، ننگر ہار، تیراہ، کوہاٹ اور دریائے سندھ کے اس پار سجندہ تا گھیپ، سوہانہ، مارگلہ، گھگھڑ اور پکھلی تک تمام علاقے مسخر کئے تھے۔

ملک خان گجو نے ایک طویل عرصہ تقریبا ۲۵ سال تک بڑے شان سے حکمرانی کی البتہ کمی صرف یہ تھی کہ سکہ اس کے نام کا نہ چلتا تھا اور خطبے میں اس کا نام نہ لیا جاتا تھا۔ آخری عمر میں مذہب کے ساتھ آپ کی وابستگی بہت زیادہ ہو گئی تھی اور زیادہ تر وقت عبادت اور تبلیغ میں گزارتے تھے۔ خان گجو نے اپنی زندگی میں بہت سی تاریخی اور مذہبی کتابیں لکھیں۔ دور دراز کے لوگ آپ سے دعا لینے کے لئے آپ کے دولت خانہ پر تشریف لاتے تھے۔ بڑے بڑے علماء مثلاً ہندوستان کے مشہور عالم دین شیخ علائی اور ان کے استاد عبداللہ بھی آپ کے ہاں آکر آپ کے علم سے مستفید ہوئے۔ وہ بہت خوبصورت اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔

آخری عمر میں آپ نے منارہ سے صوابی آکر صوابی کے علاقے چھتہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں کچھ عرصہ بعد 1560ء میں تقریبا 75 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ خان گجو

کوصوابی اورڈاگئی کے درمیان مٹی کے ایک ٹیلے پر جو گجوانو ڈھیرئی کے نام سے مشہور ہے دفن کیا گیا جو قدیم شیر شاہی روڈ پر برلب سڑک واقع ہے۔خان گجو کی وفات کے بعد یوسف زئیوں نے متفقہ طور پر علیٰ الترتیب علی اصغر المعروف مصری خان، غازی خان، ملک کالو خان اور بہا کو خان کو یکے بعد دیگرے اپنا سربراہ مملکت منتخب کرتے رہے

علی اصغر المعروف ملک مصری خان (۱۵۶۰ تا ۱۵۶۵ء)

خان گجو کے وفات کے بعد یوسف زئیوں نے متفقہ طور پر علی اصغر المعروف مصری خان کو اپنا سربراہ مقرر کیا۔مصری خان کے والد کا نام محمد بن جلال خان تھا۔آپ کا تعلق یوسف زئی کے ذیلی شاخ ملی خیل سالا زئی سے تھا۔آپ کا شمار یوسف زئیوں کے قابل ذکر رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ بہادری میں بھی آپ اپنی مثال آپ تھے خان گجو کی سربراہی میں تمام مہمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور ہر مہم میں بہادری کے نئے نقوش رقم کئے تھے۔ مصری خان کی سرداری کا زمانہ وہ تھا جب ہندوستان میں شیر شاہ سوری افغان کی رکھی ہوئی بنیاد آخری سانسیں لے رہی تھی اور ہمایون دوبارہ تخت ہندوستان حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یوسف زئیوں کی تاریخ کے اس دور میں وہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہے۔ملک مصری نے اپنی ہمت جرأت اور قابلیت سے یوسف زئیوں کو نئے انداز سے منظّم کیا۔ وہ ملکی ترقی کی فکر کرنے لگا۔یوسف زئیوں کے علاقوں کو وسعت دی جانے لگی تو بلا کسی قابل ذکر جنگ وجدل کے یوسف زئے اپنے علاقے سے نکل کر دریائے سندھ کے پار چھچھ اور ہزارہ میں آباد ہونے لگے۔

اس نے قبیلہ کے فلاح و بہبود کے لئے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے۔آپ نے قلیل وقت میں بہت سی اصلاحات کیے آپ نے پختونخواہ کا دارُالخلافہ اباسین پار چھچھ منتقل کیا ملکی سرحدات پر فوجی چھاونیاں تعمیر کرنے کے علاوہ تجارتی منڈیاں اور قلت آب کے پیش نظر جگہ جگہ ذخیرہ ہائے آب کا انتظام کیا اور پانی کے تالاب یا ڈھنڈ تعمیر کرائے۔مثلاً نوگرام کی

جانب جنوب مصری ڈھنڈ اور علاقہ چھچھ میں غرغشتوں کے قریب مصری ڈھنڈ اس وقت بھی دکھائی دے رہے ہیں اس کے علاوہ دوسرے بہت سے ڈھنڈ تھے جواب منہدم ہو چکے ہیں۔

راستوں اور سڑکوں کا منظّم نظام بھی علاقہ یوسف زئی میں اُس دور میں قائم ہوا۔ اس نے سڑکوں کی تعمیر پر خصوصی توجہ دی اُس دور کی مشہور ترین سڑکوں میں سے دو سڑکیں اب بھی موجود ہیں جن میں سے ایک مردان سے نکل کر گڑھی کپورہ، یار حسین، ڈاگئے سے ہوتی ہوئی صوابی جا پہنچتی ہے اور دوسری مردان سے شہباز گڑھی، اسمٰعیلہ، ادینہ، کالو خان، نواں کلی، مانیری اور ٹوپی سے نکل کر اول الذکر سڑک سے جا ملتی ہے۔آپ کا دور امن اور خوشحالی کا دور تھا۔آپ کے دور حکمرانی میں کوئی جنگ نہ ہوئی لیکن عسکری قوت میں زبردست اضافہ کیا۔

یوسف زئیوں کو مختلف حلقوں میں تقسیم کیا جسے وہ اپنے اصطلاح میں تپلہ کہتے تھے جواب بگڑ کر تپہ بن چکا ہے جیسے تپہ بائی زئی، تپہ سالار زئی، تپہ رانی زئی، تپہ رزڑ، تپہ امان زئی وغیرہ وغیرہ۔علاقہ یوسف زئی کی سرحد اس وقت جنوب میں دریائے کابل تک تھی دریا کے دوسری طرف خٹک آباد تھے۔اپنی سرحد کی نشان دہی اور استحکام کے لئے اس نے مصری بانڈہ کی بنیاد رکھی اور اسے ایک فوجی چوکی کی حیثیت سے استعمال کیا اس کے علاوہ ہر طرف سے اپنی سرحدات کی تحفظ کے لئے انہوں نے کئی فوجی چوکیاں قائم کیں۔

مصری خان نے ۱۵۶۵ء میں وفات پائی آپ کا قبر سخا کوٹ کے قدیمی قبرستان میں اپنی قوم کی بے حسی کے سبب گمنامی کی اندھیروں میں عرق موجود ہے۔کسی کو معلوم نہیں کہ اس شکستہ حال قبر میں پختونخواہ کے ایک عظیم بادشاہ ابدی نیند سو رہا ہے اور آج اس قبر پر دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانے والا کوئی نہیں۔

مصری خان کے اقتدار کے آخری دنوں میں اس علاقے میں تحریک روشنائی شروع ہو چکی تھی جس کی وجہ سے قبیلہ یوسف زئی دو گروہوں میں بٹ گیا تھا اس لیے مصری خان کے وفات کے بعد فوری طور پر کوئی متفقہ سربراہ منتخب نہ ہوسکا

تحریک روشنائی

تحریک روشنائی کے قائد بایزید انصاری 1525ء میں اس وقت ہندوستان کے شہر جالندھر میں پیدا ہوئے جب ظہرالدین بابر افغانستان پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے بعد ہندوستان میں اپنی حکومت کی بنیاد مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بایزید انصاری جنہیں بایزید بھی کہا جاتا ہے، کے والدین کانی گرام (وزیرستان) کے رہنے والے تھے۔ان کے والد کا نام عبداللہ تھا وہ نسلاً پختون اور قبیلے کے لحاظ سے ارمڑ تھا جو سڑابنی میں شامل ہے۔ارمڑ کی ذیلی شاخ انصار کی وجہ سے بایزید کو عام طور پر بایزید انصاری لکھا جاتا ہے۔اس کی والدہ کا نام آمنہ بنت حاجی ابوبکر بھی مذکورہ انصاری خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔

بایزید کے والد عبداللہ گھوڑوں کی خرید وفروخت کے سلسلے میں کانی گرام سے ہندوستان چلے گئے،تو اس نے جالندھر ہی میں سکونت اختیار کی۔ بایزید کی پیدائش 1525ء میں جالندھر میں ہوئی۔اس نے جالندھر میں شمسہ نامی عورت سے شادی کی جو پٹھانوں کے لودھی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے شریک حیات کے بطن سے پانچ بیٹے شیخ عمر نورالدین، خیرالدین، کمال الدین،اور جلال الدین المعروف جلالہ پیدا ہوئے۔

بایزید کے والد عبداللہ جالندھر میں ابراہیم لودھی کے قاضی تھے۔والد نے بایزید کو حصول علم کی طرف متوجہ کیا۔جسے اس نے ایک حد تک حاصل بھی کیا،لیکن وہ بچپن ہی سے روحانیت کی طرف مائل تھے۔اس کے والد کی خواہش تھی کہ وہ علوم فقہ وغیرہ میں دسترس حاصل کرتے ہوئے اس کے جانشین کی حیثیت سے عہدہ قضاء پر متمکن نظر آئے،لیکن بایزید کو اپنے وقت کی اکثر علماء کی روش اور طرز زندگی پسند نہ تھی۔خود چونکہ بچپن سے ہی خداترس اور ہمدرد انسان تھے،اس وجہ سے اس طرف متوجہ نہ ہو سکے اس کا باپ چاہتا تھا کہ وہ قاضی بن جائے

لیکن وہ ڈرتا تھا کہ مبادا اس سے ناانصافی ہو جائے یا کسی کی جانبداری کا مرتکب ہو جاؤں اس وجہ سے عہدہ قضا سے فقیری زیادہ پسند تھی۔

بایزید کی تحریک ایک خالص مذہبی تحریک تھی لیکن چونکہ اس تحریک میں تمام قبیلوں کے پٹھان جوق در جوق شامل ہو گئے تھے، اس لئے مغل حکومت کو اس تحریک کی وجہ سے اپنا اقتدار خطرے میں نظر آیا اس وجہ سے مغل حکومت اس تحریک کے خلاف میدان میں آئی لیکن چونکہ یہ ایک مذہبی تحریک تھی اس لئے مذہب کے نام پر اس کی مخالفت شروع کی گئی مغل حکومت نے پہلے پہل اس تحریک کو کچلنے کے لئے مقامی علماء سے کام لیا۔ جن میں سید علی ترمذی المعروف پیر بابا اور اس کے شاگرد اخون درویزہ صاحب قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے مذہب کے نام پر اس تحریک کی مخالفت کی۔ جس کی وجہ سے اس تحریک کو سخت دھکے لگ گئے لیکن لوگوں کے دلوں میں مغلوں کے خلاف جو جذبہ پیدا ہوا تھا وہ کم نہیں کیا جا سکا اور اس طرح یہ تحریک باقاعدہ مغل حکومت مخالف تحریک بن گئی۔ جس کی وجہ سے مغل لشکر نے ان پر یلغاریں شروع کیں اور اس تحریک میں شامل لوگوں کو جگہ جگہ قتل کرنا شروع کیا۔

اس کے علاوہ تحریک میں شامل لوگوں کا دوسرے مقامی لوگوں سے بھی اختلافات پیدا ہو گئے اور معاملہ جنگ وجدل تک پہنچ گیا۔ اس طرح اس تحریک کی وجہ سے اس علاقے کے یوسف زئی دو گرہوں میں تقسیم ہو گئے اور باقاعدہ طریقے سے میدان جنگ میں نکل آئے۔ دونوں گرہوں میں کئی جنگیں لڑی گئیں۔ جو بل آخر اس علاقے سے تحریک روشنائی کے خاتمے کا سبب بنی۔

تحریک رروشنائی ایسی تحریک تھی جسے بایزید انصاری نے شروع کیا تھا، اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں، پھر پوتوں اور پڑپوتوں تک نے اس کو زندہ رکھا اور اس کے لئے عظیم قربانیاں دیں۔ یوسف زئیوں کے علاقے میں تو یہ تحریک بایزید کے بیٹوں کی شہادت کے بعد دم توڑ گئی۔ لیکن اس کے ایک بیٹے جلال الدین المعروف جلالہ نے جو اس علاقے کی

آخری جنگ یعنی جنگ باڑہ میں زندہ گرفتار ہوا تھا اور جو بعد میں اکبر بادشاہ کی قید سے فرار ہوا اور افریدیوں کے علاقے میں پہنچا، تو اس نے وہاں سے اس تحریک کو جاری رکھا اور پھر یہ سلسلہ کئی نسلوں تک جاری رہا۔

یوسف زئیوں کا دوبارہ اتحاد:

تحریک روشنائی کی وجہ سے یوسف زئی آپس میں بٹ چکے تھے، جس کی وجہ سے اُن کا کوئی متفقہ سردار منتخب نہیں ہوا تھا۔ جب یوسف زئیوں کے علاقے میں تحریک روشنائی کا زور ٹوٹ گیا، تو پھر یوسف زئیون کی دوبارہ اتحاد کی کوششیں شروع ہو گئیں۔

یوسف زئیوں میں ایسے مخلص اور باہمت افراد کی کمی نہیں تھی جو اس باہمی جنگ و جدل کے باعث اپنی قوم کی تباہی دیکھ رہے تھے لیکن طرفین کی ہمہ گیر تحریکات کے سامنے بے بس تھے۔ اُن کے لئے سوائے اس کے کہ خاموشی سے موقع و محل کا انتظار کریں اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ انہی افراد میں ملک کالوخان ولد علی خان جو یوسف زئی کے قبیلے رزڑ کی ذیل شاخ مانی زئی سے تھا قابل ذکر ہے واضح ہو کہ اس دوران مصری خان وفات پا چکا تھا اور یوسف زئیوں کا کوئی مشترکہ سردار نہ تھا اور یوسف زئی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں ہو گئے تھے۔

1581ء میں جنگ مینئی اور اُس کے بعد روخان درہ اور باڑہ میں جب تحریک روشنائی کی طاقت ٹوٹ گئی اور اُس وقت کے قائدین بشمول ملا میرو بن سلیمان مندڑ میدان جنگ میں کام آئے اور اس کے بعد مغل لشکر نے یوسف زئیوں کے علاقوں پر یلغار کیا اور تمام علاقے کو تباہ و برباد کیا تو ملک کالوخان نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یوسف زئیوں کو دوبارہ منظّم کرنے کی کوششیں شروع کی۔ اس نے اپنے رفقاء سے مشورہ کیا اور بشمول ایوب بن روسی، بابو بن سیفو را اور میروس بن ملا میرو وغیرہ کا ایک جرگہ مرتب کیا۔ جس نے علاقہ یوسف زئی کا

دورہ شروع کیا۔ جرگہ کے ممبران لوگوں کو اتفاق و اتحاد قائم کرنے کی تعلیم و تلقین کرتے اور لوگوں کو اتفاق کے فوائد اور اختلاف کے سبب تباہی و بربادی کو سامنے رکھ کر اپنی قوم کو سمجھاتے ہے۔ اراکین جرگہ اور ملک کالوخان کی حیثیت چونکہ غیر جانبدارانہ تھی اس لئے مندڑ اور یوسف زئی دونوں قبائل نے اُن کی گفتگو کو بغور سنا۔ ملک کالوخان اور اراکین جرگہ نے اپنی خداد ذہنی قابلیت کی بدولت جلد ہی عوام کو اپنا گردیدہ بنا لیا ملک کالوخان کے مشیروں میں میروس خان کا کردار نہایت ہی اہم تھا وہ نہایت عقل مندی سے اکثر مقامات پر اپنے باپ کے افعال اور عقائد سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیتا رہا اراکین جرگہ نے عوام کو بتایا کہ روشنائی اور غیر روشنائی کا جھگڑا عوام کا نہیں بلکہ علماء کا جھگڑا تھا۔ اس لئے ہمیں مذہبی جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہیے بلکہ ہمیں اپنے اختلافات بھلا کر ایک قوم کی حیثیت سے اتفاق سے زندگی بسر کرنی چاہیے تاکہ بیرونی حملہ آور ہمیں مزید برباد نہ کریں تمام لوگوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور اپنے اپنے اختلافات بھلا کر دوبارہ متحد ہو گئے

1581ء میں جنگ باڑہ کے بعد ایک طرف ملک کالوخان کی سربراہی میں ایک جرگہ نے یوسف زئیوں کے دوبارہ اتحاد کے لیے کوششوں کا اغاز کیا تو دوسری طرف 1581ء میں اکبر اعظم کا اپنے بھائی مرزا عبدالحکیم جو کابل کا حکمران تھا سے رسہ کشی شروع ہوئی۔ یوسف زئیوں نے اس جرگہ ممبران کے ذریعے اس رسہ کشی کو ختم کرنے میں حصہ لیا اور اکبر اعظم کو مرزا عبدالحکیم سے بہتر سلوک کرنے کی سفارش کی۔ جس سے ان دونوں بھائیوں کے تعلقات خوشگور ہو گئے چونکہ اکبر اعظم کو جرگہ ممبران کی مدبرانہ اور حکمت سے بھرپور فصیح باتیں پسند آئیں، اس لیے دہلی واپس جاتے ہوئے وہ جرگہ ممبران میں سے ملک کالوخان کو نوشہرہ تھانے سے اپنے ہمراہ آگرہ لے گئے جہاں اسے بڑی عزت اور احترام سے رکھا آگرہ میں اس کو ہر قسم کی آزادی دی لیکن قبیلہ میں واپس لوٹنے کی اجازت نہ دی اور اس طرح کالوخان کی حیثیت ایک باعزت سیاسی نظر بند کی سی دکھائی دینے لگی ملک کالوخان ان حالات سے

مطمئن نہیں تھے اور موقع پا کر وہاں سے بھاگ نکلے راستہ میں اٹک کے مقام پر اکبر اعظم کے کاردار شمس الدین خان خانی نے پہچان لیا اور دوبارہ گرفتا کر کے واپس آگرہ بھیج دیا۔ اکبر نے دوبارہ حاضر ہونے پر بھی اسے عزت و احترام سے اپنے پاس مقیم رکھا لیکن وہ پھر موقع پا کر بھاگ گیا اور اپنے قبیلہ میں پہنچا

ماثر الامراء اور اقبال نامہ اکبری میں لکھا ہے کہ اکبر نے کالو خان پر نظر عنایت کی۔ اکبر بڑا ذہین و فطین تھا۔ آئین اکبری کے مطابق اکبر بادشاہ، یوسف زئی سردار کالو خان کو اپنے ہمراہ آگرہ لے گیا، جہاں اسے بہت عزت و احترام سے رکھا تاہم اسے واپس جانے کی اجازت نہ تھی۔ جس پر کالو خان وہاں سے بھاگ گیا۔ لیکن اٹک پہنچنے پر بادشاہ اکبر کے ایک عہدہ دار شمس الدین خوانی نے اسے پہچان لیا اور گرفتار کر کے واپس آگرہ بھیجا۔ بادشاہ نے دوبارہ بھی اس کی بڑی خاطر مدارت کی، لیکن کالو خان کو مغل دربار پسند نہ تھا اس لیے پھر وہاں سے فرار اختیار کی اور وطن واپس آ گیا۔

کالو خان کی غیر موجودگی میں قبیلہ نے ملک غازی خان کو اپنا سربراہ مقرر کیا تھا۔ آگرہ سے واپس اپنے قبیلہ میں پہنچنے کے بعد کالو خان نے ملک غازی خان کی سربراہی میں کام شروع کیا اور جب مغلوں کے ساتھ باجوڑ کی جنگ میں ملک غازی خان شہید ہو گیا تو تمام قبیلہ نے سوات دمغار کے مقام پر اکٹھا ہو کر ملک کالو خان کو اپنا سربراہ بنایا اور بطور سربراہ اُس کی دستار بندی کی۔

ملک کالوخان (۱۵۸۶ء سے ۱۶۲۵ء)

کالوخان کوقوم کی قیادت اُس وقت ملی، جب یوسف زئی قوم مغلوں کے ساتھ برسر پیکارتھی۔اس لئے اس نے قوم میں مغلوں کے خلاف جنگ کرنے اور اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے ایک نیا جذبہ پیدا کیا اس کے علاوہ اس کوایسے ساتھی بھی مل گئے جو ہروقت قوم کی خاطرتن من دھن کی بازی لگانے کوتیار تھےان کے رفقاء میں ملک سرگندخان مندڑ، ملک میروس خان مندڑ، ملک محمد عمرخان مندڑ، ملک اصغرخان مندڑ، ملک کریم دادخان مندڑ، ملک اللہ دادخان مندڑ، ملک بوستان خان یوسف زئی، ابراہیم خان یوسف زئی، خاتم علی مندڑ، باباعلی مندڑ، ملک ہندال مندڑ وغیرہ وغیرہ نامی گرامی اشخاص شامل تھے۔

قوم میں مغلوں کے خلاف نیا جذبہ اور ولولہ پیدا کرنے کے بعدسردست کالوخان کو مغلوں کے خلاف ایک بڑے خون ریز جنگ کا سامنا کرنا تھا۔جس کے لئے اُس نے پوری تیاری کر کے اپنے لشکر کومیدان میں اُتارا۔اوراپنے لشکر کوبہترین طریقے سےلڑاتے ہوئے اپنے سے کئی گنا زیادہ مغل لشکرکوشکست پاش دی۔اس تاریخی جنگ میں جوبڑے بڑے مغل سردار یقتل ہوئے،ان میں راجہ بیربل کے علاوہ جنرل حسن خان بیٹنی،خواجہ عریب خان بخشی، کمانڈر جان محمد بخشی، جنرشیخ جنید، کمانڈر ملا عیوری، کمانڈرفرملی، جنرل مرزابہادر، کمانڈرامانُ اللہ بیگ، جنرل سعیدخان، کمانڈرگدا بیگ، جنرل راجہ دھرم کندھ شنکر، کمانڈر ملا شیری، کمانڈرشیخ مہمند شامل ہیں جن کا اکبر بادشاہ کو بہت صدمہ ہوااور بہت زمانہ تک اُن کو یادکر کےافسوس کرتارہا۔

یہ تاریخی جنگ ۲۷ فروری ۱۵۸۶ کولڑی گئی اور معرکہ ملندری کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تاریخی جنگ ۱۵۸۱ء سے جاری جنگ آزادی کا آخری معرکہ تھا۔جس میں مغلوں کو تاریخ کے بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔اور بہادر یوسف زئی قوم کو فتح نصیب ہوئی اور اباسین تک اپنی ریاست کومغلوں سے دوبارہ آزاد کیا جس پر اکبراعظم نے ۱۵۸۱ کواس وقت

قبضہ کیا تھا جب افغان قوم تحریک روشنائی کی وجہ سے اختلافات کا شکار تھے۔

ملک کالوخان کی وفات

ملک کالوخان ولد علی خان ولد مبارک خان یوسف زئی قبیلہ کی ذیلی شاخ مانی زئی سے تعلق رکھتا تھا۔ ۱۵۸۶ء میں مغلوں کو معرکہ ملندری میں شکست دیکر سارے پختونخواہ کو ان کے تسلط سے آزاد کرایا اور بلا شرکت غیرے اس کے سربراہ بن گئے جنگوں سے فراغت کے بعد اس نے علاقے کی ترقی پر توجہ دے دی اس وقت علاقے کے لوگوں کو سب سے بڑا مسئلہ پانی کا تھا جس کو کالوخان نے بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا۔ اس نے ملکی ضروریات کے مطابق ذخیرہ ہائے آب کے سلسلہ میں بہترین انتظامات کئے اور پورے علاقے میں ضروریات کے مطابق پانی جمع کرنے کے لیے تالاب بنائے جو آج اس کے نام سے موسوم ہیں مثلاً کالوخان ڈھنڈ جس کے قریب میں اس نام کی نسبت سے موضع کالوخان آباد ہوا۔ اس قسم کی دوسری ڈھنڈ موضع طوطالئی سے پنجتار کی طرف بدری نالہ کے قریب واقع ہے۔ پھر چنگلئی کے قریب کالو ڈھنڈ، اس کے علاوہ رُستم (علاقہ سدھم) سے جانب مشرق کالو ڈھیرئی، موضع مینئی کے قریب کالوگاہ، چھچھ میں موضع کالو اور جس جگہ وہ خود مدفن ہے وہ کالو ڈھیر کہلاتا ہے۔ کالو ڈھیر موضع ترُ لاندی اور چکنودہ کے سرحد پر واقع ہے۔

ملک کالوخان ایک بہت بڑے مدبر اور دانش مند رہنما تھے سرداری کی خوبیاں اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں اس نے تحریک روشنائی کی وجہ سے منتشر قوم کو ایک دفعہ پھر متحد کیا اور اس قوم کو ناقابل تسخیر بنا دیا اور جو اپنی نا اتفاقی کی وجہ سے ۱۵۸۱ء سے مغلوں کے غلام چلے آرہے تھے کو ۱۵۸۶ء میں آزاد کرایا۔ اس کے دور میں ہی سارے علاقوں میں سڑکوں کا سلسلہ قائم ہوا۔

ملک کالوخان ۱۶۲۵ء تک یوسف زئی قوم کے سربراہ رہے ۱۶۲۵ء میں آپ نے وفات پائی اور موضع ترُ لاندی اور چکنودہ کے سرحد پر واقع کالو ڈھیر کے مقام پر دفن کئے گئے۔

ملک بہاکو خان (۱۶۲۵ء تا ۱۶۷۲ء)

ملک بہاکو خان ۱۶۲۵ء میں ملک کالو خان کی وفات کے بعد یوسف زئی کا متفقہ سربراہ منتخب ہوئے۔آپ کے والد کا نام مامون بن عثمان تھا بہاکو خان کا تعلق خدو خیل مندڑ کی ذیلی شاخ عثمان خیل سے تھا بہاکو خان نہ صرف یوسف زئی بلکہ تمام خخی قبائل کا قائد تھا بہاکو خان کے اقتدار میں تقریبا وہ تمام علاقہ شامل تھا جو خان گجو کے دور میں اس کے زیر اثر تھا یعنی باجوڑ سوات سے لیکر دوابہ، ہشت نگر اور چھچھ ہزارہ تک کا علاقہ شامل تھا ارا کین مملکت میں ظریف خان، حمید خان، کچے خان، کاچو خان، اور حبیب خان اس کے مشیر اور کمانڈر تھے۔

بہاکو خان اور مغلوں کے درمیان لڑائیوں کی تعداد شمار سے باہر ہے پختونخوا کی سرزمین پر لڑی جانے والی ہر جنگ میں بہاکو خان نے یوسف زئی لشکر کی قیادت کی۔آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا اندازہ اس وقت ہوا جب مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر بذات خود افغانوں کی سرکوبی کے لئے حسن ابدال میں خیمہ زن ہوا اور تین اطراف سے علاقہ یوسف زئی پر یلغار کیا۔ایسی حالت میں ایک منظّم شاہی لشکر اور تربیت یافتہ مغل جرنیلوں اور سپاہیوں کے جن کے پاس جدید ولایتی ہتھیاروں کی بہتات، اور ہاتھیوں کی لمبی قطاریں تھیں، کا مقابلہ روایتی قدیمی ہتھیاروں تلواروں، تیروں اور نیزوں سے کرانا بہاکو خان جیسے عظیم بہادر سپہ سالار ہی کا کارنامہ تھا اور ایسی حالت میں جب اورنگ زیب نے تجوریوں کے منہ کھول کر ہوتی، مردان، طورو، گھڑی آمازئی، اسماعیلہ، رزڑ اور سدھم کی کئی خوانین کو خرید کر لڑائی سے باہر کیا جبکہ خٹک قبیلہ تو پہلے ہی مغلوں کی حمایت میں لڑ رہے تھے بہاکو خان کے حوصلے بلند ہمتی اور شجاعت کو سلام کہ ایک قدم بھی لڑائی سے پیچھے نہیں ہٹے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی عزت سے نوازا۔

بہاکو خان تقریباً پچاس سال تک وطن کی آزادی کی خاطر مغلوں اور ان کے چیلوں

خٹک قبیلے کے سربراہان سے لڑتے رہے اور آخر کار بہاکو خان نے ۱۶۷۲ء میں لواڑگی جنگ کے بعد بوجہ بیماری اپنے گھر واقع بی بی ڈھیرئی نزد کوگا چملہ میں داغِ اجل کو لبیک کہا اور بمقام چملہ موضع کنکوئی کے مغرب میں مدفون ہوئے بہاکو خان کے مرنے کے بعد اس کے خاندان سے دربار مغلیہ کے تعلقات استوار ہونے لگے اور اس کا بیٹا زین خان دربارشاہی میں منسلک دکھائی دینے لگا اور پھر پشت در پشت اس کے خاندان کو جاگیریں اور انعامات بھی ملتے رہے۔

بہاکو خان ایک کامیاب سربراہ مملکت یوسف زئی رہے تھے سب لوگ اس کے عہد میں امن وامان سے رہے اور خوشحال تھے بہاکو خان یوسف زئیوں کا آخری سربراہ تھا اُس کی وفات کے بعد کسی سربراہ مملکت کے انتخاب کے بارے میں یوسف زئی متفق نہ ہو سکے گویا یہاں سے زوال شروع ہوا۔

بہاکو خان کی وفات کے بعد یوسف زئیوں میں رفتہ رفتہ انفرادی قیادت کا مرض پیدا ہوا ہر شخص نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علحٰدہ مسجد تعمیر کرنے کی فکر کی۔ وہ لوگ جنہوں نے تاتاریوں کو ڈوما کے علاقے سے نکال باہر کیا تھا اور مغل دربار سے بھی باعزت طریقہ سے نبرد آزما رہے تھے جب اس انفرادیت کی وجہ سے متحد نہ رہ سکے تو دشمن کے ہاتھوں روند ڈالے گئے اور قبیلہ کا وقار بھی اس انفرادیت پر قربان ہو گیا

باب 4 امیر خان (بابائے سودھم)

امیر خان جو تاریخ میں میر بابو کے نام سے مشہور ہے کو بابائے سودھم کا درجہ حاصل ہے۔میر بابو کا دادا عبدالجبار خان بہا کو خان کا ہم عصر تھا اور وہ موضع شہباز گڑھی میں مالکانہ حیثیت سے آباد تھا۔عبدالجبار خان بہا کو خان کی قیادت میں مغلوں کے خلاف یوسف زئیوں کے تمام جنگوں میں بنفس نفیس حصہ لے چکا تھا۔عبدالجبار خان مع اپنے اہل وعیال کے جب مغلوں کے خلاف دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر جنگ میں مصروف تھا،تو اس دوران کابل کا گورنر محمد امین خان جو باجوڑ میں بہا کو خان کے جرنیل حبیب خان سے شکست کھا کر کابل بھاگ گیا تھا اور اس شکست کی وجہ سے محمد امین خان بہت زیادہ غصے میں تھا اس لئے وہ کابل سے لشکر لاکر شھباز گڑھی کے مقام پر وارد ہوا اور اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے اُس نے شہباز گڑھی اور ملحقہ کئی دیہات کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے تمام مال مویشیوں کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ یوسف زئی کے تمام لوگ چونکہ مغلوں کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے جنگ میں مصروف تھے اور گاؤں خالی تھا اس لئے کوئی جانی نقصان نہ ہوا۔

محمد امین خان تو دریائے سندھ کے کنارے سے یوسف زئیوں کے لشکر کے آنے سے پہلے ہی بھاگ گیا۔لیکن گھروں اور فصلوں کی تباہی کی وجہ سے جنگ سے فارغ ہونے کے بعد عبدالجبار خان کا دل شہباز گڑھی میں نہ لگا۔اور اُس نے شہباز گڑھی سے اپنے زمینوں علاقہ سُودھم میں (جو اُن کے خاندان کی جاگیر تھی) موضع حمزہ کوٹ کے قریب پہاڑی کے دامن میں ایک پرفضا مقام پر آباد ہونے کا فیصلہ کرلیا۔

موضع حمزہ کوٹ،حمزہ نامی ایک دلہ زاک خان کی نسبت سے موسوم ہوا تھا۔پرانا گاؤں اصل میں موجودہ گاؤں سے ذرا فاصلے پر گل بارہ میں آباد تھا۔جہاں اب بھی اس کے آثار پائے جاتے ہیں کیونکہ وہاں ایک جگہ سپین جمات سے موسوم ہے اور حال یہ ہے کہ وہاں

کوئی مسجد نہیں ہے۔اس لیے کہا جاتا ہے کہ دلہ زاک کے وقت یہاں پر پرانے گاؤں میں ایک بڑی مسجد موجود تھی جس کا نام سپین جمات تھا۔

کہا جاتا ہے کہ دلہ زاک کے وقت یہ حمزہ کوٹ نامی گاؤں اس علاقے کا سب سے بڑا گاؤں شمار کیا جاتا تھا۔سپین جمات تو نہ رہا، لیکن اس کا نام ضرور تاریخ کا حصہ بن کر رہ گیا ہے۔ یہاں پر ایک مقبرہ طورو مقبرہ کے نام سے بھی موجود تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سوا سو جریب اراضی پر مشتمل مقبرہ تھا۔اب یہ مقبرہ نہیں رہا کیونکہ یہاں اب آبادی ہو چکی ہے۔طورو سے شیخ صلاح الدین المعروف بہ حمزہ کوٹ بابا جی یہاں تشریف لائے اور دین کی خدمت میں لگ گئے۔ ان کا مزار بھی پرانے قبرستان میں ہے ۔حمزہ کوٹ بابا جی کرامت ولی تھے۔یاد رہے کہ وہ اخون پنجو بابا کی اولاد میں سے ہیں۔اس کے علاوہ حمزہ کوٹ کے قبرستان میں امیر خان (میر بابو) اور مبین خان کی قبریں بھی موجود ہیں۔

عبدالجبار خان کے ساتھ اُس کا چھوٹا بھائی دُراب خان بھی آکر رہنے لگا۔ یہاں پر آکر اُس نے اپنے ماتحت زمینداروں اور دوسرے پڑوسیوں کے لیے مکانات تعمیر کیے، جس کی وجہ سے اس جگہ نے ایک چھوٹی سی بستی کی شکل اختیار کر لی، جو بعد میں پرُانا حمزہ کوٹ کے ویران ہونے پر حمزہ کوٹ کے نام سے مشہور ہوگئی۔

امیر خان (میر بابو) کا تعلق یوسف زئی کی ذیلی شاخ آمان زئی سے تھا وہ ہاےےاء کے لگ بھگ علاقہ سودھم کے رئیس عبدالجبار خان کے بیٹے خوشحاب خان کے گھر پیدا ہوا تھا۔

خوشحاب خان کی چار بیویاں تھیں۔جن میں پہلی بیوی کے بطن سے فتح خان، دوسری بیوی سے امیر خان (میر بابو) اور مبین خان، تیسری بیوی سے محمد رحیم اور چوتھی بیوی سے رحیم خان پیدا ہوئے تھے۔

میر بابو نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں حمزہ کوٹ میں حاصل کی۔اس کے ساتھ ساتھ اس نے دینی تعلیم اپنے گاؤں کے مسجد کی معلم سے حاصل کی۔اس کے بعد اُس کے والد نے

اُس کو گھڑ سواری، تیر اندازی اور تیغ زنی کی تربیت دینے کے لیے اتالیق مقرر کیئے۔ جنھوں نے میر بابو کو ان رائج الوقت فنون حرب میں کمال تک پہنچایا۔ میر بابو بچپن ہی سے بڑا دلیر، شجاع اور زیرک انسان تھا۔ اس کے علاوہ وہ قدرتی طور پر بھی بہت سی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ مہمان نوازی کی یہ حالت تھی کہ چوکھٹ پر ہر وقت پانچ سات مہمان موجود ہوتے تھے۔

امیر خان (میر بابو) اپنے قبیلے کی جانب سے منتخب جرگہ دار تھے۔ اُس کی زبان میں بلا کی مٹھاس تھی اور وہ جرگے کے دوران ایسی فصیح زبان میں مدبرانہ باتیں کرتے تھے کہ دشمن بھی اُس کی زبان کی فصاحت اور قابلیت کی داد دیئے بغیر نہ رہتا تھا۔ اُس وقت قبائلی روایات کے مطابق لوگوں کے درمیان تنازعات کو جرگوں کے ذریعے حل کر دیا جاتا تھا۔ اس لئے جس جرگے کی قیادت کے لئے میر بابو دستیاب نہ ہوتے وہ جرگہ اپنے مقصد کے حصول میں اکثر ناکام رہتا تھا۔

امیر خان (میر بابو) کا باپ خوشحاب خان کا شمار بھی قبیلہ امان زئی کے مشہور اور ہر دلعزیز شخصیات میں ہوتا تھا۔ وہ بھی اپنے مزارعین کے علاوہ قبیلہ کے لوگوں کی مفادات کا خیال رکھتا تھا۔ لوگوں کے درمیان تنازعات کو حل کرتا تھا اور اس طرح پورے سودھم کی سطح پر ایک مشہور جرگہ مار تصور ہوتا تھا۔ چونکہ اس کو قبیلے اور علاقے کے دیگر لوگوں کی معاملات نمٹانے کی وجہ سے اپنے زمینوں کی دیکھ بال اور اُن کی پیداواری صلاحیت بڑھانے کا موقع نہ ملتا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کی اکثر زمینیں یا تو بنجر ہوتی تھی یا دوسرے لوگ اُس پر اپنی مرضی کی کھیتی باڑی کرتے تھے۔

فنون حرب میں کمال حاصل کرنے کے بعد خوشحاب خان نے میر بابو کو اپنے جاگیر کا نگراں مقرر کیا۔ اور اُس کو اپنے لئے حفاظتی لشکر کا ایک دستہ تیار کرنے کی اجازت دے دی۔ اجازت ملتے ہی میر بابو نے پہلے علاقے کے مختلف گوشوں سے اپنے حفاظتی دستے کے لئے چیدہ چیدہ سوار اور پیدل بھرتی کیئے۔ اس نے دوسو سے زیادہ مستعد (ACTIVE) اور سو سے

زیادہ محفوظ (RESERVE) سواروں کے ایک لشکر کی فہرست تیار کیا۔ اس کے بعد اُس نے ان کو اپنے تیئں مکمل طور پر مسلح کرنے اور جنگی مشقوں کی چھ ماہ تربیت دی۔ اس طرح ایک سال بعد میر بابو کے ساتھ ہر لحاظ سے ایک مکمل جنگی لشکر موجود تھا۔ لشکر کی تربیت مکمل کرنے کے بعد میر بابو نے سب سے پہلے اپنے جاگیر کو غیر قانونی قابضین سے واگزار کرانے کے مہم کا اغاز کیا۔

قابضین کے ساتھ کشمکش:۔

اپنے لشکر کی تربیت مکمل کرنے اور اُن کو ہر طرح سے کیل کانٹے سے لیس کرنے کے بعد امیر خان نے حمزہ کوٹ سے مغرب میں ساولڈھیر تک آباد قابضین کو بے دخل کرنا چاہا۔

چونکہ یہ قابضین سالہا سالوں سے ان زمینوں پر آباد تھے اور آپس میں ان کی رشتہ داری کے علاوہ ان میں کافی حد تک اتفاق اور اتحاد بھی پیدا ہو چکا تھا۔ ان قابضین میں سکھ، ہندو اور مسلمان سبھی شامل تھے جو اپنے اپنے مفاد کی خاطر بندہ سنگھ کی قیادت میں متحد ہو چکے تھے اور ایک لڑاکو قوم کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ اس لیے امیر خان نے پہلے ان کے سربراہ بندہ سنگھ کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔

قابضین کا سردار بندہ سنگھ اپنے رفقاء کے ساتھ موضع پلوڈھیری میں اپنے حجرے کے ایک کمرے میں صلاح مشورے کے سلسلے میں موجود تھا کہ چوبدار نے امیر خان کے قاصد کے امد کی اطلاع دے دی جب قاصد کو اندر بلایا گیا تو اس نے بلند آواز میں سب کو سلام کہا لیکن اس کے سلام کا کسی نے جواب نہیں دیا

بندہ سنگھ قاصد کو غور سے دیکھتا رہا اور اس کی بے باکی اور اس کی بے خوفی کا بھی جائزہ لیتا رہا پھر اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تم اپنے خان کی طرف سے کیا پیغام لیکر آئے ہو۔

قاصد بے خوفی کے ساتھ اپنی جگہ پر چٹان کی طرح جما رہا تھا اس کے بعد اس کمرے میں اس کی آواز سنائی دی تھی۔

سردار صاحب یہ حقیقت ہے کہ مجھے میرے خان نے تمھاری طرف روانہ کیا ہے۔

سردار صاحب! میرے خان نے مجھے اس پیغام کے ساتھ آپ کے ہاں بھیجا ہے کہ جن زمینوں پر آپ لوگ قابض ہیں یہ میرے خان کی ملکیت ہیں اور آپ لوگوں نے ناجائز طور پر ان زمینوں پر قبضہ کر رکھا ہے اس لیے میرا خان چاہتا ہے کہ ان تمام زمینوں کا یا تو اجارہ ادا کریں یا ان زمینوں کو خالی کریں یا پھر نتائج۔۔۔۔۔۔۔۔۔

قاصد یہیں تک کہنے پایا تھا کہ بیچ میں بندہ سنگھ بول پڑا۔انتہائی غضبنا کی اور غصے میں اس نے قاصد کو مخاطب کیا۔

اگر ہم تمھارے خان کی دونوں شرائط ماننے سے انکار کر دے تب تم کیا انقلاب کھڑا کر لو گے قاصد نے بغور بندہ سنگھ کا جائزہ لیا اس وقت وہ واقعی بڑی غضبنا کی میں تھا اور اس کے ساتھ بیٹھے دوسرے احباب بھی بے پناہ غصے کا اظہار کر رہے تھے۔اس کمرے کا جائزہ لینے کے بعد قاصد کی چھاتی پھر تن گئی تھی۔اور بندہ سنگھ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا۔

سردار صاحب برا وقت جب آتا ہے تو وہ پہلے اطلاع نہیں کرتا۔نہ وہ آواز دے کر آتا ہے سن سردار! برا وقت روسیاہ تقدیر کی طرح اچانک انسان پر نزول کرتا ہے۔اور اپنے رنگ دکھا کے رہتا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد قاصد لمحہ بھر کے لئے رکا دم لیا۔اس کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ پر جوش انداز میں بندہ سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا

سن سردار میرے پیغام کو ہلکا اور کم مایہ خیال نہ کرنا۔سچائی پر رہتے ہوئے میں نے تجھے اپنے خان کا پیغام سنا دیا ہے۔اور سن سچائی قدرت کی پیغامبر ہے۔جبکہ جھوٹ کی مٹی کے گارے سے بنی فصلیں زیادہ دیر پا نہیں ہوتیں۔

یہ بھی خیال مت کرنا کہ جس خان نے تمھیں پیغام بھجوایا ہے۔وہ خیالوں کے انتشار

کی بے یقینی کا شکار ہے۔ اور اس کا پیغام سلگتے لوگوں کے گونگے حروف کی طرح ٹھکرا دیا جائے گا۔ تجھے ایک ایسی قوم کے خان نے سچ کے ننگے حروف کی طرح پیغام بھجوایا ہے۔ جو قوم اس سے پہلے بڑے بڑے معرکوں سے گذر کر ہزاروں خودساختہ فتوحات کا جشن منانے والوں کے اندر کا سفلہ پن دور کر چکی ہے۔

سن سردار سودھم کی یہ نیلی آسمان، یہ صحرا کی بھڑکتی پیاس، دشت کی سلگتی ریت، طغیانی پر آئے دریا، گندم کے سنہری کھیتوں کی خوشبو، اور گمنام ستاروں کی روشنی، اس بات کی گواہ ہے۔ کہ جب بھی قبیلہ یوسف زئی کا کوئی خان موت کی گرد اُڑاتی سُرخ آندھیوں اور ہذیان کی آشفتگی کی طرح اپنے دشمنوں پر وارد ہوا۔ تو اس کی تاریک بدی کے طمع کو اتارتے ہوئے اس کی ایسی گوشمالی اور زبان بندی کی۔ کہ اس کے سامنے ناخوشگوار اور نا قابل برداشت سوالوں کی صلیبیں کھڑی کر دیں۔ جنھیں عبور کرنا کسی دشمن کے بس کی بات نہ تھی۔

سردار یہ زندگی جاوداں، عیش وعشرت اور دائمی عروج ذات وحیات کا نام نہیں ہے۔ زندگی عارضی ہے۔ ہر ایک کو کوچ کر جانا ہے۔ لہٰذا میں تمہیں تنبیہہ کروں گا۔ کہ وقت سے پہلے کوچ کرنے کی تیاریاں شروع نہ کر دو۔ جو کچھ میرے خان نے میرے ہاتھ پیغام بھجوایا ہے۔ اسے آمنّا وصدقنا کہہ کر قبول کر لو اور اس پر عمل کرنے کی حامی بھر لو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے ہو۔ تو پھر اپنے ذہن کے قرطاس پر لکھ رکھو کہ تمھارے انکار کے جواب میں ہمارا خان لہروں کی دست درازیوں، تھکا دینے والے دن، بیمار راتوں، اور روح کے سمندر میں اُٹھتی موجوں کی طرح تم پر نزول کرے گا۔ سن جب وہ تم پر وارد ہوگا۔ تو یاد رکھنا زندگی اور موت اس کی جنبش ابرو سے وابستہ ہو جائیگی۔ تمھاری حیات کو تباہی کے آگ کی سپنوں سے اور تمھاری نیند کو گرم آنکھوں میں آنسوؤں کی سلگاہٹ بھر رکھ دے گی۔

سرادر میں نے جو کچھ کہنا تھا۔ کہہ چکا میں اپنے خان کا پیغام تم تک پہنچا کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکا ہوں۔ اب معاملہ تمھارے ہاتھ میں ہے۔ چاہے تم ہمارے خان کا

کہا مانتے ہوئے اپنے لئے امن اور شانتی کے دروازوں کو کھول دو۔ چاہو تو انکار کرتے ہوئے تباہی اور بربادی کی گھٹاؤں کو اپنی سرزمین کی طرف آنے کی دعوت دو۔

قاصد جب خاموش ہوا۔تو بندہ سنگھ تھوڑی دیر تک کھا جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کمرے میں اس کی آواز گونجی ۔اس نے میر بابو کے قاصد کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

اگر تم قاصد نہ ہوتے تو اب تک میں تمھاری گردن کاٹ دینے کا حکم دے دیتا۔ قاصد کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہوتا ہے،اور تو ایسا شریر انسان لگتا ہے۔کہ پیغام کے ساتھ ساتھ تو میرے لئے دھمکی آمیز الفاظ استعمال کرتا ہے۔سن تیرا خان کوئی ایسا اجیت اور نا قابل تسخیر نہیں کہ وہ ہم سے ہمارے پران اور سانس ہی چھین لے۔تھوڑی دیر باہر جا۔انتظار کر میں اپنے لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد پھر تمھیں اپنے آخری فیصلے سے آگاہ کرتا ہوں۔اس کے ساتھ ہی ملک نے اپنے چوبدار کو اشارہ کیا۔وہ امیر خان کے قاصد کو باہر لے گیا۔

قاصد کے باہر جانے کے بعد تھوڑی دیر تک بندہ سنگھ اپنے رُفقاء سے صلاح مشورہ کرتا رہا۔جب وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئے تو امیر خان کے قاصد کو پھر بلایا گیا۔چوبدار قاصد کو لے کر آیا۔قاصد پھر اس کمرے کے وسط میں عین بندہ سنگھ کے سامنے آن کھڑا ہوا۔بندہ سنگھ نے پھر قاصد کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

” یہ زمینیں آبا واجداد کے زمانے سے ہمارے قبضہ وقدرت میں ہیں اور ہم لوگ آبا واجداد کے زمانے سے ان زمینوں پر زمیندارہ کر رہے ہیں۔جب ہمارے آبا واجداد مختلف علاقوں سے یہاں آکر آباد ہوئے تو اس وقت یہ علاقے جنگلی جانوروں کی آماجگاہ تھیں۔ ہمارے اسلاف نے شبانہ روز محنت کر کے ان زمینوں کو آباد کیا اور کاشت کے قابل بنایا۔ورنہ یہاں پر تو جنگلی درندوں کے سوا کوئی رہنا بھی گوارہ نہیں کرتا تھا۔اب جبکہ ہم اس علاقے کو آباد کر چکے ہیں اور اس علاقے کو رہنے کے قابل بنا چکے ہیں تو آپ کا خان ہمیں یہاں سے بے

دخل کرنا چاہتا ہے۔ جو کہ ہمیں کسی صورت قبول نہیں۔ ہم غیرت مند لوگ ہیں اور ہمارے پاس افرادی قوت کی کوئی کمی نہیں اور ہم میں ہر ایک اپنے گھر بار اور عزت کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ آپ کے خان نے ہماری غیرت کو للکارا ہے لیکن ہم کسی بھی صورت اس کی دھمکاوے میں آنے والے نہیں ہیں، کیونکہ نہ ہی ہم اُس کے غلام ہیں اور نہ باجگزار، کہ وہ ہم سے اس قسم کے مطالبات کر رہا ہے۔ یہ دھرتی ہماری ماں ہے اور ہم میں سے ہر ایک اس دھرتی کی حفاظت میں مرمٹنا جانتا ہے''۔

اپنے خان سے جا کے کہنا۔ کہ ہم اس کا کہا ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اس کا اور ہمارا سامنا اب میدان جنگ میں ہی ہو گا۔ پھر فیصلہ ہوگا کہ سوراج اور امر ہم ہیں یا تمہارا خان۔ جاؤ ہماری طرف سے اپنے خان سے جا کے کہنا۔ کہ اگر اس نے ہم سے ٹکرانے کی کوشش کی تو ہم اس کے پورب پچھّم وکھن ہر سو شمشان کی آگ جیسی تباہی اور بربادی کا کھیل کھڑا کر دیں گے۔

اب تک ہم چپ بیٹھے تھے ہم جانتے ہیں۔ ہمارے آدمیوں کی تعداد امیر خان کے لشکر سے کہیں زیادہ ہے طاقت اور قوت میں بھی ہم اس سے بالا و اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا ہم اب یہ سوچنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ کہ تمھارا خان اپنے آپ کو ہمارے ہاتھوں تباہی اور بربادی کے گڑھے میں دفن کرنا چاہتا ہے۔ ہم نہ ان زمینوں کا ایجارہ دینگے اور نہ یہ زمینیں اس کے حوالے کریں گے۔

میں اپنے ساتھیوں سے صلاح مشورہ کر چکا ہوں۔ ان سب کا کہنا ہے۔ کہ تمہارے خان نے تمہیں ہماری طرف بھیج کر ایک طرح کی گستاخی اور توہین کا ثبوت دیا ہے۔ اس لئے کہ ہم نہ اس کے ہاری ہیں اور نہ ماتحت۔

قاصد بندہ سنگھ کے جواب میں پھر بول پڑا۔ سردار صاحب! یہ سب وقتی اور عارضی باتیں ہیں۔ ورنہ تمہیں اور تمہارے حواریوں کو ایک نہ ایک دن ان زمینوں پر قبضہ کرنے کا

جواب دینا پڑے گا۔

جواب میں بندہ سنگھ بری طرح بھڑک اُٹھا۔تم شریر اور گستاخ ہو۔اگر تو کسی کا پیغام نہ لیکر آیا ہوتا تو میں تیری گردن کاٹ کے رکھ دیتا۔

قاصد چپ نہیں رہا بلکہ پھر بول پڑا۔

''سردار صاحب میری گردن کٹنے سے معاملہ دب تو نہیں جائے گا۔اور سن موت کا ایک دن معین ہے۔اس میں نہ کوئی تاخیر کر سکتا ہے نہ تاجیر۔اگر میری موت میری مرگ تیرے ہاتھوں نہیں لکھی۔تو تم میں سے کوئی بھی مجھے موت سے ہمکنار نہیں کر سکتا۔بہر حال جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں۔کھل کے کہوں گا تا کہ میرا ضمیر مطمئن ہو کہ میں نے اپنے خان کا پیغام تم تک خوب پہنچایا۔

سردار یہ خیال مت کرنا کہ تمہارے اس جواب سے خاموشی اور سکوت طاری ہو جائے گی۔تمہارا جواب لیکر جب میں اپنے خان کے پاس جاؤں گا تو یاد رکھنا وہاں سے سرخ طوفان اور خونی انقلاب اُٹھے گا۔ایسا طوفان آئے گا ملک کہ جس کی راہ تُو روک نہ سکے گا۔''

بندہ سنگھ پہلے کی طرح بھڑک اُٹھا۔''تو مورکھوں جیسی باتیں کرتا ہے۔ایسا بلوان اور بڑی قسمت کا مالک تو تو نہیں ہے۔کہ ہمارے سامنے اس طرح کی اکھڑی اکھڑی باتیں کرے ہم صرف تمہیں پیغام لانے والا سمجھ کر برداشت کر رہے ہیں۔ورنہ میرے ایک اشارے کے بعد یہاں اس جگہ کوئی تیری لاش اُٹھانے کو نہیں آئے گا۔یہاں سے چلا جا۔اور جو کچھ میں نے کہا ہے اپنے خان کو جا کر کہہ دے۔''

قاصد غصے میں بل کھاتا ہوا مڑا۔اس کے بعد بندہ سنگھ کے کمرے سے وہ نکل گیا۔

جنگ پلوڈھری:۔

بندہ سنگھ کی طرف سے جواب ملنے کے بعد امیر خان نے قابضین کے ساتھ فیصلہ کن لڑائی لڑنے اور انہیں اپنے زمینوں سے بے دخل کرنے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر تیاریاں شروع کی۔اس مقصد کے لیے اُس نے اپنے لشکر کے لیے مزید رضا کار بھرتی کرنے اور انہیں تربیت دینے کا کام شروع کیا۔جب وہ یہ سب کچھ مکمل کر چکا تو پھر اپنے لشکر کے ساتھ اُس نے حمزہ کوٹ سے پلوڈھیری کی طرف کوچ کیا۔

دوسری طرف بندہ سنگھ بھی امیر خان کو کورا جواب دینے کے بعد بے کار نہیں بیٹھا تھا۔اُس نے بھی امیر خان کے ساتھ متوقع جنگ کے لیے لشکر کی تیاری شروع کی تھی۔جب اُسے امیر خان کے حمزہ کوٹ سے کوچ کرنے کی اطلاع ملی تو وہ بھی اپنے لشکر کو لے کر پلوڈھیری سے باہر ایک کھلے میدان میں امیر خان کی راہ روکے کھڑا ہو گیا۔امیر خان بھی اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کرتا ہوا بندہ سنگھ کے سامنے آ گیا۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے تو بندہ سنگھ نے حملہ کرنے میں پہل کی۔ پہلے اُس نے اپنے لشکر کو صدیوں کی رفتار سے بغل گیر ہو جانے والے تند و سفاک لمحوں کی طرح آگے بڑھایا اور پھر وہ امیر خان کے لشکر پر آسیب زدہ لمحوں سے لپٹ کر جسموں میں چھپتے روحوں میں ڈستی کروٹیں لیتی نوحہ گر صداؤں، بلا آموز اور بیخ پا کمینے ذہنیت اور منتقمانہ مزاج رکھنے والے شام کے ماتمی سایوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

امیر خان نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔درمیانی حصے میں وہ خود رہا، دائیں جانب کو مبین خان اور بائیں جانب اپنے بیٹے عزیز خان کو کماندار مقرر کیا۔اُس نے پہلے بندہ سنگھ کے حملے کو روکا اس کے بعد اس نے اپنے کام کی ابتدا کی۔وہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دشت بلا سے گزر کر موت کے سامنے نقد جان پیش کر کے فنا کا رقص کرنے والے

سحاب شعلہ آسا، مرگ کے کاروانوں کو درماندہ شعور ہوش کے کشکول میں بے خود کر دینے والے قضا کے سُکے بھرتی وحشت اور دل کو سراپا حیرت کر کے روح میں پیوست ہو جانے والی آتشی پکار کے شور کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

امیر خان کے حملہ آور ہونے کے ساتھ ساتھ دائیں جانب سے مبین خان حروف جفا کو منسوخ، پرداں چڑھتے طرز ستم کو بے ربط اور خواب و خیال تک کو بے صدا کر دینے والے تیزی سے پھیلے موت کے سایوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔جبکہ بائیں جانب سے عزیز خان عداوتوں کے حصار کو ریزہ ریزہ، زندہ رہنے کی تگ و دو کو بے سطوت و بے ننگ و نام کر دینے والے قہر مذلت کی طرح رائے سنگھ کے لشکر پر یورش کر چکا تھا۔

کھلے میدانوں میں یوں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے دھرتی اور آکاش کے درمیان من کے اُڑتے پنچھیوں کے پر کٹنے لگے تھے۔حیات کے پردے میں موت رقص کرتے ہوئے زیست کے گوشوں کو ویران کرنا شروع ہو گئی تھی۔آسودہ فضائیں ستم خوردہ ادوار میں تبدیل ہونا شروع ہو گئی تھیں۔زندگی کی طرب گاہوں میں فنا کا نزول شروع ہو گیا تھا۔ہر کوئی اپنے مقدر کا ناخدا بن کر ستیزہ کاری کرتے ہوئے اپنے دشمن کی سعی کو رائیگاں کر کے انہیں ویران مقدر میں تبدیل کرنے کا عزم کیے ہوئے تھا۔تلواروں اور ڈھالوں کے سائے تلے زمین خون آلود ہونا شروع ہو گئی تھی اور امیدوں بھری صدائیں ہوس کے طول میں کھونے لگی تھیں۔

بندہ سنگھ کا خیال تھا کہ وہ جلدی امیر خان کو پسپا کر دے گا لیکن اس کے سارے خیالوں اس کے سارے ارادوں کو امیر خان نے بھڑکتے انگاروں میں تبدیل کرنا شروع کر دیا تھا۔

جوں جوں جنگ طول پکڑتی جا رہی تھی۔توں توں بندہ سنگھ کے لشکر پر امیر خان کی یورش موت کے سائے زندگی کو جینے سے بے زار اور نا امید کرنے لگے تھے۔اس کے لشکر کے

اندر انقطاع کو مفلوک الحال کر دینے والے سموں کا رقص شروع ہو گیا تھا جبکہ امیر خان اور اس کے لشکری تبسم و نغمہ آفریں انداز میں سرکش و بے روک جذبوں کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے۔ ان کے حملہ آور ہونے کے انداز میں نور سحر کی درخشانی خیبر شکن عزائم اپنا جوش مارنے لگے تھے۔

جب مزید کچھ دیر تک جنگ کی بھٹی قیامت مچاتی رہی، حشر برپا کرتی رہی۔ تب وقت اور آسمان کی آنکھ نے دیکھا کہ بندہ سنگھ کے لشکریوں کی حالت قہر غربت میں بھوک اور افلاس کی ساری فاختاؤں سکوں سے خالی کشکول گدا، وسوسوں اندیشوں خطروں اور وہموں سے بھر کے ٹوٹے خوابوں کی بکھری تعبیروں سے بھی بدتر ہونا شروع ہو گئی تھی جبکہ دوسری طرف امیر خان کے لشکر میں اب تک دعوت لب و برہنہ ترغیبوں کے سامنے برق و باراں کے ہیجان اور امتناع و انتباہ کے عذابوں سے بھی زیادہ پر ہول ہوتی جا رہی تھی اور وہ بڑھ چڑھ کر بندہ سنگھ کے لشکر پر حملہ آور ہونے لگے تھے۔

امیر خان نے جب دیکھا کہ لمحہ بہ لمحہ بندہ سنگھ کے لشکری جنگ سے بددل ہونا شروع ہو گئے ہیں اور یہ کہ ان کے ولولے سرد پڑ گئے ہیں اور آگے بڑھنے کی بجائے اب وہ گاہے گاہے پیچھے مڑ کر اپنی فرار کی راہیں بھی متعین کرنے لگے ہیں تب اس نے اپنے حملوں میں زیادہ سختی جوش اور شدت پیدا کر لی تھی۔ جس کے باعث بندہ سنگھ کے لشکر کو بدترین شکست ہوئی۔ بندہ سنگھ بچے کھچے لشکر کو لے کر قریبی ہستانی سلسلے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

امیر خان خان نے مبین خان اور عزیز خان کے ساتھ مل کر کاٹلنگ کے پہاڑیوں تک پوری طاقت اور قوت سے اپنے آگے بھاگتے بندہ سنگھ اور اس کے لشکر کا تعاقب کیا۔ وہ اس طرح ان کے پیچھے لگ گیا تھا جس طرح صداقت کا احترام، جھوٹ و کذب کے حقارت کے پیچھے لگتا ہے۔ جس طرح آفاق پر بچے کھچے اندھیروں کا نئی سحر کی روشنی تعاقب کرتی ہے اور جس طرح بے چین شراروں کا خروش شام کے سایوں کے تعاقب میں لگتے ہوئے آپاہج کر دینے کی کوشش کرتا ہے۔

بندہ سنگھ نے پوری کوشش کی کہ اپنے لشکر کو اس تعاقب سے چھڑائے لیکن ایسا نہ ہو سکا اس لیے کہ امیر خان، مبین خان اور عزیز خان کے ساتھ ان کے پیچھے اس طرح پڑ گیا تھا جیسے آوازوں کے کھولتے شعلے جیسے دشت کرب کی سیاہ آندھیوں اور قضا کے سرخ سیلابوں نے کسی کو نیست و نابود کرنے کے لیے اس کا پیچھا شروع کر دیا ہو۔

اس خوفناک تعاقب کے دوران امیر خان کے ہاتھوں بندہ سنگھ ہلاک ہو گیا اور اُس کے لشکر کی تعداد مزید کم ہو کر بے ضرر ہو گئی۔ بندہ سنگھ کے بچے کھچے لشکری بھاگ کر کاٹلنگ کی پہاڑیوں میں روپوش ہو گئے۔

امیر خان نے اس کے بعد تعاقب کو ترک کر دیا واپس اُسی جگہ آیا جہاں جنگ ہوئی تھی۔ بندہ سنگھ کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا اور ہر چیز کو سمیٹ کر وہ اپنے لشکر کے ساتھ حمزہ کوٹ کی طرف واپس روانہ ہو گیا۔

پلو ڈھیری کی جنگ میں بندہ سنگھ اور دوسرے قابضین کا خاتمہ کرنے کے بعد امیر خان نے اپنی ملکیت کی حدود کو کاٹلنگ تک وسعت دی۔ اس کے بعد امیر خان نے ان علاقوں کی نظم و نسق کو درست کیا اپنے بیٹے عزیز خان کو ان علاقوں کا نگران مقرر کیا جس نے دوسرے علاقوں سے اپنے زمینداروں کو لا کر یہاں آباد کیا اور ان کے کام کی خود نگرانی کرنے لگا۔

حمزہ کوٹ سے مشرق کی طرف اقدامات:

حمزہ کوٹ سے مغرب کی طرف کاٹلنگ کی حدود تک اپنی جائیداد کو آزاد کرنے اور وہاں کی نظم و نسق درست کرنے کے بعد امیر خان مشرق کی سمت بونیر کی سرحد تک اپنی جائیداد کو قابضین سے واگزار کرنے کے بارے میں سوچ و بچار کرنے لگا۔

امیر خان کے لیے یہ ایک مشکل بلکہ ناممکن مہم تھی کیونکہ ایک تو یہ کہ قابضین بونیر کی سرحد کے ساتھ ساتھ تھے اور ان کی پشت پر بونیر کا پہاڑی سلسلہ تھا جہاں پر وہ آسانی سے

چھپ کر چھاپہ مار جنگ کا آغاز کر سکتے تھے، دوسرا ان کو بونیر میں موجود اپنے عزیز واقارب اور دوسرے قبائل کی مکمل حمایت حاصل تھی۔

اس کے علاوہ ان قابضین کے جنوب میں یوسف زئی کے دوسرے خیل بھی آباد تھے جن میں ثبت خیل رستم میں اور جونا خیل موضع بازار اور موضع مچی میں آباد تھے۔اس لیے امیر خان کو اپنے ان یوسف زئی خیلوں کی طرف سے بھی مزاحمت کا اندیشہ تھا۔لہٰذا تمام حالات کا باریک بینی سے جائزہ لینے کے بعد امیر خان نے پہلے اپنے ان عریزوں (ثبت خیل اور جونا خیل) کے ساتھ اپنے تنازعات کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔

ثبت خیل سے صلح:۔

ثبت خیل قبیلہ آمان زئی (یوسف زئی) کا ایک ذیلی شاخ ہے۔اس کا جد امجد ثبت خان گڑھی امان زئی میں آباد تھا۔وہاں سے اپنے بھائی اسماعیل خان کے ساتھ رُستم میں اپنے زمینوں کو منتقل ہوا اور یہاں پر رہائش پذیر ہو گیا۔چونکہ ثبت خان کا تعلق بھی امیر خان کی طرح قبیلہ آمان زئی سے تھا۔اس لیے دونوں کے درمیان جائیداد کی حدود پر کچھ عرصہ سے تنازعہ چل رہا تھا۔اس تنازعہ کی وجہ سے ان کی زمینیں بنجر پڑی تھیں اور کوئی بھی ان زمینوں کو زیر استعمال نہیں لاسکتا تھا۔جس سے فائدہ اُٹھا کر ان زمینوں پر بونیر وال قبائل نے قبضہ کیا ہوا تھا۔جب امیر خان نے اپنی زمینوں کو بونیر وال قبائل سے واگزار کرنے کا فیصلہ کیا تو اس سلسلے میں وہ خیر سگالی کے طور پر ایک وفد کے ساتھ موضع رستم میں ثبت خان کے ڈیرے پہنچا۔پشتون روایات کے مطابق ثبت خان اور اُس کے بھائی اسماعیل خان نے مع اپنے ماتحت لوگوں کے امیر خان اور اس کے وفد کا پرتپاک استقبال کیا اور اُن کی اپنے ہاں کئی دن تک مہمان داری کی۔

اس دوران کئی دن تک دونوں پارٹیوں میں مذاکرات کے کئی دور ہوئے۔چونکہ امیر خان کو جرگہ میں ملکہ حاصل تھی اور وہ اپنے مخاطبین کو اپنے فصیح گفتاری سے قائل کرنے میں

مہارت رکھتا تھا۔اسی وجہ سے وہ دونوں خیلوں کے درمیان جائیداد کا تنازعہ خوش اسلوبی سے حل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔اس سلسلے میں دوسری طرف سے ثبت خان اور اسماعیل خان نے بھی بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کیا اور پشتون روایات کے مطابق اپنے ڈیرے کا مان رکھتے ہوئے امیر خان کو بہت سی رعایتیں بھی دیں۔اس کے علاوہ دونوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ چونکہ دونوں خیلوں کے زمینوں پر بونیروال قبائل کا قبضہ ہے اس لیے دونوں مل کر ان سے اپنی جائیداد کو واگذار کریں گے۔

جونا خیل سے صلح:۔

جونا خان کی اولاد جو جونا خیل سے موسوم ہے، کا تعلق بھی یوسف زئی کے ذیلی شاخ آمان زئی سے ہے۔اس خاندان کا جدامجد جونا خان گڑھی آمان زئی میں آباد تھا۔جونا خان کو موضع گڑھی امان زئی کے علاوہ موضع بازار اور موضع مچی کی جائیدادیں بھی ورثہ میں ملی ہوئی تھیں۔جونا خان خود موضع گڑھی آمان زئی میں رہائش پذیر رہا اور وہیں پر وفات پا گیا۔جونا کی اولاد بھی کئی پشتوں تک گڑھی آمان زئی میں رہائش پذیر رہی۔بعد میں اُس کی اولاد میں سے اورنگ خان گڑھی آمان زئی سے موضع بازار منتقل ہوا۔اورنگ خان کے دو بیٹے و.جی خان اور بلند خان تھے۔اورنگ خان کے مرنے کے بعد بلند خان کے حصے میں موضع بازار کا جائیداد آ گیا جبکہ و.جی خان کو موضع مچی کا جائیداد مل گیا۔چونکہ دونوں جگہوں کی جائیداد کے ساتھ متصل امیر خان کا جائیداد تھا۔اس لیے اس متصل جائیداد کی وجہ سے امیر خان کا جونا خیل سے بھی ایک مستقل تنازعہ چل رہا تھا۔اس تنازعہ کی وجہ دونوں جگہوں کی جائیداد بنجر اور بے کار پڑی تھی۔جس سے فائدہ اُٹھا کر موضع بازار سے متصل جائیداد پر بونیروال اور موضع مچی سے متصل جائیداد پر صوابی وال قبائل نے قبضہ کیا ہوا تھا۔

چونکہ بونیروال اور صوابی وال قبائل سے اپنی جائیدادیں واگزار کرنے میں امیر خان کو

جونا خیل اور ثبت خیل کے ساتھ نا اتفاقیاں اور کشمکش بڑی رکاوٹ تھی۔ چنانچہ امیر خان نے حالات کا ادراک کرتے ہوئے پہلے ثبت خیل کے ساتھ اپنے تنازعات کو حل کر دیا اور پھر جونا خیل کے ساتھ اپنے تنازعات کو حل کرنے کا ارادہ کرلیا۔

امیر خان نے اس سلسلے میں جونا خیل کے سردارن بلند خان اور وجی خان کو صلح کا پیغام بھیجا اور خود اُن کے ہاں آنے کی خواہش ظاہر کی۔ جس پر بلند خان اور وجی خان دونوں بھائیوں نے خوشی کا اظہار کیا اور امیر خان کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ امیر خان نے ان کی دعوت قبول کی اور وہ ایک وفد کے ہمراہ اُن کے ہاں پہنچ گیا جہاں پر بلند خان اور وجی خان نے اُن کا پرتپاک استقبال کیا اور بہت پیار اور محبت سے ملے۔ کئی دن تک انہوں نے امیر خان کی مہمان داری کی اور ساتھ ساتھ جائیداد کی تنازعہ پر مذکرات بھی کیے۔ یہ مذاکرات کافی اونچ نیچ سے گزر گئے اور کئی مواقع پر مذاکراات ناکام ہوتے دکھائی دیتے تھے لیکن پھر دونوں طرف کے بزرگوں نے دوراندیشی اور معاملہ فہمی سے کام لے کر مذاکرات کو ناکام ہونے سے بچالیا۔ یوں دونوں بزرگوں کے درمیان کامیاب مذکرات کے بعد جائیداد کا تنازعہ خوش اسلوبی سے حل ہو گیا اور حدود کا تعین ہو گیا۔ مذاکرات میں اس بات پر بھی اتفاق کیا گیا کہ اپنی جائیداد کو قابضین سے واگزار کرنے کے لیے مشترکہ جدجہد کی جائیگی۔

بونیروال قابضین کے ساتھ کشمکش:۔

ثبت خیل اور جونا خیل سے معاملات طے ہونے کے بعد امیر خان کے لیے اپنی جائیداد کو واگزار کرنے میں بڑی رکاوٹ دور ہوگئی تھی۔ اس لیے اس نے بونیروال قبائل کے سرادر ہاشم بونیروال کو پیغام بھیجا کہ یہ زمینیں اس کی ملکیت ہیں اور آپ لوگ ان زمینوں پر ناجائز طریقے سے قابض ہو چکے ہیں۔ اس لیے تقاضا کیا جاتا ہے کہ ان زمینوں کو خالی کر دیں۔

بونیر وال قبائل چونکہ کافی مضبوط اور زورآور تھے اور ان کے مقابلے میں امیر خان کی طاقت کمزور تھی۔اس لیے ان کے سردار ہاشم خان بونیر وال نے امیر خان کے پیغام کو درخور اعتناء نہیں سمجھا اور اس کے ایلچی کو بے توقیری کے ساتھ واپس بھیج دیا اور اُس سے کہا کہ یہ زمینیں ہمارے آباواجداد نے بزورشمشیر قبضہ کیے ہوئے ہیں لہذا اگر کسی میں کوئی دم خم ہے تو وہ آکر ہمیں ان سے بے دخل کردے۔

بونیر وال قبائل سے کورا جواب ملنے کے بعد امیر خان سمجھ گیا کہ اس دفعہ بھی گھی کو ٹیڑھی انگلی سے ہی نکالنا پڑے گا۔لہذا اس نے جنگ کی تیاری شروع کردی۔ساتھ ہی اس نے ثبت خیل اور جونا خیل کے سرادران کو بھی پیغام بھیجوایا کہ وہ بھی اپنے طور پر جنگ کی تیاری کرکے مقررہ وقت پر اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ نکلے۔اس کے علاوہ چونکہ بونیر وال قبائل کو بڑی تعداد میں بونیر سے امداد ملنے کا اندیشہ تھا اس لیے امیر خان باگڑہ کے نواب خان اور ڈگر کے فریداللہ خان جن کے ہاں اُس نے اپنے بیٹوں عزیز خان اور عجب خان کے رشتے کیے تھے اور جو بونیر کے جدی پشتی خوانین میں سے تھے،کو بھی پیغام بھیجا کہ وہ بونیر سے مسلح جتھوں کو سودھم آنے سے منع کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

دوسری طرف بونیر وال قبائل کا سردار ہاشم بونیر وال بھی امیر خان کے ایلچی کو دھتکارنے کے بعد بیکار نہیں بیٹھا تھا۔اس نے بونیر میں موجود اپنے عزیز واقارب اور صوابی میں صوابی وال قبائل کے سردار جلو خان کو قاصدوں کے ذریعے امیر خان اور قبیلہ آمان زئی کے دوسرے سردارن کے خلاف جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی۔جس کا ان دونوں جگہوں سے مثبت جواب مل گیا اور اس طرح دونوں اطراف سے جنگ کی تیاریاں زوروشور سے شروع ہوگئیں۔

جنگ رُستم:

پوری تیاری کرنے اور اپنی اپنی لشکروں کو ہر قسم کے کیل کانٹے سے لیس کرنے کے بعد امیر خان، ثبت خان اور بلند خان جونا خیل نے اپنی اپنی لشکروں کے ساتھ کوچ کیا اور تینوں لشکر رستم سے شمال مشرق کی طرف ایک کھلے میدان میں آ کر جمع ہو گئے اور ہاشم بونیر وال کے آمد کا انتظار کرنے لگے۔

دوسری طرف ہاشم بونیر وال بھی پوری تیاری کر کے صوابی وال سردار جلو خان اور بونیر کے مسلح جتھوں کے ہمراہ امبیلہ سے کوچ کر گیا اور رُستم کے قریب اس کھلے میدان کی دوسری طرف آ کر خیمہ زن ہو گیا جس میں آمان زئی لشکر پڑاؤ کیا ہوا تھا۔

امیر خان نے اپنے لشکر کو تین برابر حصوں میں تقسیم کر دیا۔ایک حصہ اپنے پاس رکھا اور اپنے بیٹے عزیز خان کو اپنا نائب مقرر کیا،، دوسرے حصے کو ثبت خان کی کمان میں دے دیا اور اسماعیل خان کو اس کا نائب مقرر کیا۔جبکہ تیسرے حصے پر بلند خان کو سردار مقرر کیا اور وجی خان کو اس کا نائب مقرر کیا۔امیر خان نے منصوبہ بندی کے تحت بلند خان کو اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ پیچھے پڑاؤ میں رہنے کی ہدایت کی تاکہ بوقت ضرورت جنگ میں شامل ہو سکے اور اپنے لیے فوائد حاصل کر سکیں۔

دوسری طرف ہاشم بونیر وال نے آمان زئی لشکر کی ترتیب کے طرز پر اپنے لشکر کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا۔ایک حصہ اپنے پاس رکھا اور دوسرے حصے پر جلو خان کو کماندار مقرر کیا۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے تو آمان زئی لشکر پر اپنا رعب اور دبدبہ قائم کرنے کے لیے ہاشم بونیر وال نے خود جنگ کی ابتدا کی۔ پہلے اُس نے اپنے لشکر کو موج در موج اٹھتی طغیانی، اعصاب میں سنسنی دوڑا دینے والی موت کی کرب خیزی اور بیان و نطق کے

اسالیب تک کو بدل دینے والے دہکتے آتشی جھکڑوں کی طرح آگے بڑھایا، پھر وہ آمان زئی لشکر پر مسموم خیالات کی تخم ریزی کرتے تصویر پرست وحشی نفرتوں کے زنگ بھری گمراہ، نفس کی تہمتوں اور خجل و شرمندگی بھری خونی بدخوئی عداوتوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف امیر خان اور ثبت خان نے بھی جوابی کاروائی میں دیر نہیں کی۔ انہوں نے بھی اپنے لشکر کو ایسے آگے بڑھایا جیسے شب کی تاریک درزوں سے شعلوں کی بے تابی نکلتی ہے۔ پھر وہ بھی ہاشم بونیر وال کے لشکر پر رگ رگ میں ریشے ریشے میں حوصلہ شکنی کی اوس بھرتی جرأت رنداں اور جنم جنم کے چکروں سے نجات دیتے نا آشنا رقصِ مجنونانہ کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے خوشیوں کی نرم گوشیاں موت کی آوازوں میں ڈوب گئی تھیں۔ سفید اُجلے برق لباس خون آلود ہونا شروع ہو گئے تھے۔ عمروں کی مسافتیں مسافر پرندوں کی طرح اُجلے نفس کی حدتوں کا شکار ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

کافی دیر تک دونوں طرف کے لشکری ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ جب جنگ اپنے عروج پر آ گیا تو بلند خان جو ابھی تک جنگ میں حصہ نہیں لے رہا تھا، حرکت میں آیا، اپنے پڑاؤ سے پیچھے ہٹا اور پھر لمبا کاوا کاٹتے ہوئے کالی راتوں کے سامان زیست میں سنہری روشنیوں کی دھول اور دل کی نہاں خانوں تک میں اتر جانے والی مرگ بدوشِ برق کی طرح ہاشم بونیر وال کے لشکر کی پشت پر نمودار ہوا اور اس کے بعد اپنے لشکریوں کے ساتھ خواہشوں کے پرندوں کی طرح بے خطر اُڑانیں رکھنے والے گردابِ اجل کے رقص اور جریدہ دل کے قرطاس ابیض پر نارسائی کی تحریریں رقم کر دینے والے اذیت کوشی کے شراروں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اپنے پہلے ہی حملے میں بلند خان نے اپنے لشکریوں کے ساتھ ایک صف سے دوسرے صف کے اندر گھسنا شروع کر دیا تھا۔ جس طرح بے آب و گیاہ صحرا میں شام کے

سائیوں میں سر جھکائے کھڑے ٹیلوں کے اندر برق کے شرارے اپنا رنگ دکھا جاتے ہیں۔ بلند خان کے حملہ آور ہونے سے تن کے دریچوں کے اندر موت کی کھوکھلی آوازیں اُبھرنا شروع ہوگئی تھیں۔ مصاف زندگی خونی فاصلوں سا مشکل ہو گیا تھا۔ قضا کی آگ بلند آہنگ صداؤں کے ساتھ آتشی رقص کرنا شروع ہوگئی تھی۔

ان دوطرفہ حملوں کے باعث بڑی تیزی سے ہاشم بونیر وال کے لشکر کی حالت ڈوبتی کشتی کے ناخدا کی سی مضموم مسکراہٹ سنگین راتوں میں، تیز ہواؤں کی نوحہ خوانی اور ذلت کے لباس پہنتی احساس کی شکست اور ولولوں کی ماندگی سے بھی بدتر ہونا شروع ہوگئی تھی۔

تھوڑی دیر جب مزید جنگ جاری رہی تو ہاشم بونیر وال کے لشکر کی پچھلی صفوں میں سے اکثر کو کچل دیا گیا تھا۔ اب پشت کی جانب سے بلند خان کو اپنی شاندار فتح اور دشمن کی ذلت آمیز شکست صاف دکھائی دینے لگی تھی۔ لہذا اس نے اپنے لشکر کا ایک حصہ علحدہ کیا اور اسے دشمن کے پڑاؤ پر قبضہ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے پہلے کی نسبت حملے اور زیادہ تیز کر دیے تھے۔ جس کی تاب نہ لاتے ہوئے ہاشم بونیر وال اور جلو خان نے بھاگ جانا چاہا، لیکن اب بھاگنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ کیونکہ سامنے اور پشت کی جانب سے دشمن اُن کا قتل عام شروع کر چکا تھا۔ جلو خان تو اپنے چند محافظوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح سے بائیں طرف سے ہوتے ہوئے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ جبکہ ہاشم بونیر وال اور اس کی پوری لشکر کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔

زمینوں کی آبادکاری:۔

ہاشم بونیر وال اور جلو خان کو شکست دینے کے بعد امیر خان، ثبت خان اور بلند خان نے اپنے اپنے حصوں کی زمینوں کی آبادکاری کا کام شروع کر دیا۔ بلند خان نے صوابی کی طرف اپنے حدود کی زمینوں کو آباد کیا اور اس پر نئے مزارعین کو بسایا جبکہ امیر خان نے مشرق

میں موضع مچی کی حدود سے صوابی کی حدود تک اور شمال میں ثبت خان کے حدود سے بونیر کے حدود تک اپنی جائیداد کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس کا نظم و نسق درست کرنا شروع کیا۔

ثبت خان نے شمال کی طرف اپنی زمینوں کا کنٹرول سنبھال لیا اور اپنے بھائی اسماعیل کو اس کا نگران مقرر کیا۔ اسماعیل خان نے رُستم سے شمال کی طرف اپنی زمینوں میں ایک نئے گاؤں کو آباد کیا اور اس کا نام ''علے'' رکھ دیا۔ تا کہ زمینوں کی دیکھ بھال اچھے طریقے سے ہو سکے۔

شمال اور مشرق کی طرف اپنی جائیداد کا نظم و نسق درست کرنے اور اس پر نئے مزارعین کو آباد کرنے کے بعد امیر خان جنوب کی طرف متوجہ ہوا۔ جنوب کی طرف شہباز گڑھی کی حدود تک بھی اُس کی جائیداد پر لوگ قابض ہو چکے تھے اور اس کو نہ ایجارہ دیتے تھے اور زمین خالی کرتے تھے لیکن جب امیر خان نے بونیر وال اور صوابی وال قابضین کو شکست دے دی تو ان لوگوں نے بغیر لڑائی کے امیر کی اطاعت قبول کی اور ایک وفد کے ساتھ امیر خان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنے پہلے رویے پر معافی مانگی اور تمام زمینوں کو رضا کارانہ طور خالی کرنے کا اقرار کر لیا۔ امیر خان نے اُن کی عذر کو قبول کر لیا اور ان زمینوں پر اپنے بیٹے عجب خان کو نگراں مقرر کیا۔

حمزہ کوٹ سے جنوب کی طرف شہباز گڑھی کی حدود تک زمینوں کا نگراں مقرر ہونے پر عجب خان نے ان تمام پُرانے قابضین سے زمینیں خالی کرا دیں اور ان پر نئے مزارعین کو لا کر آباد کیا۔ اس کے علاوہ اُس نے ان زمینوں پر مزارعین کی رہائش کے لیے جگہ جگہ نئی بستیوں کو بسایا تا کہ زمینوں کی نگرانی اور دیکھ بھال اچھی طریقے سے ہو سکے۔

اس کے بعد امیر خان حمزہ کوٹ سے جنوب مغرب کی طرف موضع کٹہ خٹ، باریکاب اور کوتر پان کی قابضین کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ قابضین بھی امیر خان سے سرکش تھے لیکن دوسرے علاقوں کے قابضین کی طرح متحد نہیں تھے۔ اس کے علاوہ امیر خان رُستم اور

پلوڈھیری کے جنگ میں اپنے منظّم قابضین کوشکست دینے کے بعد پورے سودھم میں اپنی دھاک بٹھا چکا تھا۔جس کی وجہ سے جب ان قابضین کوامیر خان کا پیغام ملا،تو تمام قابضین نے مشورہ کرنے کے بعدایک وفدامیر خان کی خدمت میں بھیجا۔وفد کے تمام ارکان نے اپنے گزشتہ رویے پر معافی طلب کی اورآئندہ کے لیےاپنی اطاعت اوروفاداری کا اظہار کر دیا۔ جس پرامیر خان نے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کومعاف کر دیااورآئندہ کے لیےاُن کوباقاعدگی کےساتھ اِجارہ ادا کرنے اوروفدار رہنے کاپابند کر دیا۔

سودھم میں اپنی جاگیرکو واگذار کرانے کے بعد امیر خان نے شہباز گڑھی کے علاقے میں بھی اپنی جائیدادکولوگوں سے واگزار کر دیا جہاں پراُس کا ایک بھائی محمد رحیم خان حمزہ کوٹ سے آکرآباد ہوااورآج تک محمد رحیم خان کی اولاد موضع شہباز گڑھی میں اُن زمینوں پر مالکانہ حیثیت سے رہائش پذیر ہیں۔

میر بابو کی ان اقدامات کی وجہ سے وہ قبیلہ آمان زئی میں ممتاز شخصت کے طور پر اُبھرے تھے۔اور ہر طرف لوگ اُس کی بہادری،شجاعت،دلیری اورفہم ودانش کےگُن گانے لگے تھے۔اس لیے جب اگلے سال قبیلہ آمان زئی کا سربراہ منتخب کرنے کے لیےشہباز گڑھی کے مقام اجلاس منعقد ہواتو اجلاس میں تمام لوگوں نے متفقہ طور پرامیر خان کو قبیلے کا سربراہ منتخب کیا۔سربراہ منتخب ہونے کے بعدمیر بابو نے اپنا ساراوقت قبیلے کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کیا۔اور ہر معاملے میں قبیلے کی مفاد کومقدم رکھا۔

امیر خان (میر بابو) جب آمان زئی قبیلے کا سربراہ منتخب ہواتو اُس وقت پختونخواہ کا یہ سارا علاقہ افغانستان کے حکمران امیر دوست محمد خان کے ماتحت تھا اور یہاں پر بارکزئی سرداران کی حکمرانی تھی۔لیکن اُن کی حکمرانی کا اثر پشاور اور اُس کے گرد ونواح تک تھی۔ قبیلہ یوسف زئی کےتمام لوگ اپنے اپنے علاقوں میں آزادزندگی بسر کررہے تھے۔

تاریخ پشاور کے مصنف کے مطابق ’’عہد احمد شاہ ابدالی میں میر بابوخان زی عزت

آدمی تھا اور اس کی رسائی اہلکارانِ شاہی سے زیادہ تر تھی۔ لہذا حکام سے اس کو لقب خانی عطا ہوا اور -/18000 روپیہ فصلانہ مواجب مقرر ہوا تھا۔ حکام سے جو خدمات انتظام علاقہ غیر تپہ سودھم و وصولی معاملہ سپرد ہوتی رہیں ان کو بخوبی انجام دیتا رہا۔ عہد سکھاں میں خانی تو بدستور رہی مگر موجب کم ہو کر -/۸۱۱۱ روپیہ ہو گیا۔ شروع عملداری سرکار میں بوقت مفسدہ چتر سنگھ وغیرہ سکھان کے عجب خان و عزیز خان بہ ہمراہی میر بابو خان والد خود معاون سرکار ہو کر مستوجب تحسین ہوئے بعد وفات میر بابو خان کے عزیز خان بعہدہ خانی سفراز ہوا، -/18000 روپیہ مواجب سرکار سے اس کا مقرر ہوا۔ ۱۸۵۷ء میں عزیز خان نے بمعہ اپنے بیٹے محمد ابراہیم خان اور عجب خان کی دلی کوشش سے خدمت سرکار ادا کی۔ جس کے صلہ میں عجب خان کو مبلغ -/18000 روپیہ مواجب نسلا بعد نسلا عطا ہوا۔ مفسدہ بونیر میں بھی اس سب سے درہ سرخابی میں اچھی خدمات کے بعد ازاں عزیز خان -/18000 روپیہ کی جاگیر نسلا بعد نسلا ملی اور مبلغ -/18000 نقدی مواجب تا حیات عطا ہوا۔ اور عجب خان علاوہ مواجب سابقہ نسلا بعد نسلا -/18000 روپیہ کی جاگیر عطا ہوئی۔ جب عزیز خان فوت ہوا تو اس کے بیٹے محمد ابراہیم خان کے نام -/30000 روپیہ جاگیر اور -/18000 روپیہ نقد مواجب مقرر رہا۔ اب تک وہ عجب خان و محمد ابراہیم خان بلقب خانی ملقب ہیں اور مواجب مندرجہ بالا کھاتے ہیں اچھے مشہور آدمی ہیں معاملات پولیٹیکل میں بابت قوم بونیر علاقہ غیر کی اکثر مدد ان سے ملتی ہے۔"

چونکہ اس دوران سکھوں کا سردار مہاراجہ رنجیت سنگھ پنجاب سے نکل کر پختونخواہ پر حملے کرتا رہتا تھا اور چاروں بارک زئی سرداران (یار محمد خان، سلطان محمد خان، پیر محمد خان، سید محمد خان) اُس کے باجگزار بن کر حکومت کر رہے تھے۔ اس لئے ان کے بڑے بھائی عظیم خان کو اپنی بھائیوں کی یہ بے بسی ناگوار گزری اور وہ ۱۸۲۳ء میں سکھوں سے فیصلہ کن لڑائی لڑنے کے لئے کابل سے پشاور آیا۔ پشاور پہنچ کر اُس نے سکھوں کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کیں۔

اس دوران عظیم خان نے یوسف زئی کے تمام ذیلی شاخوں کے سربراہان کو جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دے دی۔تو تمام یوسف زئیوں کے ذیلی شاخوں کی طرح امیر خان نے بھی اُس کی دعوت پر لبیک کہا۔اور پیر سباک کی جنگ میں اپنے قبیلے کی قیادت کرتا ہوا شامل ہوا۔اور جنگ میں خوب دادشجاعت دی۔

سال ۱۸۲۷ء کو سید احمد بریلوی پختونخواہ کے اس علاقے میں آئے تو دوسرے تمام یوسف زئیوں کی طرح امیر خان نے بھی اُس کی خوب اعانت کی اور اُس کا ساتھ دیتے ہوئے سکھوں کے خلاف ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دے دی۔لیکن دوسرے یوسف زئی خوانین کی طرح میر بابو بھی سید احمد بریلوی صاحبؒ کے مجاہدین کی من مانیوں اور لوگوں پر ظلم زیادتیوں کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکا۔اور دوسرے خوانین کی طرح اُس کے دل میں بھی مجاہدین سے بدگمانی اور اُن کے ساتھ مخاصمت پیدا ہوئی۔چونکہ سید احمد بریلوی صاحب نے اس علاقہ میں شریعہ نظام کے نفاذ کے لئے علماء کا سہارا لیا تھا۔اور عشر کی رقم تمام خوانین سے بزور شمشیر حاصل کرنے لگا تھا۔جس کی وجہ سے یوسف زئی کے تمام خوانین کے دلوں میں مجاہدین کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اُٹھی تھی۔لیکن اس کے باوجود وہ اسلام کے نام پر اس تحریک کا ساتھ دینے پر مجبور تھے۔لیکن جب پشاور کے بارک زئی سرداران نے ہندوستانی علماء سے مجاہدین کے خلاف فتویٰ حاصل کیا،تو تمام خوانین کو مجاہدین کے خلاف علم بلند کرنے کا موقع مل گیا اور پھر ایک ہی رات میں تمام خوانین نے اپنے اپنے علاقوں میں ہندوستانی مجاہدین کو قتل کیا۔ تو امیر خان نے بھی مجاہدین کے خلاف یوسف زئی خوانین کا ساتھ دیا۔مجاہدین کے خلاف اس مہم میں سودھم کی سطح تک امیر خان کا بڑا بھائی مبین خان تمام خوانین کی قیادت کر رہا تھا۔

سید احمد بریلوی صاحب کا بچے کھچے مجاہدین کو ساتھ لے کر علاقہ یوسف زئی سے چلے جانے اور سال ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں سے شکست کھانے کے بعد یہ علاقہ براۓ راست سکھوں کی عمل داری میں آ گیا۔

امیر خان نے پہلے پہل سکھوں کی عمل داری کو قبول نہ کیا اور ان سے مقابلے پر اُتر آیا۔لیکن جب سکھوں نے اُس کی خانی کو تسلیم کیا اور اُس کو ’’خان بہادر‘‘ کا خطاب دینے کے ساتھ ساتھ ہی سرکاری مراعات سے نوازا۔سودھم کی جاگیر کو اُس کے نام الاٹ کردی اور اُس کے لیے -/18000 روپیہ فصلانہ مواجب مقرر کیا،تو امیر خان نے بھی افہام و تفہیم سے کام لیا اور سکھوں کے ساتھ لڑائی جھگڑوں سے کنارہ کشی اختیار کی۔اس کے ساتھ ہی سکھوں نے اس کو علاقہ سودھم سے لگان وصول کرنے کا اختیار بھی دے دیا۔لگان کی وصولی میں بھی اس نے اپنے عوام کا خاص خیال رکھا اور سکھوں کے باربار مطالبے کی باوجود اُس نے لوگوں پر لگان بڑھانے سے انکار کر دیا۔جس پر سکھوں کے ساتھ اُس کے اختلافات پیدا ہو گئے۔اور سکھ حکومت نے اُس کو گرفتار کر کے پشاور جیل بھیج دیا۔جہاں وہ سات مہینے تک قید میں رہا۔لیکن وہ اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا یعنی عوام پر لگان کی شرح بڑھانے سے بدستور انکاری رہا۔تو اس کے عزم اور مصمم ارادے کو دیکھتے ہوئے سکھ حکومت نے مجبوراً اُس کو رہا کیا اور اُس کو اپنے سابقہ حیثیت پر بحال کر دیا۔

میر بابو ۱۸۴۵ء کے اوائل میں بیمار ہو گیا اور چند ماہ بیمار رہنے کے بعد داغی اجل کو لبیک کہا۔میر بابو کو موضع حمزہ کوٹ کے قبرستان میں پہاڑی کے دامن میں اپنے بیٹے معزاللہ خان کے پہلو میں دفن کیا گیا۔بعد میں اُس کے نواسے خوشحال خان آف باریکاب نے اُس کے مزار کو پختہ بنایا۔جو آج بھی بابائے سدھوم کے نام سے مشہور ہے اور لوگوں کی توجہ کا مرکز ہے۔

سر اولف کیرو اپنے کتاب ’’دی پٹھان‘‘ میں لکھتے ہیں کہ :

’’سودھم کے خوانین مندڑ یوسف زئیوں کی آمازئی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں یہاں کا بڑا پٹھان خاندان اپنے مورث اعلیٰ میر بابو خان کے نام سے میر بابو خیل کہلاتا ہے۔میر بابو سید احمد بریلوی کے شناساؤں میں سے تھے اور بعد میں وہ سکھوں کی طرف سے لگان وصول کرنے پر مامور ہو گئے۔جب لمسڈن علاقہ یوسف زئی میں آیا تو میر بابو نے انہیں مدد کی

پیشکش کی۔ جارج لارنس نے اپنی تحریروں میں کئی موقعوں پر میر بابو کو نئی حکومت کا اچھا دوست قرار دیا ہے۔ وہ اور اس کے دو بیٹے عجب خان اور عزیز خان سرحد پار بونیر اور چند دوسرے قبائل سے معاملات طے کرانے پر مامور تھے۔ انہوں نے سید احمد بریلوی کے زمانہ میں قائم کی ہوئی مجاہدین کی بستیوں سے بھی رابطہ قائم کر رکھا تھا۔''

میر بابو کی اولاد جو اپنے مورث اعلیٰ کے نام سے میر بابو خیل کہلاتے ہیں، علاقہ سودھم تحصیل رُستم میں آباد ہیں۔ میر بابو کی کل پانچ (زندہ اور مردہ) بیویاں تھیں۔ جن میں سے چار بیویوں سے تو اُس کی اولاد تھی اور پانچویں بیوی کے ہاں اُس کی وفات تک کوئی نارینہ اولاد پیدا نہیں ہوا تھا، جس کی وجہ سے میر بابو نے اپنی جائیداد کو اپنی زندگی میں چار بیویوں کے اولاد میں تقسیم کر دیا۔ اُس کی ہر ایک بیوی کے مندرجہ ذیل حساب سے حصہ ملا۔

۱۔ پہلی بیوی (والدہ عزیز خان) کو پلوڈھیری، حمزہ کوٹ اور بھڑوچ کی جائیداد ملی۔

۲۔ دوسری بیوی (والدہ حبیب خان) کو باریکاب اور نواں کلی کی جائیداد ملی۔

۳۔ تیسری بیوی (والدہ عجب خان) کو چارگلی اور خیرآباد کی جائیداد ملی۔

۴۔ چوتھی بیوی (والدہ افضل خان وغیرہ) کو کٹہ خٹ اور کوترپان کی جائیداد ملی۔

۵۔ پانچویں بیوی کو لاولد ہونے کی وجہ سے پہلے جائیداد میں حصہ نہیں ملا تھا۔ لیکن جب میر بابو کے وفات کے چند ماہ بعد پانچویں بیوی کے ہاں بھی بیٹا پیر محمد خان پیدا ہوا۔ تو پھر دوسرے بھائیوں نے اپنی جائیداد میں سے برینگن اور کھجیر کی جائیداد اس کے سپرد کی اور آج تک اس کی اولاد اس جائیداد پر مالکانہ حیثیت سے رہ رہے ہیں۔

میر بابو کی اولاد:۔

میر بابو ایک تاریخ ساز شخصیت تھے۔ اُس نے اپنی زندگی میں علاقہ یوسف زئی میں بارک زئی سرداران، سید احمد بریلوی کے مجاہدین اور سکھوں کا دور دیکھا تھا۔ اُس نے ہر

دور میں حکومتی کارندوں پر اپنی اہمیت جتوائی اور یہاں تک کہ اُس کے مرنے کے چار سال بعد جب انگریز اس علاقے میں وارد ہوئے ،تو انہوں نے بھی حالات کا جائزہ لینے کے بعد اُس کی اولاد کی حوصلہ افزائی جاری رکھی۔ اُس کے بڑے بیٹے عبدالعزیز خان کو سودھم کا خان تسلیم کرتے ہوئے ''خان بہادر'' کا خطاب دیا۔جبکہ اُس کے دوسرے بیٹے عجب خان جس کا بونیر کے خوانین کے ساتھ بڑے گہرے اور مضبوط تعلقات تھے کو بونیر کے علاقے کے لئے اپنا نمائندہ خصوصی بنایا اور اُس کے ذریعے بونیر کے معاملات کو دیکھنے لگا۔اُس وقت چونکہ بونیر کا علاقہ انگریزی عمل دخل میں شامل نہ تھا اور وہاں کے لوگ آزاد حیثیت میں زندگی گزار رہے تھے اور اپنے اندرونی تنازعات جرگوں کی ذریعے حل کر رہے تھے اس لئے انگریزوں نے بونیر کے علاقے پر اپنا گرفت مضبوط کرنے کے لئے عجب خان کی خدمات حاصل کی۔ چونکہ باگڑہ کے نواب خان اور ڈگر کے فرید اللہ خان جن کے ہاں امیر خان اپنے بیٹوں عزیز خان اور عجب خان کے رشتے کیے تھے اور جو بونیر کے جدی پشتی خوانین میں سے تھے۔جس کی وجہ سے بونیر کے علاقے میں عجب خان اور عبدالعزیز خان کو بہت زیادہ قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اس طرح انگریز علاقہ بونیر میں کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے عجب خان اور عبدالعزیز خان سے مشورہ کرتے تھے۔ یہ سلسلہ سال ۱۸۶۳ء تک جاری رہا۔جب سال ۱۸۶۳ء میں امبیلہ کی مہم کے متعلق عجب خان اور عزیز خان سے مشورہ نہ لیا تو دونوں نے اسے اپنی توہین سمجھا۔ عزیز خان تو جنگِ امبیلہ کے دوران ہی وفات پا گیا۔جبکہ عجب خان باقی تھا۔چونکہ بونیر کے قبائل میں اُس کو بڑا اثر ورسوخ حاصل تھا۔اس لئے وہ جہادِ امبیلہ کے بعد قبائل کو انگریزوں کے خلاف آمادۂ جہاد کرنے میں لگ گئے ۔انہوں نے اردگرد کے قبیلوں کو سمجھایا کہ اگر ہم انگریزوں سے دب گئے تو وہ ہمارے علاقے ہم سے چھین لے گا ،ہمیں آزادی سے محروم کر دے گا اور ہمارا ''پردہ''یعنی وقار اُٹھ جائے گا۔

عجب خان کا یہ جملہ بڑا معنی خیز تھا اور اسے قبائل عام طور پر استعمال کرتے تھے۔

جنگ امبیلہ کے بعد جب انگریز سرکار نے عجب خان کو گرفتار کرنا چاہا تو وہ بھاگ کر بونیر چلا گیا۔اور وہاں سے بونیر کے لوگوں کی مدد سے انگریز سرکار کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کردی۔اور بونیر والوں کی مدد سے علاقہ سودھم پر متعدد حملے کیئے۔

سول نافرمانی کی اس تحریک کے دوران عجب خان کی انگریز سرکار سے کئی مقامات پر جھڑپیں ہوئیں۔اُس نے ۱۸۷۷ء میں بونیر وال قبائل کے مدد سے سودھم پر ہلہ بول دیا۔درّوں اور پہاڑوں سے اُتر کر بونیر وال قبائل رُستم میں واقع فرنگی کیمپ پر ٹوٹ پڑے۔کئی دیہات پر قبضہ کرلیا اور کئی ایک کو نذرآتش کردیا۔اس کے علاوہ رُستم بازار کو بھی جلا کر راکھ کر دیا اور مقبوضہ علاقوں میں تھانوں پر حملے کر کے وہاں موجود پولیس والوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔جس کی وجہ سے انگریز سرکار کافی پریشان دکھائی دیا اور انہوں نے عجب خان کو پکڑنے کے لئے بہت جتن کیئے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا کیونکہ بونیر کے لوگ اس کی پشت پر کھڑے تھے اور انگریزوں کے خلاف ہر کاروائی میں اس کا ساتھ دے رہے تھے۔جنگی محاذ پر ناکامی کے بعد انگریز سرکار نے مکاری سے کام لینا شروع کیا۔انگریز حکام نے عجب خان کو پیغام بھیجا جس میں اُس کے مطالبات ماننے کی یقین دہانی کرادی گئی۔جس پر عجب خان نے اپنی جلاوطنی ختم کردی اور سودھم کے علاقے چارگلی میں واپس آیا۔اس کے بعد کئی مہینے تک انگریز سرکار سے عجب خان کی سرد جنگ جاری رہی ۔ اس دوران انگریز اسسٹنٹ کمشنر وار بریٹن نے مکاری سے کام لے کر پہلے اس کے دوستوں اور حمایتیوں کو اس کے خلاف کردیا اور پھر عجب خان کو لوٹ مار اور سرکار املاک کو نقصان پہنچانے کے الزام میں انگریز فوج کی مدد سے گرفتار کرلیا۔

عجب خان پر تاج کے خلاف جنگ کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور اس کو پھانسی کی سزا دی گئی اور اس کی لاش تک کو ورثاء کے حوالے نہیں کیا گیا بلکہ پشاور جیل کے قبرستان میں اُس کو دفن کردیا گیا۔

یہ مقدمہ بڑا مشہور ہے اس میں عجب خان کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ آخر دم تک اُس نے انتہائی مستقل مزاجی کا ثبوت دیا۔ خوف و ہراس کو پاس نہ پھٹکنے دیا۔ اُس نے پھانسی قبول کی لیکن اپنی آن پر حرف نہ آنے دیا۔

اپنی اپیل کا فیصلہ سننے کے بعد عجب خان نے اعتراف جرم کرلیا۔ پھانسی پر چڑھنے سے پہلے عجب خان نے قبائلی ملکوں کی موجودگی میں جو اُس سے آخری ملاقات کی غرض سے آئے تھے، جو تقریر کی وہ بڑی پُر اثر اور باوقار تھی۔ عجب خان بڑا لمبا چوڑا اور شاندار حیثیت کا آدمی تھا اور خدوخال بھی بہت اچھے تھے۔ اس کی گردن میں ایک ڈھوری میں چاندنی کا ایک ہلال لٹکا رہتا تھا اور وہ بڑی ملائم آواز میں بولتا تھا۔ آج بھی لوگ مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں کہ کس طرح عجب خان پھانسی کے تختے پر کھڑے ہوکر اپنا ہلال گھماتا رہا اور اس نے مدھم لیکن پُر اثر انداز میں ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ وہ اس کی تقلید نہ کریں اس نے کہا کہ ”میں حملہ آوروں کو پہاڑوں سے جمع کر کے نیچے لاتا تھا تاکہ انہیں سرحد پر جنگ میں جھونک دوں اور اس طرح اپنی طاقت کا مظاہرہ کروں اور حکومت کے نظروں میں دوبارہ عزت حاصل کرلوں، لیکن میں ناکام ہوگیا اور مجھے ناکام ہی ہونا چاہئے تھا۔ آپ سب کو میری آخری نصیحت یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا نہ کریں جو خدا کے ہاتھ ہیں۔“

شجرہ نسب امیر خان (میر بابو)

(بابائے سودھم)

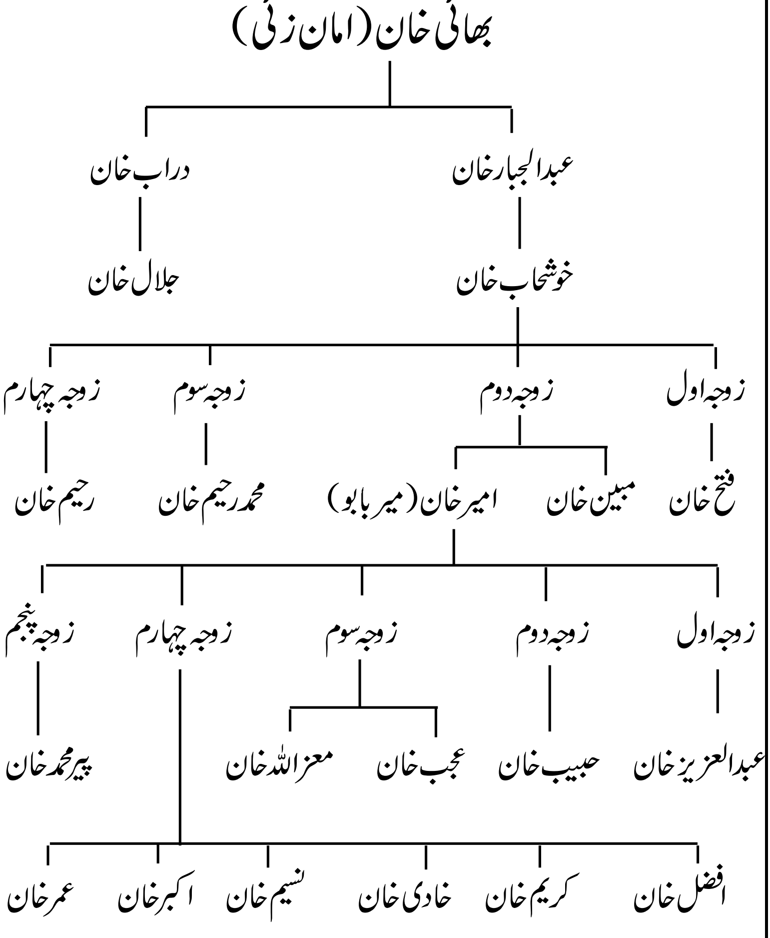

افضل خان ولد میر بابو

افضل خان 1825ء کے لگ بھگ میر بابو کے ہاں موضع حمزہ کوٹ میں پیدا ہوا تھا۔ افضل خان میر بابو کی چوتھی بیوی کا بڑا بیٹا تھا۔ بڑا ہو کر اُس نے اپنے والد کی طرح گھڑ سواری، نیزہ بازی اور تیغ زنی میں مہارت حاصل کی تھی۔ وہ جوانی میں اپنے والد کے ساتھ پلوڈھری اور رستم کے معرکوں میں بھی شریک ہوا تھا اور اس میں بڑی داد شجاعت دی تھی۔ جس کی وجہ سے تمام لوگ اس کی بہادری کے معترف تھے۔

میر بابو ایک کامیاب زندگی گزارنے کے بعد جب 1845ء کے لگ بھگ اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا، تو اُس کی وفات کے بعد جرگے کے ذریعے تمام جائیداد کو اُس کی اولاد کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ اس وقت کے رائج قانون ''رواج'' کے مطابق جائیداد بیویوں کے حساب سے تقسیم ہوتی تھی۔ جسے عرف عام میں '' پڑونے'' کہا جاتا تھا۔ جس کی رو سے میر بابو کی چوتھی بیوی کے حصہ میں موضع کٹہ خٹ اور موضع کوتر پان کی جائیداد آئی۔ میر بابو کی چوتھی بیوی کے چھ بیٹے افضل خان، کریم خان، خادی خان، نسیم خان، اکبر خان اور عمر خان تھے۔

جنگ کوتر پان:

جب افضل خان کو اپنے والد کی وفات کے بعد کٹہ خٹ اور کوتر پان کی جائیداد ملی تو اس وقت کٹہ خٹ اور کوتر پان کی جائیداد پر غیر متعلقین قابض تھے۔ میر بابو نے اپنی زندگی میں اس سارے علاقے کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ اُس دوران موضع کٹہ خٹ اور کوتر پان کے قابضین میر بابو کے پاس ایک وفد لے کر آئے تھے اور میر بابو کے ساتھ اپنی تابعداری اور وفاداری کا اظہار کیا تھا۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے وقت پر سالانہ اجارہ باقاعدگی کے ساتھ ادا کرنے کا بھی عہد کیا تھا، جس کی وجہ سے میر بابو نے اِن لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا

اوران کوزمینوں سے بے دخل نہیں کیا۔ چونکہ میر بابو کو قبیلہ کی سربراہی کی وجہ سے ہر جگہ پر توجہ دینا مشکل تھا۔ جس کی وجہ سے ان لوگوں نے در پردہ میر بابو اور اس کی اولاد کے خلاف محاذ بنا لیا تھا، لیکن یہ لوگ میر بابو کی طاقت کے سامنے بے بس تھے اور بظاہر اُس کے ساتھ اپنی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ لیکن میر بابو کی وفات کے بعد یہ لوگ پھر بغاوت پر اُتر آئے۔ ان قابضین میں زیادہ تر ہندو اور سکھ شامل تھے جو اس علاقے یعنی پختونخواہ پر سکھ راج کے دوران یہاں آکر آباد ہوئے تھے اور گلاب سنگھ کی سربراہی میں متحد ہو چکے تھے۔

جب افضل خان نے ان کوزمینیں خالی کرنے کا پیغام بھیجا تو گلاب سنگھ نے اس کے پیغام کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور اُس کے قاصد کو بے عزت کر کے واپس بھیج دیا۔ جس پر افضل خان طیش میں آ گیا اور ان لوگوں کو قرار واقعی سزا دینے کے لیے اپنے متعلقین کا ایک لشکر لے کر حمزہ کوٹ سے کوترپان کی طرف 'جانے ونڈ' کے راستے کوچ کر گیا اور کوترپان کے مغرب میں مقام خوڑ کو پار کر کے ایک کھلے میدان میں آکر پڑاؤ کر گیا۔

دوسری طرف گلاب سنگھ بھی بے کار نہیں بیٹھا تھا۔ افضل خان کے قاصد کو انکار کے ساتھ واپس بھیجنے کے بعد اُس نے کٹہ خٹ اور کوترن کے تمام قابضین کو کٹہ خٹ میں جمع کیا اور افضل خان کی متوقع ردعمل کی تدارک کے لیے جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ دراصل اُنہوں نے یہ تیاری پوشیدہ طور پر میر بابو کی زندگی میں ہی شروع کی تھی۔ جب گلاب سنگھ کو افضل خان کے لشکر کی کوچ کی خبر ملی تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ کٹہ خٹ سے کوترپان کی طرف روانہ ہوا اور اُس میدان میں آ گیا جہاں پر افضل خان پہلے سے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔

جنگ کا سماں :۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے تو گلاب سنگھ نے اپنے لشکر کو اس طرح آگے بڑھایا جس طرح جشنِ حواس میں اجنبی رقصِ مجرمانہ حرکت میں آتا ہے۔ جس طرح بے ربط

اور بے جوڑ لمحوں میں لذت لمس کے باعث خندہ واشگاف اپنا اظہار کرتی ہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے گلاب سنگھ افضل خان کے لشکر پر یادوں کے مناظر میں گھستے ناشناس سایوں، خرمن ہستی میں خوابوں کی تعبیر کو اسیر کرتی بے ثمر یادوں اور سمندر اور سبزے سے کشمکش میں مبتلا ہو جانے والی سورج کی گرم شعاعوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

افضل خان نے گلاب سنگھ کے حملوں کو اس طرح آسانی سے روکا جیسے لمحوں کا کوئی پارکھ، جیسے وقت کی رفتارِ اختیار کا کوئی بھیدی سینوں میں چھپے درد کے رشتوں، آنکھوں میں اشکوں، لبوں پر آہوں کے حروف ماضی کی اسیری تک محدود کر دیتا ہے۔

پھر افضل خان نے بھی اپنے کام کی ابتدا کی، صداؤں کی ہلچل کے اندر اس نے خدائے واحد کی تکبیریں ایسے انداز میں بلند کیں جیسے کیمیائی لفظ اپنی پوری توانائی کے ساتھ حرکت میں آ گئے ہوں۔ پھر افضل خان گلاب سنگھ کے لشکر پر اس طرح حملہ آور ہوا جیسے دست قضا کا قہر جرم جہالت کو سزا دینے کے لیے حرکت میں آیا ہو۔ جیسے وقت کے سمندر میں نوک سنان پر رقص کرتے سچے جذبوں کے جواہر اپنا رگ دکھانے لگے ہوں جیسے خلافِ فطرت ازل سے ابد تک انسانی تاریخ کا نوحہ رقم کرنے کے لیے، دکھ اور کرب بھری ہیبت ناکیاں اپنی رفعتوں کو چھونے کے لیے ہر چیز کو سیلاب کی طرح بہالے جاتی ہیں۔

افضل خان کا یہ حملہ ایسا زوردار تھا کہ جس سمت میں بھی اس نے تلوار بلند کی، دلوں کو یادوں سے خالی کرتا چلا گیا۔ بڑی تیزی کے ساتھ اس نے اپنے سامنے آنے والی صفوں کو آئینہ علوم کے ٹوٹے خوابوں سے بھی بدتر کرنا شروع کر دیا تھا۔

دونوں لشکروں کے یوں ٹکرانے سے میدان جنگ مشعلوں سے الجھتی آندھیوں کا کل شب دراز کرتے اندھیروں، سیلاب کی صورت اختیار کرنے لگا تھا۔ یخ بستی ذہنوں میں بڑی بے چینی کے ساتھ بے چین روحوں کی پکار ٹوٹنے لگی تھی۔

گلاب سنگھ بڑے ولولے بڑے جوش اور بڑے بلند ارداوں کے ساتھ افضل خان

کے سامنے آیا تھا اور اس پر حملہ آور ہونے میں پہل بھی کی تھی لیکن جب جنگ اپنے زوروں پر آئی تو گلاب سنگھ کے سارے ارادے فلاکتوں کے نشانات گور کی سی مایوسی اور اندھی کہانیوں میں تبدیل ہونے لگے تھے۔اس کے سارے ولولے رسوائیوں کی کرچیوں مٹی کے ڈھیر کی صورت اختیار کرتے چلے گئے ۔اس کے لشکریوں کے تمام حوصلے اہانت تراشتے لمحوں ، طوفانوں کی ماری دلدل کی جھاؤ اور بداعمالی کے سیاہ طیور سے بھی بدترین ہونا شروع ہو گئے تھے۔

افضل خان کے لشکریوں کی صداقتوں اور سطوت بھری تکبیریں گلاب سنگھ کے لشکریوں کی آتما کی درخشندگی فنا کرنے لگی تھی۔اپنے لہو کا صدقہ دیتے مجاہد شعاعوں کی ماورائی سفر کی طرح ایک صف سے دوسری صف میں گھستے چلے گئے تھے۔اس طرح آگے بڑھتے ہوئے اپنا راستہ بنانے لگے تھے جیسے چٹانوں پر عکس ثبت کرتے ہوئے تند خو بگولوں نے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرنا شروع کیا ہو۔افضل خان کے لشکری بڑی تیزی سے اگلی صفوں سے اندرونی قطاروں تک اور اندرونی قطاروں سے پچھلی صفوں کی طرف بڑھتے چلے گئے تھے۔پھر دیکھتے ہی دیکھتے گلاب سنگھ اور اس کے لشکریوں کے اندر بزدلی کا بنجر پن سرایت کرنے لگا تھا ان کی حالت اب میدانِ جنگ میں کرب کے آخری لمحوں ، زیست کی بے سحر شب ،صلیب کی پھیلی بانہوں کے لہو، شرر آلودہ زہر اور پستیوں کی پر اسرار گونجوں سے بھی بدترین ہونا شروع ہو گئی تھی۔

گلاب سنگھ نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی طرح افضل خان کے لشکریوں کو آگے بڑھنے سے روکے، لیکن اس کی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوسکی، کیونکہ اُس کے لشکری آگے بڑھنے کی بجائے اپنے آپ کو بچانے کی فکر میں تھے۔چنانچہ صورتحال کا ادراک کرتے ہوئے گلاب سنگھ نے شکست قبول کی اور میدان چھوڑ کر مغرب کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

افضل خان نے گلاب سنگھ کا اس طرح تعاقب کیا جیسے دشت امکان کی سرحدوں

تک روشنی تاریکیوں کا، چھاؤں دھوپ کا اور خوف کی وادیاں وہم بوتی رات کا تعاقب کرتی ہیں یا صدیوں کی تاریک اور لمحوں میں جکڑنے کے لیے وقت کی کلک کاغذ پر لفظوں کا پیچھا کرتی ہے۔

گلاب سنگھ کے لشکری افضل خان کے آگے اس طرح بھاگ کھڑے ہوئے تھے جیسے دھرتی کی بینائی میں اپنے تحفظ کی تدبیر کرنے کے لیے اور طوفانوں اور منجدھار سے بچنے کے لیے نفرت بھرے ارادے بے جہت لمحوں کی طرح بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

افضل خان نے اپنے لشکر سمیت گلاب سنگھ کا کاٹلنگ کے پہاڑیوں تک تعاقب کیا۔ اس تعاقب کے دوران اُس نے گلاب سنگھ کے لشکر کی اکثریت کا خاتمہ کر دیا گیا اور بچے کھچے لشکری اپنی جانیں بچاتے ہوئے کاٹلنگ کی پہاڑیوں میں روپوش ہو گئے۔

اس کے بعد تعاقب ختم کر کے افضل خان واپس اُس جگہ آیا جہاں جنگ ہوئی تھی۔ دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹ لیا گیا اور پھر اپنے لشکریوں سمیت حمزہ کوٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

دونوں گاؤں کی جائیداد کو اپنے قبضے میں لینے کے بعد افضل خان نے موضع کوترپان کی جائیداد اپنے بھائیوں کے حوالے کی اور خود کٹہ خٹ کے جائیداد پر براجمان ہو گیا۔ اس نے یہاں کی زمینوں کو آباد کرنے کے لیے باہر سے بہت سے لوگوں کو یہاں لا کر بسایا۔ یہ تمام لوگ اُس کے شارے پر چلتے تھے اور اس کے تابع ومتین تھے۔

افضل خان کے دور میں کٹہ خٹ کی حالت

افضل خان کو موجودہ کٹہ خٹ کا بانی کہا جاتا ہے۔افضل خان ایک سخت طبیعت رکھنے والا جاگیردار قسم کا انسان تھا۔اُس نے کٹہ خٹ کے تمام علاقے کا اختیار سنبھالنے کے بعد اس میں موجود تمام قابضین کو بے دخل کر دیا اور اپنے مزارعین کو یہاں پر لا کر آباد کیا۔صرف ہندوؤں کے چند گھرانوں کو یہاں رہنے دیا جنہوں نے اُس کی اطاعت قبول کی اور جو تجارت کا کام کرتے تھے۔

افضل خان نے جب کٹہ خٹ کے پورے علاقے کے اختیارات سنبھال لیے،تو اس وقت موضع کٹہ خٹ اور اس کے اردگرد علاقے کی حالت انتہائی ناگفتہ بہہ تھی۔اس نے گاؤں کے نام کو اپنے نام کی نسبت رکھنے کی بجائے پرانے نام ''کٹہ خٹ'' کو برقرار رکھا اور اس کو نئے سرے سے آباد کرنے کے لیے کوششوں کا آغاز کر دیا۔پرانے مکینوں کو یہاں سے بے دخل کرنے کے بعد اپنے طبیعت کے لوگوں کو دوسرے علاقوں سے یہاں لا کر آباد کیا۔اُس کے دور میں کٹہ خٹ کے لیے ترقی کی نئی راہیں کھل گئیں۔ ہر طرف آمدورفت کے لیے نئے راستے بن گئے۔زمینوں کو کھیتی باڑی کے ذریعے آباد کیا جانے لگا۔جس کی وجہ سے ہر طرف ہریالی نظر آ گئی۔آمدورفت کے لئے اچھے اچھے نسل کے گھوڑے لائے گئے اور زمینداری کے سامان کو کھیتوں تک پہنچانے کے لیے بار برداری کے جانور اور بیل گاڑیوں وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔اس طرح لوگوں کا رجحان بتدریج مال مویشی پالنے سے زمینداری کی طرف ہونے لگا اور پھر لوگوں نے بھی زمینداری کو ترقی دینے کے لئے نت نئے حربے آزمانے شروع کر دیے۔ آبپاشی کے لئے جگہ جگہ بڑے بڑے کنوئیں کھودے گئے اور اُن سے پانی نکالنے اور کھیتوں تک پہنچانے کے لئے ہرٹ لگائے جانے لگے۔جن سے بیلوں کے ذریعے پانی نکالا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ لوگوں کی اجتماعی عبادت اور نماز ادا کرنے کے لیے ایک مسجد بنائی گئی

اور اُس کے لیے پیش امام کا بندوبست کیا گیا اور اس مسجد کے ذریعے بچوں کو قرآن شریف کی تعلیم بہم پہنچانے کا بندوبست شروع کیا گیا۔لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونے کے لیے حجروں کا انتظام کیا گیا۔جن میں لوگوں کو اکٹھا بیٹھ کر اپنے اپنے مسائل پر تبادلہ خیال کرنے، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کا موقع مل گیا۔اس طرح لوگوں کی زندگی میں انفرادیت کی بجائے اجتماعیت آنے لگی۔افضل خان کی ان اقدامات کی وجہ سے کٹہ خٹ میں پشتو دور کے روایات دوبارہ زندہ ہونا شروع ہوگئے۔لوگوں کی زندگی میں خوشحالی آنا شروع ہوگئی اور لوگ آسودہ حال ہونا شروع ہونے لگے۔ترقی کا یہ عمل ایک دن میں نہیں آیا بلکہ آہستہ آہستہ شروع ہوکر آگے بڑھنے لگا۔

افضل خان نے اپنی محنت سے کٹہ خٹ کی زمینوں کو آباد کیا۔کسانوں کو سہولیات فراہم کیں اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے انتھک محنت کی۔اس طرح کٹہ خٹ کی قسمت جاگ اُٹھی اور یہاں پر خوشحالی کا دور دورہ شروع ہوا۔

افضل خان نے کٹہ خٹ کو علاقے کے دوسرے مواضعات سے زیادہ ترقیافتہ اور ماڈرن گاؤں بنانے کا تہیہ کر لیا تھا اور اس کے لیے وہ دن رات کوشاں رہتا تھا لیکن زندگی نے اُس سے وفا نہ کی اور وہ سال 1860ء میں بیمار ہو کر اس دار فانی سے رخصت ہوگیا۔لیکن اُس کے دور میں موضع کٹہ خٹ نے ترقی کا جو سفر شروع کیا تھا۔وہ اُس کے بعد اُس کی اولاد کے دور میں بھی جاری رہا۔اور وقت کے ساتھ ساتھ ان سہولیات میں اضافہ اور جدیدیت آتا گیا۔ اس طرح اب تک کٹہ خٹ کا ہر باسی اس گاؤں کو علاقے کا ماڈرن اور ترقی یافتہ گاؤں بنانے میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے اور ترقی کا یہ سفر تا حال جاری و ساری ہے۔

لطیف خان ولد افضل خان:

افضل خان کی کل چھ بیویاں (زندہ و مردہ) تھیں اور مجموعی طور پر دس بیٹے تھے۔ ان میں سب سے بڑا بیٹا لطیف خان تھا۔ افضل خان نے چونکہ موضع کٹہ خٹ کا سارا جائیداد اپنے قبضہ میں رکھا تھا۔ اس لئے اُس کی وفات کے بعد اُس کی ساری جائیداد کا مالک اُس کا بڑا بیٹا لطیف خان بن گیا۔ لطیف خان ایک متقی اور خداترس انسان تھا۔ اس لئے اُس نے تمام جائیداد کو اپنے قبضہ میں رکھنا مناسب نہ سمجھا اور کوترپان سے اپنے پانچ چچاؤں کو بلا کر ایک جرگے کے ذریعے کٹہ خٹ اور کوترپان کی جائیداد کو برابر برابر چھ حصوں میں تقسیم کر دیا و راس طرح ہر ایک کو اپنا حصہ دیا گیا۔ اس جرگے کے کام کو قانونی حیثیت دینے کے لیے انگریز سرکار کو بھی مدعو کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ جائیداد کی تقسیم کے دوران انگریز سرکار کا وفد بھی موجود تھا، جنہوں نے جرگے کی اس ساری کاروائی پر مہر ثبت کر دی۔

جرگے کی تقسیم کے مطابق افضل خان کی اولاد اور اکبر خان کو کٹہ خٹ کی جائیداد میں حصہ دیا گیا، نسیم خان کو کوترپان کی جائیداد میں حصہ ملا جبکہ کریم خان، عمر خان اور خادی خان کو دونوں جگہوں کٹہ خٹ اور کوترپان کی جائیداد میں حصہ دیا گیا۔

جرگے کی تقسیم کے بعد جو حصہ افضل خان کی اولاد کو ملا تھا، اُس کو بھی لطیف خان نے اپنے بھائیوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا اور اس طرح ہر ایک اپنے اپنے حصے پر مطمئن ہو گیا۔ جس سے ایک طرف اُس وقت سارے بھائی مطمئن ہو گئے تو دوسری طرف اُن کے اولاد کے درمیان جائیداد کا تنازعہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

باب 5

موجودہ کٹہ خٹ

جرگے کی تقسیم کے مطابق افضل خان کی اولاد اور اکبر خان کو کٹہ خٹ کی جائیداد میں حصہ دیا گیا جبکہ کریم خان، عمر خان اور خادی خان کو دونوں جگہوں کٹہ خٹ اور کوترپان میں حصہ دیا گیا۔ چنانچہ افضل خان کی اولاد کے علاوہ اکبر خان، کریم خان اور عمر خان بھی کوترپان سے کٹہ خٹ آکر آباد ہو گئے۔ ان سب نے اپنے اپنے حصے کے زمینوں کی دیکھ بھال شروع کی اور ان زمینوں کو آباد کر کے ان کی پیداواری صلاحیت کو خوب بڑھایا۔ جس کی وجہ سے جلد یہ سارے لوگ بڑھے آسودہ حال ہو گئے۔

اکبر خان، کریم خان اور عمر خان تو اپنی زندگی میں کٹہ خٹ ہی میں اپنے بھتیجوں یعنی افضل خان کے بیٹوں کے ساتھ اکٹھے رہتے رہے اور یہاں سے اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرتے رہے، لیکن اُن کے بعد اُن کی اولاد میں سے زیادہ تر نے کٹہ خٹ میں اپنے آبائی گھروں کو چھوڑا اور اپنے اپنے کھیتوں میں اپنے لیے اور اپنے زمینداروں کے لیے گھر بنا دیئے اور وہیں پر منتقل ہو گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے کٹہ خٹ کی آبادی پرانے گاؤں سے نکل کر مغرب اور جنوب میں چار چار کلومیٹر تک پھیل گئی اور چھوٹے چھوٹے دیہات کی شکل میں کئی آبادیاں معرض وجود میں آگئیں۔ جن میں کنڈر کس، چعرزو بانڈہ، گل بہار، یعقوب خان ڈھیری، سیدان ڈھیری، غریب آباد، اشرف آباد، دوبئ آڈہ، مالہ ڈھیرئی، رشید آباد، اسد آباد ، جہانزیب آباد، گل ڈھیرے اور گل آباد شامل ہیں۔ یہ سارے دیہات کٹہ خٹ کی ویلج کونسل کا حصہ ہیں کٹہ خٹ کی ویلج کونسل کی کل آبادی 2019ء کی مردم شماری کے مطابق تقریباً نو ہزار افراد پر مشتمل ہے جن میں چار ہزار سات سو مرد اور چار تین سو خواتین ہیں۔ جبکہ ووٹر لسٹ کے مطابق کٹہ خٹ میں مرد ووٹرز کی تعداد تین ہزار سات سو اور خواتین ووٹرز کی تعداد تین

ہزار تین سو سے کچھ زیادہ ہے۔گاؤں کی تمام آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔قیام پاکستان سے پہلے یہاں ہندوؤں کے چند گھرانے رہائش پذیر تھے۔ جو قیام پاکستان کے وقت ہجرت کر کے ہندوستان منتقل ہو چکے ہیں۔

موجودہ وقت میں کٹہ خٹ کا ویلج کونسل قریباً پانچ ہزار مکانات پر مشتمل ہے۔گاؤں میں تقریباً تمام مکانات پکے ہیں اور کوئی خام آبادی موجود نہیں ہے۔کٹہ خٹ کے مغربی سرحد پر ''دوبئ اڈہ'' اور جنوبی سرحد پر ''کٹہ خٹ چوک'' کے نام سے دو مشہور بازار ہیں۔ جہاں سے پورے علاقے کے لوگ اشیائے ضرورت حاصل کرتے ہیں۔گاؤں کا رقبہ چالیس ہزار کنال یعنی دس ہزار جریب پر مشتمل ہے۔محل وقوع کے اعتبار سے اس کے شمال میں باریکاب، جنوب میں گجرات اور بھائی خان، مغرب میں جھونگڑھ اور ساولڈھیر جبکہ مشرق میں باریکاب اور کوتر پان واقع ہیں۔اس کے مشرق میں مشہور زمانہ صاف وشفاف پانی والا مقام خوڑ (ندی) بہتی ہے جو آگے کچھ فاصلے پر مغرب کی سمت بل کھاتی ہوئی گجرات، جھونگڑھ اور بخشالی سے ہوتی ہوئی جنوب میں شہباز گڑھی کی طرف نکلتی ہے۔اس خوڑ کے دونوں طرف زرخیز کھیت ااور کھلیان کی موجودگی اس کی خوبصورتی کو دوبالا کرتی ہے۔

کٹہ خٹ ایک عجیب اور مسحور کن خوبصورتی کا حامل گاؤں ہے یہاں کے لہلہاتے کھیت، یہاں کی دکانیں وعمارات، صاف وشفاف بہتا پانی اور ہر طرف ہریالی رکھنے والا یہ گاؤں مہمان نواز اور قدردان پختونوں کا مسکن ہے۔ اس کی تمام سڑکیں پختہ ہیں اور تین اطراف میں صاف وشفاف پانی والی ندیاں بہتی ہیں۔اس ندیوں یا خوڑ میں یہاں کے مقامی لوگ مچھلیاں پکڑتے ہیں جو لذت میں بے مثال ہوتی ہیں۔ یہاں کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں پر قبیلہ آمان زئی کے مالکان کے علاوہ مختلف قبائل آباد بھی ہو چکے ہیں۔سبھی لوگ بھائیوں کی طرح پرامن اور پرسکون طریقے سے رہتے ہیں کوئی بھی اسلحہ رکھنے کا شوق نہیں رکھتا۔یہی وجہ ہے کہ یہاں پر کسی قسم کی دشمنی نہیں پائی جاتی۔

یہاں پر مالکانہ حیثیت میں یوسف زئیوں کے ذیلی قبیلے آمان زئی کے لوگ آباد ہیں اس کے علاوہ آمان زئی قبیلے کے کچھ اور لوگ جو اپنے آپ کو خیر دین خیل کہلاتے ہیں، گڑھی امان زئی سے ہجرت کر کے یہاں پر مستقل سکونت اختیار کر چکے ہیں، لیکن یہاں مقامی لوگ اُن کو اب تک گڑھی وال پٹھان کے نام سے پکارتے ہیں اور برادری (آمان زئی قبیلہ) کے لوگ ہونے کی وجہ سے ان کو اپنی غم اور خوشی میں شامل کرتے ہیں۔ خیر دین خیل کے یہ لوگ نہایت ہی جفاکش اور محنتی ہیں۔ یہ انہی میر بابوخیلوں کے زمینوں پر محنت کرتے ہیں اور کٹہ خٹ کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ میر بابوخیلوں کے لیے بڑے وفادار لوگ ہیں اور کسی بھی مصیبت میں مثلاً باہر کے دشمن کا حملہ ہو یا اندرونی کوئی مصیبت ہو ان پر مکمل اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ اب دیر بالا سے بھی کچھ گھرانے ملی زئیوں کے یہاں آ کر آباد ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ سپورٹ قبائل میں یہاں باغبان، اعوان، غورغشت، لوہار ،ترکھان، اور زمینداروں کے دوسرے قبیلے بھی آباد ہیں، جو دن رات محنت کر کے گاؤں کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

موضع کٹہ خٹ میں تعلیم کی شرح کافی زیادہ ہے، ایک سروے کے مطابق یہاں کی شرح خواندگی 80 فیصد سے زیادہ ہے لڑکوں کے لیے ایک ہائیر سیکنڈری سکول اور لڑکیوں کے لئے الگ ایک ہائی سیکنڈری سکول مقامی طور پر (پرانے کٹہ خٹ) میں قائم ہیں جبکہ ویلج کونسل کٹہ خٹ میں لڑکوں کے لیے ایک اور ہائی سکول گورنمنٹ ہائی سکول مالہ ڈھیری اور لڑکیوں کے لیے بھی ایک اور ہائی سکول گورنمنٹ ہائی سکول مالہ ڈھیری کے نام سے قائم ہیں۔ اس کے علاوہ دس سے بارہ گورنمنٹ پرائمری سکول لڑکوں کے لیے اور چھ گورنمنٹ پرائمری سکول لڑکیوں کے لیے بھی موجو ہیں۔ اس کے علاوہ کئی پرائیویٹ سکولز بھی موجود ہیں جو تعلیم کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہاں سے فارغ التحصیل طالب علم ملک کے مختلف محکموں میں ملک کی خدمت کرنے کے علاوہ یہاں کے باسی بیرون ملک میں بھی خدمات

انجام دے کر ملک کے لیے قیمتی زرمبادلہ کما رہے ہیں۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ صحت مندانہ سرگرمیوں کے لیے گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول کے ساتھ ایک بڑا گراونڈ اور ایک جم بھی بنایا گیا ہے۔ فارغ وقت میں گاؤں کے لڑکے اس گراونڈ میں مختلف کھیل کھیلتے ہیں اور جم میں مختلف آلات کی مدد سے ورزش کرتے ہیں۔اس کے علاوہ اسی گراونڈ میں سال میں ایک دفعہ سرکاری طور پر مختلف کھیلوں کے ٹورنامنٹ کا انعقاد کرایا جاتا ہے۔جبکہ پرائیویٹ طور پر گاؤں کے لوگ اس گراونڈ میں سال میں کئی کئی کرکٹ کے ٹورنامنٹ منعقد کراتے ہیں۔جس سے صحت مندانہ سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ تفریح کا ایک اچھا موقع بھی فراہم ہوتا ہے۔

اچھی صحت کے ساتھ ساتھ بیماریوں کی روک تھام بھی لازمی ہوتی ہے۔اس مقصد کے لیے کٹہ خٹ میں ایک بنیادی صحت کا مرکز (BHU) بھی قائم کیا گیا ہے۔جس میں ایک (MBBS) ڈاکٹر سمیت پندرہ افراد لوگوں کو علاج معالجے کی سہولت بہم پہنچانے کے لیے دن رات سرگرداں رہتے ہیں۔

باب 6

مختلف شعبوں میں اہالیان کٹہ خٹ کی کارکردگی

ا۔ احیائے دین:۔

دین اور دینی علوم کے لحاظ سے کٹہ خٹ کے لوگ بہت خوش قسمت ہیں۔ یہاں ایک مشہور شخصیت مولانا محمد اسحاق صاحب جو پیر سباک کی اولاد میں سے تھے اور دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے، نے رستم سے یہاں آکر دین کی اشاعت اور ترویج کا کام شروع کیا تھا۔ وہ ولی اللہ تھے اور اُس کی تقریر میں بلا کا اثر تھا۔ وہ انسانوں کے ساتھ ساتھ جنوں کو بھی درس دیتے تھے۔ اُس نے نئے انداز سے لوگوں کی دینی تربیت شروع کی جس کی وجہ سے اکثر لوگ جو دین سے بے بہرہ تھے اور جو دنیاوی مشغلوں کی وجہ سے دینی اُمور کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے، اُن میں بھی دین سیکھنے کا جذبہ پیدا ہو گیا اور لوگ دنیاوی اُمور کے ساتھ ساتھ دین کے کاموں کی طرف بھی راغب ہو گئے۔ مولانا محمد اسحاق صاحب کئی سال تک لوگوں کی دینی خدمت کرنے کے بعد سال 1915ء میں وفات پا گئے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹوں سے نوازا تھا۔ جن میں بڑا بیٹا محمد صاحب اور چھوٹا بیٹا محمد یعقوب صاحب تھا۔ محمد صاحب کی پیدائش سال 1905ء اور یعقوب صاحب کی پیدائش سال 1907ء میں ہوئی تھی۔ دونوں بیٹے اپنے باپ کی طرح نہایت دیندار تھے۔ دونوں بیٹوں نے باپ کی زندگی میں ہی دینی علوم حاصل کرنا شروع کیے تھے۔ باپ کی وفات کی وجہ سے اُن کا سلسلہ تعلیم کچھ وقت کے لیے منقطع ہو گیا تھا، لیکن بعد میں گاؤں کی بزرگوں کے مالی مدد اور حوصلہ افزائی سے دونوں نے مدرسہ دیوبند (ہندوستان) جا کر حصول علم کو دوبارہ شروع کیا اور دونوں مدرسہ دیوبند سے فارغ التحصیل ہو گئے۔ دونوں نے واپس کٹہ خٹ آکر یہاں پر دین کی نشر و اشاعت اور لوگوں کو دینی علوم میں تربیت کرنے کا

فیصلہ کرلیا۔ یہاں کے لوگوں نے بھی اُن کی بڑی عزت افزائی اور قدردانی کی۔جس کی وجہ موضع کٹہ خٹ سے دین کے پوارے پھوٹنے لگے اور لوگ دور دور سے آ کر اُن کی صحبت میں وقت گزارنے لگے اور اُن سے دینی علوم سیکھنے لگے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب اور ان کے دونوں بیٹوں کا نام آج بھی تمام علاقے کے لوگوں کے لیے باعث فخر ہیں۔ان کے گھرانے کو آج بھی لوگ احترام وتوقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔اگر چہ اُن میں مولوی محمد یعقوب صاحب کے بیٹے مولوی محمد طیب کے علاوہ کوئی اور دین کی تعلیم وترویج کے لئے آگے نہیں بڑھا،لیکن پھر بھی لوگوں کے دلوں میں اُن سے محبت اور اُن کے لیے وہی عزت واحترام کا مقام موجود ہے۔ان حضرات کی اولاد نیک ہونے کے ساتھ ساتھ حکمت اور طب کے شعبہ میں لوگوں کی بے پناہ خدمت کرر ہے ہیں۔نیک سیرت اور اچھے اخلاق کے مالک ہونے کی وجہ اُن کے ہاں ہر وقت مریضوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

۲۔ تعلیم کے میدان میں

تعلیم کے لحاظ سے دیہہ کٹہ خٹ کی مٹی بہت زرخیز ہے۔ یہاں کے سپوت تعلیم کے میدان میں اپنی قابلیت اور استعدادی صلاحیت کا لوہا بین الاقوامی طور پر منوا چکے ہیں اور ایک دنیا اُن کی صلاحیتوں کی معترف ہے۔اگر چہ اس موقع پر تعلیم کے میدان میں تمام سپوتوں کی صلاحیتوں کا احاطہ کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے لیکن اختصار کے طور پر چند کا تذکرہ کیا جائیگا۔

اگر چہ آج کل ویلیج کونسل کٹہ خٹ کی سطح تک لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے تعلیم کے یکساں مواقع موجود ہیں۔ویلیج کونسل کٹہ خٹ میں لڑکوں کے لیے ایک گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول کٹہ خٹ اور ایک گورنمنٹ ہائی سکول مالہ ڈھیری،جبکہ لڑکیوں کے لیے بھی ایک گورنمنٹ ہائی سکول کٹہ خٹ اور ایک گورنمنٹ ہائی سکول مالہ ڈھیری موجود ہیں۔ جہاں سے فارغ

التحصیل طلباء و طالبات زندگی کے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور لوگوں کی خدمت کے ساتھ ساتھ ملک کے لیے بھی نیک نامی کا باعث بن رہے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والوں میں جناب فخر عالم خان ولد موسیٰ خان کا نام سرفہرست ہے۔جس نے تعلیم کا اعلیٰ اعزاز یعنی ڈاکٹریٹ کی ڈگری (Phd) حاصل کی ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اُس نے پشاور کے آئی ایم سائنس انسٹیٹوٹ کو بطور آسسٹنٹ پروفیسر جائن کیا اور کئی سال تک وہاں پر علم کی روشنی پھیلانے کے ساتھ ساتھ ترقی کے مدارج بھی طے کرتا ہوا پروفیسر کے عہدے تک پہنچ گیا ہے۔آج کل وہ ڈیپوٹیشن پر سعودی عرب گیا ہوا ہے اور وہاں پر کنگ فہد یونیورسٹی دمام میں بطور پروفیسر خدمات انجام دے رہا ہے۔وہاں پر اُس کا نام اُن چیدہ چیدہ معزز پروفیسروں میں شامل ہے جن پر کنگ فہد یونیورسٹی فخر کرتی ہے۔

اس کے علاوہ راقم یعنی مصنف عبیداللہ خان یوسف زئی ایگریکلچرل انجنیئرنگ میں بی ایس کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد محکمہ اصلاحی آبپاشی پختونخواہ میں تیس سال ملک وقم کی خدمت کر چکا ہے۔اس کے علاوہ محمد انعام خان ولد محمد انور خان یوسفزئی اور حمزہ اللہ خان دلد عبیداللہ خان یوسفزئی دونوں حضرات وکالت کی مد میں ایل ایل بی (LLB) کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔محمد انعام خان یوسف زئی تو وکالت کے شعبے سے تعلیم کے شعبے میں منتقل ہو چکے ہیں اور آج کل گورنمنٹ کالج خیرآباد (رُستم) میں لڑکوں کو وکالت کی تعلیم سے آراستہ کر رہے ہیں جبکہ حمزہ اللہ خان نے ابھی ابھی وکالت کے شعبے کو جائن کرلیا ہے اور اُس نے اس شعبے میں لوگوں کی خدمت کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے حضرات ایم اے، ایم ایس سی، بی اے، بی ایس سی، بی کام اور ایم کام کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں اور مختلف شعبوں میں ملک وقوم کی خدمت کر کے ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔ جبکہ بہت سے حضرات اب بھی مختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

۳۔ کھیل کے میدان میں

یہاں کے نوجوان اسلحہ کی بجائے قلم وقرطاس ،شکار اور کھیل کود سے شوقین ہیں۔ یہاں کے نوجوان دیسی کشتی (کبڈی)، والی بال اور کرکٹ بڑے شوق سے کھیلتے ہیں۔

i۔ دیسی کشتی (کبڈی)

دیسی کشتی (کبڈی) پہلے پہل یہاں کا مشہور کھیل ہوتا تھا۔ یہ کھیل موسم بہار میں عصر کے وقت کھیلا جاتا تھا۔ موسم بہار میں تمام لوگ ظہر سے ہی اپنا کام کاج چھوڑ کر دیسی کشتی (کبڈی) کے میدان میں پہنچ جاتے تھے۔ دیسی کشتی (کبڈی) کے کھلاڑی بھی خوب سج دھج کر میدان میں اُترتے تھے۔ میدان کے وسط میں ایک گول دائرے کی شکل میں مٹی کو نرم کر کے کھیلنے کے لیے جگہ (کاڑہ) بنایا جاتا تھا۔ جس میں لڑنے والے دونوں کھلاڑی ایک دوسرے پر مختلف قسم کے داؤ پیچ استعمال کرتے تھے اور ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ باقی تمام لوگ ایک بہت بڑے پنڈال (گول دائرے) کی شکل میں کاڑے سے دور مقابلہ دیکھنے کے لیے بیٹھ جاتے تھے۔ مقابلے میں جیتنے والے کھلاڑی پر انعامات کی بارش ہوتی تھی اور لوگ ڈول کی تھاپ پر بھنگڑا ڈال کر اپنی خوشی کا اظہار کرتے تھے، جبکہ کچھ منچلے ہوائی فائرنگ کر کے اپنی خوشی کا اظہار بھی کرتے تھے۔

دیسی کشتی (کبڈی) میں یہاں کی مٹی نے بڑے بڑے نامور پہلوان پیدا کیے ہیں۔ جن کی پہلوانی کا نہ صرف اس سارے علاقے میں چرچا ہوتا تھا بلکہ باہر کے اضلاع سے بھی پہلوان اُن سے مقابلہ کرنے کے لیے آتے تھے اور اُن سے مقابلہ کرنا اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتے تھے۔ ان پہلوانوں میں بوستان خان دیسی کشتی (کبڈی) کا ایک نامی گرامی کھلاڑی تھا۔ جو راقم کا نانا تھا اور جس کی پہلوانی پر سارے خاندان کو فخر ہوتا تھا اور اُس کو اپنے

خاندان کے علاوہ پورے علاقے میں بڑی قدرومنزلت حاصل تھی۔ جب تک وہ کھیلتا رہا، کوئی بھی اس کو شکست نہیں دے سکا تھا۔ یہاں تک کہ فریق مخالف اُس کو شکست دینے کے لیے بنوں اور کوہاٹ جیسے دور دراز کے اضلاع سے جو پہلوانی کے گڑھ ہوتے تھے، پہلوان لا کر میدان میں اُتارتے تھے۔لیکن جب تک وہ کھیلتا رہا، کوئی اُسے شکست نہ دے سکا تھا۔اُس کی مٹھی میں اتنا زور ہوتا تھا کہ جب وہ کسی مخالف پہلوان کے ساتھ پنجہ ملاتا تو وہ پہلوان بہت زور لگا کر بھی اپنا ہاتھ اُس سے نہیں چھڑا سکتا تھا۔

ii۔ والی بال

وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی توجہ کبڈی سے والی بال کی طرف ہوگئی اور پھر عصر سے پہلے والی بال کے لیے لوگ نٹ لگا کر کھیلنے لگ جاتے تھے۔گاؤں میں کئی جگہوں پر والی بال کے لیے نٹ لگ جاتے تھے اور بہ یک وقت کئی کئی ٹیمیں تیار ہوتی تھیں۔عمر کے لحاظ سے زیادہ کھلاڑیوں کی ٹیم سینئر کہلاتا تھا اور وہ باہر کے دوسرے مواضعات سے مقابلے بھی کرتے تھے۔

والی بال کا کھیل ستمبر سے شروع ہو کر اگلے سال اپریل تک کھیلا جاتا تھا۔ یہ کھیل بھی عصر ہی کے وقت کھیلا جاتا تھا۔ستمبر کے وسط میں جب گرمی کا زور ٹوٹ جاتا، تو نوجوان کھلاڑی گراونڈ میں نٹ لگا کر عصر سے شام کے اندھیرے تک والی بال کھیلتے تھے۔ یہ کھیل بھی بہت زیادہ مقبول تھا اور کھیلنے کے ساتھ بچے، جوان اور بوڑھے سب اس کھیل میں اپنے کھلاڑیوں کی کھیل دیکھنے کے لیے گراونڈ میں جمع ہو جاتے تھے۔کھلاڑیوں کی کارکردگی پر بحث بھی کرتے تھے اور اُن میں مزید مہارت پیدا کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔ جب کبھی کسی دوسرے گاؤں سے دوستانہ مقابلہ ہوتا، تو اُس روز تو پورے گاؤں میں ایک جشن کا سا سماں ہوتا تھا۔ لوگ مہمانوں کے آنے سے کافی دیر پہلے ہی گراونڈ پہنچ جاتے تھے اور اپنے کھلاڑیوں کی حوصلہ

افزائی کرنے لگتے تھے۔دیسی کشتی (کبڈی) کی طرح والی بال میں بھی یہاں سے مقامی طور پر بڑے بڑے کھلاڑیوں نے جنم لیا ہے۔جنہوں نے آگے چل کر کالج اور یونیورسٹیوں کی سطح پر بھی والی بال کے مختلف مقابلوں میں اپنے گاؤں اور علاقے کا نام روشن کیا ہے۔

iii۔کرکٹ

وقت کے ساتھ ساتھ کھیل کی دنیا نے بھی کروٹ بدلی اور والی بال کی بجائے کرکٹ کا کھیل مقبول ہوگیا۔میڈیا کی پذیرائی کی وجہ سے جہاں سارے ملک میں لوگ کرکٹ پر توجہ دینے لگے،وہاں کٹہ خٹ کے نوجوان طبقہ میں بھی اس کھیل نے رواج پکڑا اور نوجوان گلی کوچوں، گراونڈز اور کھیتوں ،غرض ہر جگہ میں کرکٹ کھیلنے لگے۔جس کی وجہ سے دیسی کشتی (کبڈی) اور والی بال کا کھیل زوال پذیر ہوگیا اور اُس کی جگہ کرکٹ نے لے لی۔اب تو حالت یہ ہوگئی ہے کہ بچے، جوان اور، بڑے،ان پڑھ اور تعلیم یافتہ ہر کوئی فارغ وقت میں ہاتھ میں بیٹ اور بال اُٹھائے گراونڈ کا رخ کرتے ہیں اور کرکٹ کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔چھٹی والے دن تو صبح سے ہی لوگ گراونڈ میں کرکٹ کھیلنے لگ جاتے ہیں۔اس کھیل کے لیے وقت اور موسم کا کوئی تعین نہیں ہے۔یہ کھیل سارا سال صبح،شام کھیلا جاتا ہے۔علاقائی سطح پر اس گاؤں نے کرکٹ میں بھی بڑے بڑے کھلاڑی پیدا کیے ہیں۔جنہوں نے آگے چل کر مختلف کلبوں کی طرف سے کھیل کر بڑا نام کمایا ہے۔

۴۔ زراعت کے میدان میں

پہلے پہل جب کٹہ خٹ معرضِ وجود میں آیا تھا،تو یہاں پر لوگوں کا ذریعہ آمدن صرف مال مویشی پالنے اور اُن سے حاصل ہونے والی آمدنی پر ہوتا تھا۔کیونکہ اُس وقت آبپاشی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے سارا علاقہ بارانی ہونے کی وجہ سے بنجر پڑا ہوا تھا اور کسی بھی قسم کی فصل کا نام ونشان تک نہیں تھا۔گاؤں کی یہی حالت افضل خان ولد میر بابو کے دور تک رہی۔پھر سال

1845ء کے لگ بھگ افضل خان نے یہاں آ کر زمینوں کو آباد کرنے پر توجہ دی اور آبپاشی کے جگہ جگہ بڑے بڑے کنویں کھدوائے، جس پر ہرٹ لگا کر زمینوں کو وقتی طور پر سیراب کرنے کا انتظام کرلیا گیا۔ اگرچہ اس نظام سے محدود پیمانے پر زمین آباد ہونے لگی اور فصل اُگانے کی قابل ہوگئی، لیکن پھر بھی لوگوں کو مویشی پالنے کا ایک متبادل ذریعہ میسر آ گیا۔ جس میں لوگوں نے نہ صرف بڑھ چڑھ کر اپنی دلچسپی کا اظہار کر دیا، بلکہ تقریباً ایک چوتھائی لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول ہوگئی۔ اس طرح محدود پیمانہ پر ایک قسم کی زمیندارہ کا آغاز ہوگیا۔

آبپاشی کا یہ نظام ملاکنڈ اریگیشن سکیم سے پانی سپلائی تک چلتا رہا۔ پھر انگریز سرکار نے دریائے سوات سے ملاکنڈ پہاڑ میں سرنگ کے ذریعے نہر نکالنے اور موجودہ ضلع مردان اور ضلع صوابی کی زمینوں کو سیراب کرنے کا منصوبہ بنالیا۔ کام کے لحاظ سے ایک بہت بڑا منصوبہ تھا۔ اس لیے یہ منصوبہ سال 1907ء سے شروع ہوکر سال 1914ء تک سات سال کی مدت میں مکمل ہوگیا۔ پھر اس کے لیے ضلع مردان اور ضلع صوابی کے حدود میں نہروں، چھوٹی شاخیں اور کھیتوں تک پانی سپلائی کرنے کے لیے کھالیں بنانے کا کام دو سال میں مکمل ہوگیا۔ اس طرح سال 1916ء کے آخر میں اس نہر اپر سوات (Upper swat canal) میں پانی تجرباتی طور پر چھوڑا گیا۔

نہروں اور کھالوں کے ذریعے زمینوں تک پانی مہیا ہونے سے جس طرح اس پورے خطے کی زراعت میں ایک انقلاب برپا ہوا، وہاں کٹہ خٹ کی زمینوں نے بھی سونا اُگلنا شروع کر دیا۔ اس طرح زراعت دوسرے علاقوں کے ساتھ ساتھ اہالیان کٹہ خٹ کے لیے بھی ایک منافع بخش کاروبار بن گیا۔

اُس وقت سے لے کر آج تک زراعت یہاں کے لوگوں کا سب سے بڑا ذریعہ آمدن ہے اور اس گاؤں کے 80 فیصد لوگ اس شعبے سے وابستہ ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ شعبہ لوگوں کی توجہ کا مرکز ہے اور لوگ اس شعبے کی ترقی کے لیے انتھک محنت کر رہے ہیں۔ لوگوں کی

ان کاوشوں کی وجہ سے یہ شعبہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

آبپاشی زراعت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا کام دیتی ہے۔ چونکہ یہاں پر آبپاشی کے لیے ایک مکمل نہری نظام موجود ہے۔ موضع کٹہ خٹ کی زمینوں تک آبپاشی کا پانی نہر اپر سوات کے مچئی برانچ سے مالہ مائنر، مدو مائنز اور گجرات مائنر کے ذریعے آتا ہے اور پھر چھوٹے چھوٹے کھالوں کے ذریعے کھیتوں تک پہنچ جاتا ہے۔ چونکہ ایک تحقیق کے مطابق پاکستان کے نہری نظام میں ہر سال چھ ایکڑ فٹ پانی ضائع ہوتا ہے۔ جو کہ تربیلہ جھیل کے پانی کے برابر ہے، جس کی وجہ سے زمین کی پیداواری صلاحیت بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے اور پانی بروقت کھیتوں کو پہنچ نہیں پاتی۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے حکومت پاکستان نے سال 1975ء میں محکمہ اصلاح آبپاشی (Water Management) کے ذریعے کھالوں کو پختہ کرنے کا ایک منصوبہ شروع کیا۔ تاکہ پانی کی ضیاع کو روکا جاسکے۔ اس منصوبے کے تحت حکومت پاکستان نے پختونخواہ میں پندرہ ہزار کھالوں کو پختہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس پروگرام سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کٹہ خٹ ہی کے ایک سپوت عبیداللہ خان یوسف زئی (مصنف کتاب) کی وساطت سے جو محکمہ اصلاحی آبپاشی میں بطور ڈسٹرکٹ ڈائریکٹر تعینات تھا، لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت کٹہ خٹ کے تمام کھالوں کو پختہ کیا ہے۔ جس سے ایک طرف کھالوں میں پانی کا ضیاع رک گیا اور پانی کی کمی پر قابو پایا جا چکا، تو دوسری طرف زمین کی پیداواری صلاحیت بھی بڑھ گئی ہے اور اس طرح علاقے میں فصلوں کے لیے پانی کی کمی کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو چکا ہے۔ یہاں کی زمین جس طرح مردم خیز ہے اس سے بڑھ کر یہ بڑی زرخیز بھی ہے۔ یہاں پر ورجینیا، تمباکو، چاول، گنا، گندم، مکئی کے علاوہ مختلف قسم کی سبزیاں اور فصلیں اُگائی جاتی ہیں۔ یہاں کا امرود، لوکاٹ، آڑو اور لیچی اپنی لذت کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

۵۔ سیاست کے میدان میں

سیاست میں موضع کٹہ خٹ کا ہر فرد اپنا ایک الگ پہچان رکھتا ہے ۔ملکی اور بین الاقوامی معاملات پر ہر ایک گہری اور عمیق سوچ رکھتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ پاکستان اور عالمی سیاست کے بارے میں کٹہ خٹ کے باسیوں کے نقطہ نظر کی ایک اعلیٰ پہچان ہے۔سیاست کے میدان میں اس گاؤں کی زمین کافی زرخیز ہے اور اس میں مختلف اوقات میں مختلف قدآور شخصیات پیدا ہوئے ،جنہوں نے نہ صرف علاقائی بلکہ ملکی سطح پر بھی بڑا نام کمایا۔جن میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سیاسی میدان میں ایک بڑا نام میر بابو امان زئی بابائے سدھوم کے ایک نواسے اور ہر دلعزیز شخصیت شمس الزمان خان کا ہے ،جو عبدالغفار خان (باچا خان) کی خدائی خدمتگار تحریک میں ہراول دستے کا سالار تھا اور بعد میں اسی نام یعنی سالار خان سے مشہور بھی ہوا۔اس تحریک میں اُس نے باچا خان کے ایک معتمد ساتھی کی حیثیت بڑی بڑی قربانیاں دیں ۔انگریز دور میں علاقہ مردان میں خدائی خدمتگار تحریک کے صف اول کے اشخاص میں شامل ہونے کی وجہ سے ہری پور جیل اور بلوچستان کے مچھ جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کیں،اُس پر انگریزوں نے ہر قسم کے مکاری کے حربے آزمائے اور اُن کو خان عبدالغفار خان کا ساتھ چھوڑنے کے لیے لالچ دینے کے ساتھ ساتھ جبر وتشدد اور ظلم و بربریت کا بھی بے دریغ استعمال کیا۔لیکن وہ تو استقامت کے پہاڑ تھے اور اپنی زندگی میں ایک انچ بھی اپنی مشن اور باچا خان کی حمایت سے پیچھے نہ ہٹے۔یہاں تک کہ انگریز کی ظلم اور بربریت سے تنگ آکر اُس کو اپنے بھائیوں نے بھی منت سماجت کی کہ باچا خان کی حمایت ترک کرکے اپنے علاقے میں ایک خان کی طرح خوشگوار زندگی گزارے،لیکن اُس نے گاؤں میں ایک خان کی حیثیت سے خوشگوار زندگی گزارنے پر لوگوں کی خدمت کرنے اور انگریزوں کے خلاف جہاد میں جیل کی

تکالیف برداشت کرنے کو ترجیح دی۔ اُس کو نہ صرف انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں صعوبتیں برداشت کرنی پڑی بلکہ پاکستان بننے کے بعد مسلم لیگ کی حکومت کے ہاتھوں بھی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور کئی بار جیل جانا پڑا۔لیکن اس کے باوجود وہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک بڑی استقامت کے ساتھ باچا خان کے سپاہی کا کردار ادا کرتا رہا اور اُس کی مشن کو آگے بڑھاتا رہا۔اس کی وفات کے بعد اُس کے بیٹوں اور نواسوں نے بھی اُس کے مشن کو جاری رکھا ہوا ہے۔اُس کا ایک بیٹا زرشاد خان دو دفعہ عوامی نیشنل پارٹی کے پلیٹ فارم سے پختونخواہ کی صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑ چکا ہے جبکہ زرشاد خان کیساتھ ساتھ اُس کے دو اور بیٹوں ہمت علی خان اور نشتر علی خان کو بھی 1977ء میں حکومتِ وقت کے خلاف پاکستان قومی اتحاد کی تحریک میں ہراول دستے کا کردار ادا کرنے پر ہری پور جیل کی قید و بند اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔لیکن یہ تکالیف اب تک اُن کو اپنے مشن سے ہٹا نہ سکے ہیں اور وہ تمام برابر باچا خان کے مشن کی کامیابی کے لیے تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ گاؤں کے دوسرے امان زئی خوانین شاہی زمان خان کی قیادت میں پاکستان بنانے کے لیے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے جد جہد کرتے رہے تھے اور اُن کو بھی انگریز حکومت کے ہاتھوں کئی بار تشدد کا نشانہ بننا پڑا تھا،لیکن وہ پھر بھی مسلم لیگ کے ہراول دستے کے طور ان تکالیف کو برداشت کرتے رہے ہیں اور پاکستان بنانے میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے بڑی بڑی قربانی دے چکے ہیں۔ان سب کی ان لازوال قربانیوں کی وجہ سے ملک پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔

پاکستان بننے کے بعد بھی اُن کی جد جہد ختم نہیں ہوئی اور وہ پاکستان کے استحکام کے لیے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے جد جہد کرتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے جد جہد کرنے والوں میں موضع کٹہ خٹ کے خوانین میں سے ایک نام عبداللہ خان امان زئی کا ہے۔عبداللہ خان ولد مکرم خان بھی میر بابو امان زئی کی اولاد میں سے

تھے۔ وہ تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے جدجہد کرتا رہا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد بھی اُس نے اس پلیٹ فارم کو نہ چھوڑا اور بغیر کسی لالچ اور طمع کے وہ پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے لیے کوشاں رہتا تھا اور اس کے لیے جدوجہد کرتا رہتا تھا۔ پاکستان کے لیے اپنی اس جدجہد اور خدمات کی وجہ سے وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے 1958ء میں پہلے صوبائی اسمبلی کا ممبر (MPA) منتخب ہوا تھا اور پھر ون یونٹ کے بننے کے بعد میں مغربی پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کا ممبر (MLA) منتخب ہوا تھا۔ چونکہ عبداللہ خان ایک قوم پرست انسان تھے اور اُس میں پاکستان کے ساتھ ساتھ اپنے علاقے اور گاؤں کے لوگوں سے محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس لیے اتنے بڑے پلیٹ فارم پر پہنچ کر بھی وہ اپنے علاقے اور اپنے لوگوں کو نہیں بھولا۔ وہ ہر ایک سے پیار و محبت سے پیش آتا تھا اور لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیے کوشاں رہتا تھا۔ اُس کی اپنے علاقے اور گاؤں کے لوگوں کی انفرادی خدمت کے ساتھ ساتھ چند اجتماعی کارنامے بھی اب تک لوگوں کے ذہن میں تر تازہ ہیں اور لوگ اس پر فخر کرتے ہیں۔ اُس کی گاؤں کے لیے سرفہرست اور بڑا منصوبہ بجلی کی منظوری حاصل کرنا تھی۔ اُس وقت جب علاقے کے بڑے بڑے گاؤں تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے ، کٹہ خٹ جیسے دور اُفتادہ اور چھوٹے گاؤں کے لیے بجلی کی ترسیل جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ لیکن عبداللہ خان کی ملک اور اپنی پارٹی کے لیے بے لوث خدمات نے اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ اس کے علاوہ اس کی خدمات میں لڑکوں کے لیے مڈل سکول کا قیام اور کٹہ خٹ جیسے دور اُفتادہ علاقے کے لیے ڈاک خانے کا قیام شامل ہے۔ جس کی وجہ سے لوگوں کا اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک میں بھی مقیم اپنے پیاروں سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا تھا اور جس کی وجہ سے لوگوں کو اندرون ملک کے ساتھ ساتھ باہر کے ممالک کے حالات سے بھی آگاہی حاصل ہونا شروع ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ عبداللہ خان نے کٹہ خٹ کا درجہ گاؤں سے بڑھا کر یونین کونسل کر دیا

تھا اور اس یونین کونسل میں دوسرے بڑے دیہات باریکاب، پلوڈھیری۔ حمزہ کوٹ، جلیل وغیرہ کو شامل کر لیا تھا۔ بعد میں وہ خود اس یونین کونسل کے پہلے چیرمین بھی منتخب ہو گئے تھے۔ اُس کا سارا خاندان مقامی سیاست کا جزو لاینفک ہے۔ اس کے بعد اس کا چھوٹا بھائی اشرف علی خان بھی کٹہ خٹ یونین کونسل کا چیرمین منتخب ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ عبداللہ خان کا ایک بیٹا محمد سلیم خان اور ایک نواسا طارق سلیم بھی پختونخواہ کی صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑ چکے ہیں۔

۶۔ خدمات (سرکاری نوکری):

سرکاری سطح پر قومی خدمات انجام دینے والوں میں عبداللہ خان امان زئی کا ایک بیٹا محمد اعظم خان صوبہ پختونخواہ کا چیف سیکرٹری اور وزیر اعظم پاکستان کا پرنسپل سیکرٹری رہ چکا ہے۔ جبکہ اُس کا دوسرا بھائی محمد اصعر خان محکمہ انکم ٹیکس میں کمشنر کے عہدے پر قوم کی خدمت کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ سول سروس میں عسکر خان ولد موسیٰ خان امان زئی بھی آج کل فیڈرل گورنمنٹ کے شعبہ مواصلات میں ڈپٹی سیکرٹری کے عہدے پر براجمان ہے اور ملک وقوم کی خدمت کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہے۔

اس کے علاوہ عبیداللہ خان یوسف زئی (مصنف کتاب) بھی پہلے پاکستان ائیر فورس میں بطور جنرل ڈیوٹی پائلٹ (GDP) اور بعد میں خیبر پختونخواہ کے محکمہ اصلاح آبپاشی میں بطور ڈسٹرکٹ ڈائریکٹر تیس سال علاقے کے عوام کی خدمت کر چکا ہے، اور اپنے علاقے میں آبپاشی کے لئے نہروں سے پانی لے جانے والے کھالوں کی تزین و آرائش میں اہم کردار ادا کر چکا ہے جس سے فصلوں کے لیے پانی لے جانے والوں کھالوں میں پانی کا ضیاع کافی حد تک کم ہو چکی ہے اور زمینوں کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہو چکا ہے۔ جو لوگوں کی زندگی میں خوشحالی لانے کا باعث بن رہے ہیں اور زراعت کے شعبے میں ان کی مشکلات کو کم کرنے میں ممد ثابت ہو رہے ہیں۔

ان کے علاوہ بے شمار تعداد میں نوجوانان پاک فوج، پولیس، محکمہ جیل خانہ جات، محکمہ تعلیم پرائمری، محکمہ تعلیم سیکنڈری، محکمہ صحت اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لیے انتھک محنت اور جدوجہد کر رہے ہیں۔

۷۔ تجارت

انسان روز اول سے دنیا میں اپنی گزر اوقات کے لیے جن شعبوں میں کام کرتا چلا آ رہا ہے۔ان میں سب سے پاکیزہ شعبہ تجارت کا ہے۔تجارت کے کام میں برکت ہوتی ہے اوراس سے انسان کو دنیاوآخرت کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

تجارت کے شعبے میں بھی کٹہ خٹ کے باسی کسی سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔یہاں چونکہ لوگوں کی زیادہ تر آمدنی کا ذریعہ زراعت ہے۔یہاں کی نقدآور فصلوں میں تمباکو کو ہمیشہ ایک کلیدی حیثیت حاصل رہا ہے۔تمباکو چونکہ سگریٹ اورنسوار بنانے میں کام آتا ہے۔اس لیے پاکستان میں سگریٹ بنانے کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہو چکے ہیں اورنسوار بنانے کے لیے بڑی بڑی مشینیں لگ چکی ہیں۔۔کھیت سے تمباکو کوسگریٹ کے کارخانوں اورنسوار کی مشینوں تک پہنچانے کے لیے مختلف قسم کے بیوپاری درمیانے واسطے کا کام کرتے ہیں۔اس کے لیے ملک کے مختلف بڑے شہروں میں منڈیاں قائم ہوتی ہیں جوزمیندار سے تمباکو خریدتے ہیں اور پھراس کی مختلف قسم کی درجہ بندی (گریڈنگ) کر کے سگریٹ کے کارخانوں اورنسوار کی مشینوں تک پہنچانے کا کام کرتے ہیں۔اس قسم کا تجارت سخت جانفشانی کا کام ہوتا ہے اور اس میں انسان کا خوں پسینہ ایک ہوتا ہے۔کیونکہ یہ سارا کام جون، جولائی کی سخت گرمی میں کرنا پڑتا ہے۔

اس سلسلے میں کٹہ خٹ کے اُمبارس خان امان زئی (جو میر بابا کی اولاد میں سے تھے) کا پورا گھرانا تمباکو کی تجارت سے منسلک ہوگیا ہے اور تمباکو کی تجارت سے محبت اُن کی

گھٹی میں شامل ہو چکی ہے۔اس سلسلے میں سب سے پہلے اُمبارس خان کی اولاد میں سے محمد یونس خان اور محمد صالح خان نے اپنی زمینداری کے ساتھ ساتھ تمباکو کی خرید وفروخت کے لیے موضع رُستم میں تمباکو منڈی کا اجراء کیا۔جس سے نہ صرف اُن کو مالی فائدہ ہوا بلکہ اس سے گاؤں کے لوگوں کی مشکلات بھی کافی کم ہوئیں۔

محمد یونس خان کے بعد اُس کے بیٹوں میں پہلے محمد انور خان نے اپنے باپ کے کام کو جاری رکھا اور اب دوسرے بیٹے محمد جاوید خان نے اس شعبے میں کام جاری رکھا ہوا ہے بلکہ اب تو اُس کے نواسوں تک اس شعبے سے منسلک ہو چکے ہیں، جبکہ محمد صالح خان کی اولاد میں سے اُس کا ایک بیٹا محمد ابرار بھی اس شعبے سے منسلک رہ چکا ہے۔

اس کے علاوہ محمد یونس خان کا ایک اور بیٹا عالمگیر خان تجارت کے میدان تعلیم کی اعلیٰ ڈگری (MBA) حاصل کرنے کے بعد ضلع صوابی میں سگریٹ انڈسٹری سے منسلک ہو چکا ہے اور اُس نے اپنی محنت کی وجہ سے اُس انڈسٹری کے کاروبار کو چار چاند لگایا ہوا ہے۔ عالمگیر خان کا ایک اور بھائی جلال لدین بھی گوجرانوالا میں سگریٹ کی کمپنی چلا رہا ہے۔اس طرح اس پورے گھرانے کے تمام افراد کے خون میں تمباکو اور اس کی تجارت سے محبت رچ بسی ہے اور اس لیے یہ سارے اپنے ابا واجداد کے مشن کو جدید انداز میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ رئیل سٹیٹ کے کاروبار میں کٹہ خٹ کا ایک اور سپوت محمد اسد خان جو اکبر خان ولد میر بابو کی اولاد میں سے ہے، نے بڑا نام پیدا کیا ہے۔اُس نے پہلے پہل پشاور میں رئیل سٹیٹ کا کاروبار شروع کیا اور پھر اپنی محنت سے اس کاروبار کو چار چاند لگاتا گیا۔اس کے بعد اُس نے اپنی کاروبار کو اسلام آباد تک وسعت دی۔اس کا بڑا بیٹا محمد عباس خان بھی امریکہ سے بزنس ایڈمنسٹریشن کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اپنے باپ کے ساتھ رئیل سٹیٹ کے کاروبار سے منسلک ہو چکا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد مختلف قسم کے کاروبار میں اپنا سرمایہ اور تن من دھن لگا رہے ہیں اور بال بچوں کے لیے رزقِ حلال کمانے کے ساتھ ملک و قوم کی خدمت بھی کر رہے ہیں۔

باب 7

کٹہ خٹ کے روایات

ا۔ مہمان نوازی :۔

کٹہ خٹ کے باشندوں کی اکثریت میر بابو آمان زئی کی اولاد ہیں۔چونکہ میر بابو خود ایک بہت بڑا مہمان نواز شخص تھا اور اس کی چوکھٹ پر ہر وقت لوگوں کی خاطر تواضع ہوتی رہتی تھی۔اس لیے کٹہ خٹ کے لوگوں کو مہمان نوازی کی یہ وصف میراث میں ملی ہوئی ہے۔ مہمان خواہ کوئی ہو اس کی خاطر مدارت کو اپنے فرائض منصبی میں شمار کرتا ہے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی کو اپنی بے عزتی تصور کرتے ہیں۔

اس لیے یہاں کے باشندے مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ ہیں اور علاقے کے دوسرے مواضعات کے لیے مہمان نوازی میں ایک مثال بنے ہوئے ہیں۔جس کی وجہ سے کٹہ خٹ کو مہمان نوازوں کا مسکن کہا جاتا ہے۔

مہمان نوازی کے علاوہ کٹہ خٹ علاقے کے دوسرے مواضعات کی طرح بہت سے پختون روایات کا امین بھی ہے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس جدید دور میں بھی یہاں کے باشندے ان روایات کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔اگر چہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان روایات میں تھوڑی بہت تغیر آ گئی ہے مگر پھر بھی لوگ ان روایات پر اس کے روح کے مطابق عمل پیرا ہیں اور ان روایات سے روگردانی کو سخت معیوب سمجھتے ہیں۔ان میں چیدہ چیدہ روایات مندرجہ ذیل ہیں۔

۲۔ حجرہ سسٹم :۔

پختون معاشرہ کی تربیت میں حجرہ کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے۔حجرہ سسٹم

نوجونوں میں سوشل اقدار لانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے جن معاشروں میں حجرہ سسٹم کا فقدان ہوتا ہے وہاں کے نوجوان سوشل اقدار میں دوسرے معاشروں سے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ حجرہ میں بزرگ، نوجوان اور کم عمر بچے سبھی بیٹھ کر گاؤں، علاقے، وطن اور بین الاقوامی مسائل پر تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ جس کی وجہ ہر ایک کے علم میں نئی نئی باتیں اور واقعات آتے ہے۔ اس کے علاوہ حجرہ نوجوانوں کے لیے ایک بہت بڑی تربیت گاہ کا کام کرتی ہے۔ اس میں نوجوان معاشرے میں پرامن زندگی گزارنے کے گُر سیکھتے ہیں۔ بڑوں کے ساتھ ادب سے بات کرنے، اُن کی عزت کرنے اور اُن کو مکمل پروٹوکول مہیا کرنے کے علاوہ ہم عمروں سے پیار و محبت اور شائستگی سے میل ملاپ رکھنے اور بچوں پر شفقت کرنے اور اُن کی تربیت کرنے کے طور طریقے سیکھتے ہیں۔ حجرہ ہر پختون معاشرے کا جز و لاینفک ہے اور اس کے ذریعے سے معاشرہ میں اقدار کی فروغ اور بگاڑ کی بیخ کنی ہوتی ہے۔

دوسرے موضعات کی طرح کٹہ خٹ میں بھی حجرہ سسٹم کا ایک مربوط نظام موجود ہے۔ پہلے پورے گاؤں کے وسط میں ایک حجرہ ہوتا تھا جس کو وسطی حجرہ کہا جاتا تھا۔ اس حجرے میں گاؤں کے تمام بزرگ حضرات صبح سے آ کر بیٹھتے تھے۔ اس حجرہ میں ہر ایک صاحب حیثیت بزرگ کے زمیندار آ کر صبح صبح اس سے زمینداری کے کام کے متعلق ہدایات لے کر اپنے کھیتوں میں کام پر چلے جاتے تھے اور کام مکمل کرنے کے بعد شام کو آ کر اپنی کارگزاری پیش کرتے تھے۔ حجرہ میں بیٹھے بزرگ اشخاص اردگرد کے علاقے میں غم اور خوشی کے موضوعات پر بھی بحث کرتے تھے اور پھر ان میں شریک ہونے کے لیے طریقہ کار وضع کرتے تھے۔

حجرہ میں شریک ہونے کی وجہ سے لوگوں کو ایک دوسرے کے دکھ درد کا بھی پتہ چلتا ہے اور ساتھ ساتھ ہر کسی کو درپیش مسئلہ بڑوں کے علم میں آتا ہے اور پھر اس کے حل کے لیے طریقہ کار بھی وضع کیا جاتا ہے۔ الغرض گاؤں کا وسطی حجرہ گاؤں کے مسائل کے حل کے

لیے ایک آماجگاہ کا کام کرتا ہے۔

۳۔ جرگہ سسٹم

ہر معاشرے میں مل جل کر رہنے سے لوگوں کے درمیان تنازعات کا جنم لینا ایک قدرتی امر ہے۔ موضع کٹہ خٹ میں بھی لوگوں کے درمیان اس قسم کے تنازعات جنم لیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ پہلے اس قسم کے تنازعات کو حل کرنے کے لیے گاؤں میں بزرگوں پر مشتمل ایک جرگہ ہوتا تھا۔ جس میں گاؤں کے تمام بزرگ غیر اعلانیہ طور پر شامل ہوتے تھے اور وہ لوگوں کے مابین تنازعات کو خوش اسلوبی سے حل کرتے تھے۔

سال 2012ء تک گاؤں کے تمام نامور بزرگ اشخاص کا ایک ایک کر کے اس دار فانی سے کوچ کرنیکی وجہ سے لوگوں کو اپنے اندر تنازعات کے حل میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ چنانچہ بزرگوں کی اس خلا کو پُر کرنے کے لیے گاؤں کے نوجوانوں نے یوسف اصلاحی جرگہ کے نام سے ایک تنظیم قائم کر لی ہے جو لوگوں کے درمیان تنازعات کے حل کے ساتھ ساتھ گاؤں کی تعمیر و ترقی اور اس کی خوبصورتی کے امور بھی سرانجام دیتی ہے۔

۴۔ کمیونٹی سسٹم:۔

لوگوں کو انفرادی طور پر معاشرے میں گوناگوں مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خاص کر غم اور خوشی کے موقعہ پر اُسے اپنے دوسرے رشتہ داروں اور عزیزوں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس قسم کے مسائل کے حل کے لیے موضع کٹہ خٹ میں ایک اور کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جو نوجوانوں پر مشتمل ہے اور جو غم اور خوشی کے موقع پر بڑھ چڑھ کر خدمت کرتے ہیں۔ ان نوجوانون کے ذمے غم اور خوشی میں مہمانوں کے لیے بیٹھنے کے لیے کرسیوں کا انتظام کرنا، سائبان کا لگانا، گاڑیوں کو پارک کرنے کے لیے جگہ کا انتظام کرنا، مہمانوں کی خدمت

کرنا اور اُن کے لیے کھانا وغیرہ تیار کرنے کا بندوبست کرنا شامل ہے۔اس طرح معاشرے میں مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹنے سے مصیبت اور خوشی کے موقع پر ایک خوشگوار تاثر قائم ہوتا ہے۔

۵۔ صوابی وال چادر:

پختون معاشرے میں عورتیں اسلامی اُصولوں کے مطابق پردہ کرتی ہیں۔جس میں خواتین اپنے کپڑوں کے اوپر ایک چادر اوڑھتی ہیں۔جس کو عرف عام ''پڑونی'' کہا جاتا ہے۔ پردے کی یہ چادر ہر عورت کی اپنی سائز کے مطابق ہوتی ہے اور اس کا رنگ اور اس پر نقش ونگاری وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔لیکن موضع کٹھ خٹ میں علاقے کے دوسرے موضعات کی طرح صوابی وال چادر''پڑونی'' کا رواج موجود ہے۔ چونکہ یہ چادر علاقہ یوسف زئی کی ایک خاص واقعہ کی یاد میں تیار کیا گیا تھا۔اس لیے لوگ اس کو شہیدوں کی یاد کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں۔ہوا کچھ یوں تھا کہ:

۱۸۴۶ء سے ۱۸۴۹ء تک پنجاب اور موجودہ خیبر پختونخواہ پر انگریز اور سکھ مشترکہ طور پر حکومت کرتے تھے۔اس وقت علاقہ یوسف زئی سے لگان وصول کرنا ان کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔چنانچہ انگریز اور سکھ سرکار نے لوگوں سے لگان کی وصولی کے لیے''گائیڈز'' کے نام سے ایک نئی فورس قائم کر لی تھی۔جس کا ہیڈ کوارٹر مردان کو رکھا گیا اور اس کے لیے سائیڈ کیمپ کے طور پر علاقہ یوسف زئی میں موضع کالوخان کا انتخاب کیا گیا تھا۔ لیکن جب موضع کالوخان کے نواح میں گائیڈ کیمپ کے لئے خیمے نصب کئے جا رہے تھے،تو گاؤں والوں نے اس کی مخالفت کی اور بڑی تعداد میں لوگ مسلح ہو کر مزاحمت کرنے کے لیے نکلے۔جس پر گائیڈ فورس اور گاؤں والوں کے درمیان ایک خونریز جھڑپ ہوگئی۔ چونکہ گائیڈز فورس ایک تربیت یافتہ فورس تھی اور جدید اسلحے سے لیس تھی جبکہ گاؤں والے غیر تربیت یافتہ

اور روایتی اسلحے سے لیس تھے جس کی وجہ سے اس جھڑپ میں زیادہ نقصان گاؤں والوں کا ہو گیا۔ اس جھڑپ میں گاؤں والے بڑی تعداد میں شہید ہو گئے اور گائیڈ فورس کالوخان کے نواح میں اپنا کیمپ بنانے میں کامیاب ہوگئی۔ اس خونریز جھڑپ میں جتنے بھی گاؤں والے شہید ہو گئے تھے، گائیڈ فورس والوں نے لوگوں کو ڈرانے کے لئے اُن کی لاشوں کو ایک جگہ پر ڈھیر کر دیا تھا۔ اس پر گاؤں سے شہیدوں کے عزیز و اقارب خواتین اپنے شہداء کی لاشوں کو اُٹھانے پہنچ گئیں۔ روایتاً کہا جاتا ہے کہ شہداء کے عزیز و اقارب میں زیادہ تعداد خواتین کی تھی۔ ان خواتین نے اپنے اوپر پردے کے لئے سفید چادریں (پڑونی) اوڑھ رکھی تھیں۔ اپنے شہداء کی لاشوں کو اس ڈھیر میں سے نکالنے اور گھر لے جانے کی وجہ سے ان کی پردے کی سفید چادریں شہداء کے خون سے داغدار ہو گئیں۔ جس کو انہوں نے تبرک کی وجہ نہیں دھویا اور خون کے سرخ داغ ان کے پردے کی چادروں (پڑونی) پر شہداء کے خون کی نشانی کے طور کافی عرصہ تک باقی رہیں۔ اس پر موضع گڑھی امان زئی کے کچھ کپڑا بننے والوں جولاہوں نے شہداء کی یاد میں اسی طرح کے پردے کے چادر بننے شروع کیے، جس پر خون کے سرخ رنگ کے داغوں کو نمایاں کیا گیا تھا۔ اس قسم کے پردے کے چادریں (پڑونی) آج تک تپہ رزڑ کے خواتین استعمال کرتی ہیں جس کو دیکھنے سے ۱۸۴۸ء کے شہداء کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اگرچہ وقت کے ساتھ ساتھ موضع کٹہ خٹ میں اس قسم کے چادر ''پڑونی'' کا استعمال کم ہو رہا ہے اور لوگوں نے فیشن کے طور پہ مختلف قسم کے نت نئے ڈیزائن کے پڑونی کا استعمال شروع کیا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی خواتین کی اکثریت کالوخان کے ۱۸۴۸ء کے شہیدوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے اس قسم کے چادر ''پڑونی'' کا استعمال کرتی ہیں۔

باب 8

یوسف زئی اصلاحی جرگہ کٹہ خٹ

پس منظر :

موضع کٹہ خٹ میں 1840ء سے قبیلہ یوسف زئی کے امان زئی شاخ کا ایک خاندان مالکانہ حیثیت سے آباد ہے۔ پختون روایات کے مطابق ان میں عمر کے لحاظ سے جو بڑا ہوتا تھا، اُس کا حکم سب پر چلتا تھا اور تمام لوگ بغیر چوں چراں کے اُس کے حکم کی تابعداری کرتے تھے۔ اُس کی منشا کو بھی اپنے لیے حکم تصور کرتے تھے اور اس سے روگردانی کرنے کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی۔

گردش آیام کے ساتھ ساتھ جوں جوں دنیا کی آبادی بڑھتی گئی، اس خاندان کے لوگوں کی تعداد بھی بڑھ گئی اور پھر عمر کے لحاظ سے بڑے لوگوں کی تعداد بھی زیادہ ہوگئی، لیکن پھر بھی اُن میں رواداری اور ایک دوسرے کا احترام بہت زیادہ ہوتا تھا اور کوئی بھی آدمی دوسرے کے کیے ہوئے فیصلے کی مخالفت نہیں کرتا تھا بلکہ اُس کا احترام کرتا تھا۔ جب کٹہ خٹ میں امان زئی خاندان کی تعداد مزید بڑھ گئی تو پھر اُن میں گاؤں کے معاملات چلانے کے سلسلے میں اختلافات بھی نظر آنے لگے۔ لیکن پھر بھی ایک دوسرے کے احترام کی وجہ سے وہ کام چلاتے رہے۔

چونکہ موت تو ہر گھر کا بن بلائے مہمان ہوتا ہے اس لیے ان بزرگوں کی موت واقع ہونے کی وجہ سے ان کی تعداد رفتہ رفتہ کم ہونا شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ دسمبر 2012ء کے آوائل میں ان بزرگوں کا آخری نمائندہ حاجی سعداللہ خان بھی اس دنیا سے رحلت کر گیا۔ چونکہ اب گاؤں میں کوئی بزرگ باقی نہیں تھا جس کی مرضیٰ کے مطابق سارے کام انجام دیے جاتے۔ اس لیے گاؤں کے لوگوں کی اجتماعی زندگی میں ایک افراتفری کا سا ہیجان برپا ہوگیا اور ہر ایک اپنی اپنی ڈفلی بجانے میں مصروف ہوگیا۔ ہر ایک کو اپنا اپنا اُلو سیدھا کرنے کی فکر ہوتی تھی

اور کوئی بھی اجتماعی کام کی طرف آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔

ایسے میں جب سب لوگوں کو اپنی اپنی فکر ستانے لگی تھی، ایک معمولی سے واقعہ نے سب کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا۔ ہوا یوں کہ موضع کٹہ خٹ کو بجلی کی سپلائی کے لیے 100 Kv کا ایک ٹرانسفارمر نصب تھا جو فروری 2013ء میں خراب ہو گیا۔ جس کی وجہ سے پورا گاؤں تاریکی میں ڈوب گیا۔ چونکہ ٹرانسفارمر کو ٹھیک کرنا اکیلے ایک بندے کے بس کا کام نہیں تھا بلکہ اس کے لیے اجتماعی دوڑ دھوپ اور سرمایے کی ضرورت تھی۔ جس کی وجہ سے گاؤں کے سارے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ پہلے تو ٹرانسفارمر کے لیے چندا جمع کیا گیا تاکہ اس کو ٹھیک کیا جا سکے اور پھر چونکہ تمام لوگوں کو اجتماعیت کا ایک بار پھر احساس ہو گیا تھا، اس لیے اس ضمن ایک جرگہ تشکیل دیا گیا جس کیلیے اُصول وضوابط طے کیے گیے اور تمام لوگوں نے عہد کیا کہ اس جرگے کے احکامات کے مطابق زندگی میں ڈسپلن کی پابندی کرینگے اور جرگے کے ہر حکم کو بلا چوں چراں تسلیم کرینگے۔ اس جرگے کا نام بعد میں یوسف زئی اصلاحی جرگہ کٹہ خٹ رکھ دیا گیا۔

موضع کٹہ خٹ میں اس جرگے یعنی یوسف زئی اصلاحی جرگے کا قیام اس لیے بھی ضروری تھا کہ چونکہ کٹہ خٹ کے باشندے عرصہ دراز سے اکٹھے رہتے چلے آئے ہیں۔ اس طرح اکٹھا رہنے کی وجہ سے جہاں بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں وہاں کچھ تنازعات بھی جنم لیتے ہیں۔ اس لیے ان تنازعات کو ختم کرنے اور معاشرے میں ترقی کا عمل جاری وساری رکھنے کے لیے ہر وقت اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جہاں کہیں بھی یہ کوششیں ناپید ہوتی ہیں وہاں پر معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرہ زوال پذیر اور انحطاط کا شکار ہوتا ہے۔ تمام لوگ گونا گوں مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں اور جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور جاتے ہیں۔

انہی حقیقتوں کو مدنظر رکھ کر لوگوں کی فلاح و بہبود اور معاشرے کی ہمہ وقت اور تیز رفتار ترقی کے لیے یوسف زئی اصلاحی جرگے کے نام سے موضع کٹہ خٹ میں ایک اصلاحی کمیٹی

کا قیام یکم مارچ 2013ء کوعمل میں لایا گیا۔ جو ایک غیر منافع بخش ادارے کے طور پر لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے سیاست سے بالاتر ہو کر کام کرے گا۔ لوگوں میں احساس ذمہ داری اور معاشرتی و معاشی سرگرمیوں میں شمولیت کا احساس اجاگر کرے گا، مقامی سطح پر لوگوں کے مسائل کا حل تلاش کرے گا، گاؤں کی تعمیر و ترقی اور صفائی و خوبصورتی کے لیے منصوبوں کی نشاندہی کرے گا اور اُس کے لیے منصوبہ بندی اور اُن پر عمل درآمد میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے گا۔

اغراض و مقاصد

یوسف زئی اصلاحی جرگہ کو فعال اور متحرک بنانے کے لیے اغراض مقاصد وضع کیے گئے۔ جن پر جرگے کے تمام ممبران نے اتفاق کیا جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ فعال اور ہم خیال لوگوں کو کمیٹی کے کاموں میں شمولیت کے لیے راغب کرنا۔

۲۔ مقامی سطح پر لوگوں کے مسائل کا حل تلاش کرنا۔

۳۔ عوام کی سہولیات کے لیے بہتر خدمات کی فراہمی ممکن بنانا۔

۴۔ مقامی لوگوں کی ضروریات کی نشان دہی اور اُس کے لیے وسائل کا حصول۔

۵۔ آپاہجوں، مفلسوں، یتیموں، بیواؤں اور بیماروں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا۔

۶۔ جرگے کے کام میں معاونت کے لیے رضا کار ایسوسی ایشنوں وغیرہ کا قیام عمل میں لانا۔

یوسف زئی اصلاحی جرگے کے قیام کے بعد اس کے لیے سب سے پہلے اغراض و مقاصد وضع کیے گئے اور پھر قانونی ماہرین کی مدد سے اس کے لیے آئین بنایا گیا۔ جس میں جرگے کے ہر ایک کام کو وضاحت اور سلیب طریقے سے بیان کیا گیا۔

آئین میں جرگے کے لئے ممبر شپ کے شرائط، ممبران کے حقوق اور ممبر شپ کی

معطّلی ومنسوخی کو اچھے طریقے سے واضح کیا گیا۔اس کے علاوہ انتظامی ڈھانچہ جس میں جنرل باڈی یعنی مجلس عامہ اور ایگزیکٹیو باڈی یعنی مجلس عاملہ کے حقوق وفرائض کو واضح کیا گیا۔

یوسف زئی اصلاحی جرگے کے لیے قوانین وضع کرنے کے بعد اس کے مجلس عاملہ کے لیے ممبران کا انتخاب کیا گیا اور پھر ان ممبران میں سے صدر، نائب صدر، جنرل سیکرٹری، جائنٹ سیکرٹری، انفارمیشن سیکرٹری، فنانس سیکرٹری کا انتخاب کیا گیا۔اس کے علاوہ جرگے کے ممبران میں سے ایک مشاورتی کمیٹی کا قیام بھی عمل لایا گیا تاکہ بوقت ضرورت کسی بھی مسئلے کے حل کے لیے فوری طور حرکت میں آسکے۔

یوسف زئی اصلاحی جرگہ کے لیے اتفاق رائے سے کل 25 ممبران کا انتخاب کیا گیا اور پھر الیکشن کے ذریعے صدر، نائب صدر، جنرل سیکرٹری، جائنٹ سیکرٹری، انفارمیشن سیکرٹری، فنانس سیکرٹری کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔

موجودہ کابینہ درج ذیل شخصیات پر مشتمل ہے۔

صدر	:	ہمت علی خان
سینئر نائب صدر	:	مسلم خان
نائب صدر	:	کفایت اللہ
فنانس سیکیرٹری	:	عبیداللہ خان
جنرسیکرٹری	:	جاوید خان
جائنٹ سیکرٹری	:	محمد عارف خان

رجسٹریشن:

یوسف زئی اصلاحی جرگہ کے کاموں کو قانونی حیثیت دینے اور اس تنظیم کو فعال اور موثر بنانے کے لیے تنظیم کی رجسٹریشن لازمی ہوتی ہے۔ کیونکہ پختونخواہ حکومت کے ساتھ رجسٹرڈ نہ ہونے والا تنظیم عارضی تصور ہوتا ہے۔اس سلسلے میں تنظیم کے فنانس سیکرٹری عبیداللہ خان کی سرکردگی میں ایک وفد نے سوشل ویلفیئر آفیسر ضلع مردان اور ڈائریکٹر سوشل ویلفیئر خیبر پختونخواہ سے رابطوں کا آغاز کیا اور انتہائی دوڑ دھوپ کے بعد کامیابی نصیب ہوئی اور یوسف زئی اصلاحی جرگہ کی کاوشوں اور خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈائریکٹر سوشل ویلفیر خیبر پختونخواہ نے اس کی رجسٹریشن کے احکامات جاری کر دیئے۔جس کی وجہ سے یوسف زئی اصلاحی جرگہ ایک رجسٹرڈ تنظیم بن گئی۔اس کو رجسٹریشن نمبر: DO/SW/KPK/855/2013 عطا کیا گیا ہے۔جس کے تحت یہ جرگہ اپنے ممبران کے ذریعے دن رات عوام کی بے لوث خدمت میں سرگرم عمل ہے۔اللہ پاک ہم سب کو بے لوث خدمت خلق کرنے کی توفیق عطا فرماوئیں۔یوسف زئی اصلاحی جرگہ کا تعارف کرنا اس لیے لازمی سمجھا تاکہ آئندہ نسلیں اسی نقشہ قدم پر چل کر عوام کی بے لوث خدمت کر سکیں۔

کارکردگی:

یوسف زئی اصلاحی جرگہ کٹہ خٹ کی سینکڑوں سالہ تاریخ میں عوام کے بے لوث خدمت کا بیڑا اُٹھانے والا پہلا تنظیم ہے۔اس لئے موجودہ اور آئندہ نسلوں کو میرا یہ غرض ہے کہ بے لوث خدمت خلق عین عبادت ہے اس کو اپنا شعار بنائیں اور اس کے ذریعے ثواب دارین حاصل کریں۔

نوٹ: واضح رہے۔کہ سال 2013ء کے دوران منتخب ہونے والے عہدیداران وممبران میں سے کچھ فوت ہو چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ اُن کو جنت الفردوس نصیب کریں اور اپنے جوار رحمت

میں جگہ عطا فرماویں۔ الحمد للہ اس جرگے کا کام آج یعنی اگست 2023ء تک مسلسل جاری و ساری ہے اور اس جرگے کا ہر ایک ممبر اس کے لیے دل و جان سے کوشاں ہے۔

یوسف زئی اصلاحی جرگہ نے مختلف شعبوں میں عوام کی خدمت اور گاؤں کی ترقی و خوبصورتی کے لیے بہت سے اقدامات اُٹھائے ہیں۔ جن میں سے چند قابل ذکر مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اس سے پہلے مسجد کا انتظام چلانے کے لیے کوئی خاص پروگرام نہیں ہوتا تھا اور مسجد کے کام میں لوگ انفرادیت کا شکار تھے۔ جرگے نے مسجد کے انتظام کو چلانے کے لئے ایک کمیٹی بنائی اور اس کمیٹی کو مسجد کی تعمیر و ترقی اور خوبصورتی کو یقینی بنانے کے لیے اختیارات تفویض کر دیئے۔ جس کی وجہ سے نہ صرف مسجد کا نتظام بہتر ہو گیا بلکہ اس کو خوبصورت بنانے کے لیے کئی اقدامات اُٹھائے گئے۔ اس کے علاوہ رمضان میں تراویح میں ختم القرآن کو باقاعدہ بنایا گیا اور اس میں عورتوں کی شرکت کو یقینی بنانے کے لیے بھی انتظامات کیے گئے۔ جس کی وجہ سے الحمد للہ مسجد کا ماحول بہت زیادہ پیار و محبت کا بنا ہوا ہے۔

۲۔ مسجد میں بچوں کو قرآن شریف پڑھانے کا کوئی خاص بندوبست نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے والدین کو اپنے بچوں کو قرآن شریف کی تعلیم دلوانے میں کافی دقتوں کا سامنا تھا۔ اس مقصد کے لیے مسجد میں مدرسہ تعلیم القرآن کا اجرا کیا گیا اور اس کے لیے مدرس اور حفاظ کا انتظام کیا گیا۔ جس کی وجہ سے آج سینکڑوں کی تعداد میں بچے ناظرہ اور حفظ کے کلاسوں میں پڑھتے ہیں۔

۳۔ گاؤں میں ایک قدیم مقبرہ تھا جس میں مختلف قسم کے درخت تھے۔ ان درختوں کو لوگ بڑی بے دردی سے جلانے کے لیے کاٹ رہے تھے اور اس کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔ جرگہ نے مقبرے کی حفاظت کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی جس نے مقبرے کی حفاظت کے لیے متعدد اقدامات اُٹھائے۔ کمیٹی نے مقبرے کی حفاظت کے لئے ایک چوکیدار مقرر کیا اور درختوں کو

کاٹنے پر جرمانہ مقرر کیا۔ جس کی وجہ سے مقبرے کے درختوں کو کاٹنے کا سلسلہ رک گیا اور وہ محفوظ ہو گئے اور کمیٹی نے مقبرے کے ان درختوں کو نیلامی کے ذریعے فروخت کرنے کا سلسلہ شروع کیا جس سے خاصی آمدنی ہوئی۔ انہی آمدنی میں سے کمیٹی نے کئی بار جنازگاہ کی تزئین و آرائش کا کام کیا اور مقبرے کے ارد گرد کانٹا تار جال بچھایا گیا تاکہ قبروں کو جانوروں کے گھس جانے سے محفوظ کیا جا سکے۔

۴۔ گاؤں سے شمال، جنوب اور مغرب کی طرف بڑے بڑے شارع عام ہیں۔ جن کو لوگوں نے درختوں اور گھروں کی دیواروں کی وجہ سے تنگ کیا ہوا تھا اور ان پر ناجائز قبضہ کیا ہوا تھا۔ اس پر ان لوگوں سے بات چیت کر کے افہام و تفہیم سے ان کے ناجائز قبضے کو ختم کیا گیا اور راستوں کی چوڑائی کو اس کے اصل صورت میں بحال کیا گیا۔

۵۔ گاؤں کے لوگوں کو بجلی کی ناقص ترسیل اور کم وولٹیج جیسے گھمبیر مسائل کا سامنا تھا۔ اس کے لیے جرگے کے ممبران ایم این اے مجاھد خان سے ملے اور اُس کی توجہ اسی جانب مبذول کرائی۔ جس پر ایم این اے نے ایکشن لیتے ہوئے کئی نئے ٹرانسفارمرز لگائے اور کئی ٹرانسفارمرز کو اپ گریڈ کیا۔ اس کے علاوہ بجلی کی پرانی تاروں کی جگہ نئی تاریں بچھا دیں اور گاؤں کے مختلف حصوں کو بجلی کی بہم رسانی کے لیے نئے کھمبے منظور کیے اور اُن کھمبوں پر نئی تاریں بچھا کر لوگوں کے لیے بجلی کی ترسیل کو ممکن بنایا۔

۶۔ گاؤں سے شمال، جنوب اور مغرب کی طرف آمدورفت کے لیے تین بڑی شاہراہیں تھیں۔ جو کہ کچہ ہونے کی وجہ سے امدورفت کے قابل نہ تھیں۔ اس کے لیے جرگہ ممبران نے مقامی ایم پی اے اور صوبائی وزرا سے ملاقاتیں کر کے ان کی توجہ اسی طرف مبذول کرائی جس پر مقامی ایم پی اے کی کوششوں سے صوبائی حکومت نے شمال، جنوب اور مغرب کی طرف جانے والی تمام راستوں کو پختہ کرنے کی منظوری دے دی۔

۷۔ اس کے علاوہ مقامی ایم پی اے کی مدد اور تعاون سے گاؤں کے تمام گلیوں اور محلوں

کی فرش بندی کرادی گئی اور جنازگاہ میں ایک بڑا برآمدہ بنایا گیا تاکہ اس میں گرمی و سردی کے موسم میں سہولت کے ساتھ میت کا جنازہ پڑھا جاسکے۔اس کے علاوہ اپنے وسائل سے جنازگاہ کے اندر بجلی کی فٹنگ کی گئی تاکہ رات کے وقت جنازہ پڑھنے میں دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۸۔ گاؤں کے مشرق میں مقام خوڑ کا نالہ ہے جس میں پاک صاف و رشفاف ہر وقت بہتا رہتا ہے۔ پہلے پہل اس خوڑ کی پانی کافی تعداد میں مچھلیاں پائی جاتیں تھیں جو کہ کافی لذیذ ہوتی تھیں۔ان مچھلیوں کی حفاظت کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں نے بجلی کے کرنٹ کے ذریعے ان کو پکڑنا شروع کیا جس کی وجہ ان مچھلیوں کی نسل معدوم ہوگئی تھی۔ جرگے نے محکمہ ماہی گیری کی مدد سے اس خوڑ میں ہزاروں کی تعداد میں مچھلیوں کے چھوٹے بچوں کو چھوڑ دیا اور ان کی حفاظت کے لئے محکمہ ماہی گیری کی تعاون سے ایک چوکیدار مقرر کیا اور بجلی کی کرنٹ سے مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت کر دی گئی ۔جس کی وجہ اب یہاں پر ہزاروں قسم کی اچھی نسل کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔

۹۔ گورنمنٹ پرائمری سکول اور گورنمنٹ ہائی سکول کٹہ خٹ میں پی ٹی اے (Parent Teacher Assosiations)،جن کے پاس سکول میں تعمیر وترقی اور خوبصورتی کے لیے فنڈ ہوتا تھا کے معاملات صحیح طور پر نہیں چل رہے تھے، چنانچہ جرگے نے پرائمری سکول کے ہیڈ ٹیچر اور ہائی سکول کے پرنسپل سے میٹنگ کر کے ان تنظیموں میں جرگے کے نمائندوں کو بطور چیرمین شامل کیا اور اُن کے ذریعے ان سکولوں میں پی ٹی اے کے معاملات کو صحیح کیا۔جس کی وجہ سے ان سکولوں میں اب تک تعمیر وترقی اور خوبصورتی کا بہت سے کام ہوگئے ہیں۔

۱۰۔ یوسف زئی اصلاحی جرگہ نے اپنے قیام سے لے کر اب تک لوگوں کے درمیان زمین کے تنازغات، لین دین کے تنازغات،رشتوں کے حصول کے تنازغات،ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑوں کے تنازغات وغیرہ کے سینکڑوں قسم کے تنازغات کو حل کیا ہے اور یہ

سلسلہ تاحال جاری وساری ہے۔اس سلسلے میں تھانہ رُستم کے''ایس ایچ او'' اور چارگلی پولیس چوکی کے انچارج سے مختلف قسم کے میٹنگ ہوئیں ہیں اور جرگے کو ان تنازگات کے حل میں ان کا بھرپور تعاون بھی حاصل ہے۔

یوسف زئی اصلاحی جرگہ کے اسی کارکردگی کی وجہ سے علاقے کے تمام لوگ اپنے تنازعات کے سلسلے میں جرگے کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور پھر جرگہ کے فیصلوں کو نہ صرف مانتے ہیں بلکہ اس سلسلے میں جرگہ ممبران سے مکمل تعاون بھی کرتے ہیں۔اس طرح لوگوں کو تھانوں، تحصیلوں اور کچہریوں کے بے جا چکروں سے نجات ملی ہوئی ہے۔اُن کے تنازعات اُن کے دہلیز پر حل ہو رہے ہیں اور اُن کو سستا انصاف مل رہا ہے۔اس کے علاوہ حکومتی سطح پر بھی کسی بھی مسئلے کے حل کے لیے جرگے کی رائے کو اولیت دی جارہی ہے اور پولیس کے علاوہ قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلی اور یونین کونسل کی سطح پر بھی گاؤں کی تعمیر وترقی میں جرگے کے مشورے کو ترجیح دی جاتی ہے جس کی وجہ سے گاؤں میں بھائی چارے اور محبت کی فضا بنی ہوئی ہے اور لوگ خوش وخرم زندگی گزار رہے ہیں۔

باب 9

کٹہ خٹ کے اہم مقامات

ا۔ جامع مسجد

موضع کٹہ خٹ میں ایک ہی جامع مسجد ہے جس کی ابتدائی تعمیر کے بارے میں تو کچھ معلوم نہیں۔لیکن یہ مسجد کئی مرتبہ تعمیر وتخریب کے عمل سے گزر چکا ہے اور ہر مرتبہ اس میں ضرورت کے مطابق توسیع کی گئی ہے۔آخری مرتبہ اس مسجد کو سال 1975ء میں یہاں کی ایک معروف سماجی شخصیت حاجی یوسف خان صاحب کی ہمشیرہ ''بی بی گلہ'' نے شہید کر کے نئے سرے سے تعمیر کیا ہے اور اب تک اس کی تعمیر کردہ مسجد قائم ودائم ہے۔مسجد کے ساتھ لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت مدرسہ تعلیم القرآن اور امام مسجد کے رہنے کے لیے ایک گھر بھی تعمیر کیا ہے۔اس واحد مسجد سے علماء نے تمام گاؤں کے لوگوں کی دینی تربیت اور دین کی اشاعت کا بیڑہ اُٹھایا ہوا ہے۔مدرسہ تعلیم القرآن میں حفظ اور ابتدائی دینی تعلیم کا شعبہ موجود ہے۔جس کی وجہ سے بہت سے بچے قرآن شریف حفظ کر چکے ہیں اور ابتدائی دینی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ مدرسوں کا رخ کر چکے ہیں جہاں سے دینی علم مکمل کرنے کے بعد فارغ ہو کر دین کی نشر واشاعت میں اپنا کردار ادا کرتے رہیں گے۔

یہاں کے تمام لوگ احناف یعنی حنفی المسلک ہیں۔گاؤں میں کسی بھی قسم کی فرقہ واریت نہیں ہیں اور دین محمدی کے سلسلے میں تمام لوگوں میں اخوت اور یگانگت بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔فساد کی اس دور میں جہاں علاقے کا ہر گاؤں مختلف قسم کے فرقوں میں بٹا ہوا ہے اور ساتھ ساتھ لوگوں میں دینی لحاظ سے رواداری کا فقدان بڑھتا جا رہا ہے۔جس کی وجہ سے لوگ دینی معاملات میں بات بات پر لڑنے جھگڑنے پر اُتر آتے ہیں، وہاں کٹہ خٹ میں مقامی طور پر خصوصاً اور پورے ویلیج کونسل کٹہ خٹ میں عموماً لوگ اس قسم کے فتنوں سے آزاد ہیں اور پیارو

محبت اور امن و آشتی سے زندگی گزار رہے ہیں۔

۲۔ مقام خوڑ:۔

چه سمندر وی ورته غیبره خوره کړی هر کلی دپاره

د یوسف زو د مقام خوړ مقام جدا دے

مقام خوڑ شمال میں رُستم اور بونیر کے درمیان پہاڑی سلسلے سے بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیوں کی صورت میں شروع ہوتا ہے۔اور پھر یہ چھوٹی چھوٹی ندیاں نیچے جنوب کی طرف بہتی ہوئی مختلف جگہوں پر ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور ایک بڑی ندی یعنی خوڑ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ خوڑ برسات کی موسم میں علاقے کے تمام کھیتوں سے سیلابی پانی کو نیچے کی طرف بہا کر لے جاتا ہے۔لیکن اس کا منبع (Catchment Area) زیادہ تر ضلع بونیر اور ضلع مردان کے درمیان کا پہاڑی سلسلہ ہے جس سے سارا سال بارش کا پانی رس رس کر نیچے آتا ہے۔اس لئے اس خوڑ میں سارا سال پانی بہتا رہتا ہے۔اور پھر جوں جوں نیچے کی طرف بہتا ہے تو مختلف علاقوں سے آبپاشی کا اضافی پانی اور نہروں سے سیم زدہ پانی چھوٹی چھوٹی ندیوں کی صورت میں اس میں شامل ہوتا رہتا ہے۔جس کی وجہ سے اس خوڑ میں پانی کی مقدار زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

ان میں سب سے طویل ندی یا چھوٹا سا خوڑ سُر خابی کی پہاڑیوں سے شروع ہوتا ہے اور نیچے رُستم کی طرف بہتا ہے۔ پھر اس میں ملندری، بھڑ وچ، پیر ساہی، بادام، حمزہ کوٹ، جلیل، پلوڈھیری، ساولڈھیر اور جمال گڑھی تک کی پہاڑیوں سے چھوٹی چھوٹی ندیاں بہہ کر شامل ہو جاتی ہیں۔ نیچے یعنی جنوب کی طرف جا کر اس میں کڑا کڑ پہاڑی اور شہباز گڑھی کی پہاڑیوں کی طرف سے مزید ندیاں شامل ہو جاتی ہیں۔اس طرح شہباز گڑھی کے مقام پر ایک بڑی ندی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور مزید آگے جنوب کی طرف بہہ کر اور اپنے اندر علاقے کی

چھوٹی چھوٹی تمام ندیوں کو سمو کر طورو کے قریب ایک بڑے نالے میں جسے کلپانی نالہ کہتا ہے شامل میں ہوتا ہے۔ یہ کلپانی نالہ پھر مزید جنوب کی طرف جا کر نوشہرہ کے مشرق میں دریائے کابل میں جا گرتی ہے۔اس طرح یہ خوڑ علاقے سے بارش اور آبپاشی کی تمام اضافی پانی کو بہا کر لے جاتا ہے جس کی وجہ سے زمین سیم وطور کا شکار ہونے سے بچ جاتی ہے اور اُس کی زرخیزی میں اضافہ ہوتا ہے۔مزید برآں پہاڑوں سے سیلابی پانی نیچے آ کر اس میں بہتا ہے ،جس کی وجہ سے علاقے کی آبادی سیلاب کی پانی سے محفوظ رہتی ہے۔

وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں جب شہباز گڑھی ایک بڑا اور مشہور شہر ہوتا تھا اور یہ شہر افغانستان سے ہندوستان کے راستے میں ایک اہم مقام ہوتا تھا۔اس شہر میں درختوں کے جھنڈ ہوتے تھے جس کے سایے میں مسافر آرام کرتے تھے۔اس لیے یہاں پہنچ کر لوگ کہتے تھے کہ ہم اپنے مقام کو پہنچ گئے ہیں۔اور اسی وجہ سے یہ جگہ مقام سے موسوم ہوا اور اس کی تائید مذکور مثل ''دسترِ وزائے'' سے ہوتا ہے۔یعنی کوئی بھی مسافر تھکا ماندہ یہاں پہنچ کر تازہ دم ہو جاتا تھا اور اُسے ایسا لگتا تھا یعنی یوں محسوس کرتا تھا کہ گویا وہ اپنے مقام پر پہنچ گیا ہے۔اس وجہ سے یہ جگہ ''مقام'' سے موسوم ہوا۔

اس کے علاوہ تزکِ بابری کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ یہاں پر بابر نے قیام کیا تھا۔اس لیے اُس عظیم بادشاہ کی مناسبت سے اس جگہ جہاں اس نے قیام کیا تھا،مقام سے شہرت پائی ہو۔اسی مقام نامی ندی کی مناسبت سے تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر مردان میں ایک چوک بھی ''مقام'' چوک سے موسوم ہے کیونکہ وہاں سے ہو کر اسی طرف آنا ممکن تھا۔لہذا کسی نئے مسافر کو اشتباہ سے بچنے کے لئے وہاں پر مقام کی کوئی نشانی لگائی گئی تھی،کہ جس سے یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ مقام کی طرف یہ راستہ جاتا ہے جو بعد میں اسی جگہ کا نام ''مقام'' پڑ گیا ہو۔واللہ اعلم

یہ خوڑ جو مقام خوڑ کے نام سے مشہور ہے۔پہلے بہت ہی خوبصورت اور چوڑا تھا۔اس میں بہتا پانی صاف اور شفاف تھا۔چھوٹی بڑی مچھلیاں اس میں تیرتے ہوئے دکھائی دے رہی

تھی اور گاؤں کی عورتیں اس میں کپڑے دھویا کرتی تھیں ۔ پورا خوڑ سفید ریت سے بھرا ہوتا تھا۔

عصر کے وقت زیادہ تر لوگ خاص کر جوان تفریح کی غرض سے خوڑ جایا کرتے تھے اور دیر تک وہاں صاف ریت پر ٹولیوں کی شکل میں بیٹھ کر آپس میں گپ شپ لگایا کرتے تھے۔ ریت اتنا صاف ہوا کرتا تھا کہ کوئی صاف کپڑے پہن کر اگر اس ریت پر بیٹھ بھی جاتا تو کپڑے خراب نہیں ہوتے تھے۔شام کا اندھیرا چھا جانے پر اکثر لوگ پانی میں نہاتے تھے۔ یہ یہاں کے باشندوں کا معمول ہوا کرتا تھا۔خوڑ اتنا چوڑا تھا کہ ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک ریت پر چلتے چلتے انسان تھک جاتا تھا۔

اب گاؤں کی بڑھتی ہوئی آبادی اور گٹروں کے پانی نے اس خوڑ کے حسن کو متاثر کر دیا ہے ۔گاؤں کے اپنے باشندوں کے علاوہ علاقے کے دوسرے لوگوں بھی اس خوڑ کے ریت کو مکانات تعمیر کرنے کے لیے ٹریکٹروں کے ذریعے لے جانے میں مصروف ہیں۔جس کی وجہ سے خوڑ کی چوڑائی کم ہو کر رہ گئی ہے۔

لیکن پھر بھی اس خوڑ کا پانی مقدار میں زیادہ اور گہرا ہونے کی وجہ سے ظاہری طور پر صاف وشفاف دکھائی دیتا ہے اس کے علاوہ محکمہ فشری نے اس میں بڑی مقدار میں مچھلیاں چھوڑ رکھی ہیں۔ گاؤں کے نوجوان گرمیوں کے موسم میں عصر کے وقت جالوں اور کنڈوں کے ذریعے سے ان مچھلیوں کو پکڑنے میں مصروف ہوتے ہیں ۔جس سے اس خوڑ کے کنارے پر جشن کا سا سماں لگتا ہے۔اس کے علاوہ کچھ نوجوان خوڑ کے کنارے کبڈی، کرکٹ، فٹ بال اور دوسرے کھیل کھیلنے میں مصروف ہوتے ہیں۔

اس خوڑ کے کنارے بیٹھنے اور گپ شپ لگانے والوں میں گاؤں کے بہت سے فی البدیہہ شاعر بھی ہوتے تھے جنہیں عرف عام میں ''اخون'' کہا جاتا تھا۔ یہ اخون دراصل بالکل جٹ یعنی غیر تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ یہ لوگ پہلے اس خوڑ کی حسن سے بہت متاثر تھے اور اب اس کی بربادی پر نوحہ کناں ہیں۔لوگ اس خوڑ کے کنارے بیٹھ کر ان کی شاعری سے لطف

اندوز ہوتے تھے۔ان ''اخون'' قسم کے شاعروں میں سے اس خوڑ کے بارے میں ایک شاعر کا کلام کچھ یوں ہے۔

مقام خوڑ

ددنگو مَلو اینځرانو خوړه　　　　دګلابونون او ګلانو خوړه
ستا ګلابونه او ګلان څه شو　　　　دا ستا د غاړو اینځران څه شو
ښه راته یاد شی ستا دا پلنه لمن　　　　چه وه د سپینو سپینو شګو ډکه
سپینو ابو کښې وے دا سپینے شګے　　　　لکه شیشه د ملغلرو ډکه
ښه راته یاد دی څه ماشوم نه وومه　　　　ته به ماشوم شوے لوبیدے راسره
که به خفه شوم په ژاړه به شومه　　　　دغه شان ته هم ژاړیدے راسره

همزولی ټول به ستا په غاړه ناست وو ۔
ځنګ به دے شور کړو خندیدے راسره

که به ځه سیل له مازیګراووتم　　　　ته به په هره لاره تلے راسره
ځما د پیغلو پرده داره خوړه　　　　دمشرانو شان او ښیاره خوړه

په پشکال کښے چه غصه به شولے ـنو ستا اوبو به هر طرف ته غورځنګونه وهل
دغاړو ونے،آبادی اوښاروی ـ تا به د ځان سره دسیلمے یوړل

په دے حالت کښے به هم مونږ تا سره مینه کوله
مونږ به په ضد کښے ستا چپو ته چلانګونه وهل

لکه چه ځنګه مشران لاړه ـ دعسے ستا هغه دوران لاړه
کچه کورونه دے پاخه کړل ځمونږ ـخوځان دے خاورو سره خاورے کړولو
ځمونږ د دوه چته بنګلو په ارمان ـ　　　　ارمان دے خاورو سره خاورے کړلو

ځما د کلی ګیله منه خوړه ـ منم ځمونږ نه مرور خو به ئے

که راته خله باندے وائیلے نه شے ـ چے په زړګی پرهر پرهر خو به ئے

مونږ خود غرضه خود پرسته خلقو ـ ستا د وجود نه جائیدادونه جوړ کړل

مونږ قاتلان ستا د ښائست د کلی ـ مونږ ستا سینه باندے کورونه جوړ کړل

ستاسورے شوے کندے کندے وجود ـ مانه ګیله کوی پیغور راکوی

چه درته ګورمه سوزیږمه ځه ـ ماله د مینے په ځائے اوور راکوی

تا مشرانو سره پت او پاله ـ مونږه جوګه د پت پاللو نه یو

مونږ ته د خپل کلی ګنڑلے نه ئے ـ لکه چه مونږه ددے کلی نه یو

لکه ساتلے مشرانو چه وے ـ مونږ دے اس هغسے ساتلے نه شو

خوړه اوس لاړ شه چرته بل کلی ته ـ عابد دے دے حال ته کتلے نه شی

۳ـ مقام خوڑ پل کٹہ خٹ

مقام خوڑ ایک بہت بڑا نالہ ہے جس میں سارا سال پانی بہتا رہتا ہے۔ یہ خوڑ کٹہ خٹ کے مشرق میں شمال سے جنوب کی طرف بہتا ہے۔ پھر جنوب کی طرف کچھ آگے جا کر بل کھا کر مغرب کی طرف مڑ جاتا ہے اور کٹہ خٹ کو دوسرے علاقوں سے ملانے والے شاہراہ (جو کٹہ خٹ کی سب سے بڑی شاہراہ ہے) کو کاٹ کر آگے مغرب کی طرف بہتا ہے۔ چونکہ اس میں سارا سال پانی بہتا رہتا ہے اور ساون کے دنوں میں تو اس میں بہت زیادہ طغیانی آجاتی ہے۔ جس کی وجہ آس پاس کے زمینوں اور کھڑی فصلوں کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتا ہے، اس لیے کٹہ خٹ سے جنوب کی طرف دوسرے علاقوں کو آمد و رفت کے لیے اس پر ایک پل کی ضرورت تھی۔ پہلے پہل موسم سرما میں لوگ اپنی مدد آپ کے تحت اس کے پانی کو ٹریکٹروں کے ذریعے ایک طرف یکجا کر کے اس پر لکڑی کا بنا ہوا پل رکھ دیتے تھے۔ جو کہ

سردی کے موسم میں پیدل جانے والوں کے لیے ایک سہولت کا کام دیتا تھا۔ یہ سلسلہ کافی سالوں تک جاری رہا۔ پھر جب زمانے نے کروٹ بدلی اور پیدل جانے کی بجائے سواری کا استعمال زیادہ ہوگیا، تو اس پر ایک مستقل پل بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے سال 1968ء یونین کونسل کٹہ خٹ کے چیرمین جناب عبداللہ خان آف کنڈرکس نے ایک فرش بنایا۔ جس سے کوئی ایک سال تک لوگوں کو آمدو رفت کی سہولت میسر ہوئی۔ لیکن پھر جب اگلے سال ساون کے موسم میں مقام خوڑ میں طغیانی آئی تو اُس فرش کو اپنے ساتھ بہا کر لے گئی۔ جس کی وجہ سے آمدورفت کا سلسلہ ایک بار پھر منقطع ہوگیا اور لوگوں کو پہلے والی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ گیا۔

اگرچہ اس خوڑ پر پل حکومت وقت کے امداد کے بغیر ناممکن تھا کیونکہ اُس جگہ پر خوڑ کا پاٹ چوڑا تھا اور طغیانی کی وجہ سے اونچا پل بنانا بھی وقت کی اہم ضرورت تھی۔ ایسے میں کٹہ خٹ کی ایک مشہور سماجی شخصیت حاجی محمد یوسف خان صاحب نے لوگوں کی مشکلات کو دیکھتے ہوئے اس خوڑ پر اپنے وسائل سے پل بنانے کا تہیہ کرلیا۔

اپنی مدد آپ کے تحت یہ ایک مشکل بلکہ ناممکن کام تھا کیونکہ مقامی سطح پر جس قسم کے مشینڈری کی ضرورت تھی وہ میسر نہیں تھی، لیکن وہ جو کہتے ہیں ''ہمتِ مرداں مددِ خدا'' پل بنانے کا کام پرانے طور طریقوں سے شروع کیا گیا۔ اللہ پاک نے اُس میں برکت ڈالی اور دس مہینے کی قلیل مدت میں یہ پل جولائی 1969ء تیار ہوگیا۔ ساون کا مہینہ شروع ہو چکا تھا خوڑ میں طغیانی آئی اور پل کے ایک حصے کو منہدم کیا۔ جس کو اُس مبارک شخصیت نے دوبارہ اپنے وسائل سے اگلے سال کے شروع میں تعمیر کیا۔ اس طرح یہ پل سال 1970ء کے شروع میں ٹریفک کے لیے کھول دیا گیا۔ یہ پل تقریباً 25 سال مقام خوڑ کی طغیانیوں کا مقابلہ کرتا رہا، پھر سال 1995ء مقام خوڑ میں ایک زبردست سیلابی ریلے کی وجہ سے اس کا کچھ حصہ منہدم ہوگیا۔ اس کے بعد گاؤں کے لوگوں نے ایک اور سماجی کارکن مدثر خان ولد شاہی زمان خان کی

قیادت میں اس کی تعمیر کے لیے دوڑ دھوپ شروع کی اور بلآ خر حکومت پختونخواہ نے اس کے لیے کثیر رقم مختص کی اور اس طرح یہ پل آخری بار سال 2000ء میں مکمل ہو گیا۔

۴۔ گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول کٹہ خٹ

یہ سکول سال 2015ء میں ہائی سیکنڈری سکول کا درجہ بڑھا کر قائم کیا گیا ہے۔اس سکول کا یہاں تک پہنچنے کا سفر کافی طویل اور دلچسپ ہے۔ پہلے 1940ء میں اُس وقت کے بزرگوں کی کوششوں سے لڑکوں کے لیے ایک پرائمری سکول قائم کیا گیا۔ جو بلڈنگ نہ ہونے کی وجہ سے نامکمل تھا۔اس کے لیے محترم یعقوب خان جو میر بابو کی اولاد میں سے تھے، نے اپنا ایک بلڈنگ بغیر کسی معاوضے کے فراہم کردیا۔جس میں یہ سکول کوئی پندرہ سال تک علم کا مرکز بنا رہا اور اس سے گاؤں کے لڑکے اور لڑکیاں تعلیم کے زیور سے روشناس ہوتے رہے۔ پھر زمانے نے کروٹ بدلی ۔لوگوں کو تعلیم کی افادیت کا اندازہ ہوگیا،تو گاؤں کے مغرب میں شاملات کی کچھ زمین کو اپنی مدد آپ کے تحت ہموار کر کے اس پر خام شکل میں کچھ کمرے بنائے گئے ،جس میں سکول کا نظام چلایا جاتا رہا۔اُس دوران حکومت نے پرائمری سکول کا درجہ اُس وقت کے ایم ایل اے (MLA) عبداللہ خان کی کوششوں سے بڑھا کر مڈل سکول کردیا گیا۔ اس طرح یہ مڈل سکول سال 1955ء سے لے کر سال 1986ء تک علاقے کا ایک ماڈل سکول بنا رہا۔جس سے سینکڑوں کی تعداد میں لڑکے فارغ ہوکر ملک کے مختلف سکولوں ،اور کالجوں میں اپنا تعلیم مکمل کرنے کے بعد ملک وقوم کی خدمت میں اپنا تن من دھن لگاتے رہے ۔

سال 1986ء میں اس علاقے سے غیر جماعتی بنیاد پر منتخب ہونے والے ایم پی اے (MPA) جناب آمان اللہ خان نے اپنی کوششوں سے اس کا درجہ بڑھا کر مڈل سکول سے ہائی سکول کرادیا۔سکول کے لیے ایک بڑے گراونڈ کے لیے زمین بھی خریدی گئی،جس کی وجہ سے یہاں کے نوجوانوں میں کھیلوں سے دلچسپی مزید بڑھنے کا ذریعہ بن گیا اور اس طرح

نصابی تعلیم کے ساتھ صحت مندانا سرگرمیوں کا بھی آغاز ہو گیا۔اس کے علاوہ یہاں کے آساتذہ کرام کی شبانہ روز محنت سے اس سکول کے نام کو چار چاند لگ گیا اور یہ سکول ضلع مردان کے چند چیدہ چیدہ سکولوں میں شمار ہونے لگا۔اور دور دور کے مضافات سے لڑکے یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آنے لگے۔

سکول کے پرنسپل اور آساتذہ کرام کی یہ محنت رنگ لائی اور سال 2015ء میں پختونخواہ حکومت کے وزیر تعلیم جناب عاطف خان نے اس سکول کے آساتذہ کرام کی کارکردگی سے متاثر ہو کر اس کا درجہ ہائی سے بڑھا کر ہائیر سیکنڈری کر دیا۔جو اب تک اسی حالت میں ہے اور لڑکوں کے لیے علم حاصل کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔اس اسکول میں پرنسپل سمیت 30 آساتذہ کرام لڑکوں کو تعلیم دینے میں کوئی دقیقہ فرگداش نہیں کر رہے ہیں۔جبکہ سکول ھذا میں تقریباً چار سو لڑکے تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔

۵۔ گورنمنٹ ہائی سکول مالہ ڈھیری

کٹہ خٹ کے اس پورے علاقے میں گورنمنٹ ہائی سکول کٹہ خٹ واحد سکول تھا ،جس میں سارے علاقے کے لڑکے تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔لڑکوں کو یہاں تک آنے جانے میں سردی، گرمی، بارش اور دھوپ جیسے سخت موسمی حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔جس کی وجہ سے ان کی تعلیم حاصل کرنے کی کوششوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔جس کی وجہ سے علاقے کے لوگ کٹہ خٹ کے حدود میں ایک اور سکول کا مطالبہ کرنے لگے۔تاکہ اُن کے بچوں کی مشکلات کو کم کیا جا سکے اور اُن میں علم حاصل کرنے کے جذبے کو مدھم نہ ہونے دیا جائے۔چنانچہ لڑکوں کے تعلیم حاصل کرنے کے جذبے کو برقرار رکھنے اور اُن کی تکالیف کو کم کرنے کے کی خاطر علاقے کے منتخب ایم پی اے (MPA) جناب عبدالاکبر خان کی کوششوں سے سال 1990ء میں مالہ ڈھیری کے مقام پر ایک مڈل سکول کا قیام عمل میں لایا گیا۔اس

طرح اس دور دراز علاقے کے لڑکوں کو مقامی سطح پر تعلیم حاصل کرنے کی سہولت میسر آ گئی۔جس سے اُن کو اپنی صلاحیتوں کو مزید نکھارنے کا موقع میسر آ گیا۔

مقامی سطح پر تعلیم کی سہولت میسر آنے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں میں تعلیم سے روشناسائی کا شوق مزید بڑھ گیا۔اسی وجہ سے سال 2015ء میں سکول میں لڑکوں کی تعداد اور سکول کے آساتذہ کی اچھی کارکردگی کو مدنظر رکھتے ہوئے خیبر پختونخواہ کے اُس وقت کے وزیر تعلیم جناب عاطف خان نے اس سکول کا درجہ مڈل سے بڑھا کر ہائی سیکنڈری کر دیا۔اس طرح علاقہ کٹہ خٹ کے حدود میں لڑکوں کی تعلیم حاصل کرنے کے مد ایک اور قیمتی ادارے کا اضافہ ہو گیا۔

۶۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کٹہ خٹ

کٹہ خٹ میں لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کی بھی اشد ضرورت تھی۔کیونکہ ایک پڑھی لکھی ماں کی بدولت سارا خاندان پھل پھول سکتا ہے اور علم کی روشنی سے آراستہ ہو سکتا ہے۔اسی وجہ سے مقامی لوگوں کو جب اس بات کا احساس ہو گیا کہ خاندان کی ترویج و ترقی کے لیے عورت کی تعلیم نہایت ضروری ہے،تو انہوں نے اس کے لیے دوڑ دھوپ شروع کی اور بلآخر سال 1970ء میں یہاں پر لڑکیوں کے لیے ایک پرائمری سکول کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس سے پہلے جو تھوڑی بہت لڑکیاں تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کرتیں تھیں وہ لڑکوں کے پرائمری سکول میں پڑھنے جاتی تھیں۔

تعلیم کے مواقع میسر آنے کے بعد بہت سی لڑکیوں نے سکول میں داخلہ لے لیا اور اس طرح مردوں کے ساتھ عورتیں بھی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے لگیں۔لیکن پانچویں جماعت پاس کرنے کے بعد لڑکیوں کو مزید تعلیم حاصل کرنا مشکل ہو گیا تھا،کیونکہ نزدیک ہی کوئی مڈل یا ہائی سکول نہیں تھا اور صرف گنے چنے لوگوں کی لڑکیاں دوسرے شہروں میں تعلیم

حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھیں جبکہ باقی لڑکیاں وسائل نہ ہونے کی وجہ سے گھر میں ہی بیٹھ جاتیں۔ چنانچہ گاؤں کے لوگوں کے لیے ایک بڑا مسئلہ بن گیا اور اس کے لیے سیاسی طور پر دوڑ دھوپ ہونے لگی۔ بلآخر سال 1990ء میں خیبر پختونخواہ کے وزیرِاعلیٰ میر افضل خان نے اپنے انتخابی مہم کے دوران کٹہ خٹ میں لڑکیوں کے لیے مڈل سکول کے قیام کا اعلان کر دیا اور اس کے لیے زمین یہاں کے ایک خان جناب عالمزیب خان نے مفت فراہم کر دی۔ جس کے بعد کٹہ خٹ اور ارد گرد کے علاقوں کی لڑکیاں آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کرنے کی قابل ہوگئیں۔ اس سکول نے نہایت ہی اچھے رزلٹ دینے شروع کئے اور چند ہی سالوں میں یہاں کی لڑکیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شعور بڑھ گیا جس کی وجہ سے مقامی سطح پر سکول کا درجہ بڑھانے کا مطالبہ زور پکڑتا گیا۔

اسی مطالبے اور سکول ھذا کی اچھی کارکردگی کو مدنظر رکھتے ہوئے سال 2015ء میں پختونخواہ کے وزیرِتعلیم اور مقامی ایم پی اے (MPA) جناب محمد عاطف خان نے اس سکول کا درجہ مڈل سے بڑھا کر ہائی کرا دیا اور اس طرح یہ سکول گورنمنٹ ہائی سیکنڈری سکول کٹہ خٹ کے نام سے ظہور پذیر ہو گیا۔ یہ سکول مقامی سطح پر لڑکیوں میں علم کی روشنی پھیلانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اور اس کا شمار اچھے رزلٹ دکھانے والے سکولوں کی فہرست میں شامل ہے۔ موجودہ وقت میں یہاں ایک پرنسپل کے علاوہ تیرہ اُستانیاں علم کی روشنی پھلا رہے ہیں جبکہ کل تقریباً دوسو کے قریب لڑکیاں زیرِتعلیم ہیں اور اُمید کی جاسکتی ہے کہ اس کی کارکردگی کو مدِنظر رکھتے ہوئے جلد ہی اس کا درجہ ہائی سے بڑھا کر ہائیر سیکنڈری کر دیا جائے گا۔

۷۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول مالہ ڈھیری

کٹہ خٹ میں مقامی طور پر مڈل سکول بننے کے بعد دور دراز کی لڑکیاں بھی کٹہ خٹ آنے لگیں۔ کیونکہ تعلیم حاصل کرنے کا شوق اب پورے ویلج کونسل کی لڑکیوں میں سرایت کر

گیا تھا اور والدین کو اس کا احساس ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ اب اپنی لڑکیوں کو گورنمنٹ مڈل سکول کٹہ خٹ میں داخل کرانے لے آتیں۔ لیکن پھر وہی پرانا مسئلہ موسم کی سختی و نرمی اور بارش ، دھوپ کا درپیش ہو گیا۔ جس کی وجہ سے لڑکیوں اور اُن کے والدین کو نہایت ہی مشقت اُٹھانا پڑتیں تھیں۔ چنانچہ اس مسئلے کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہو گئی اور اُس کے لیے دوڑ دھوپ ہونے لگی۔ لوگوں کی کوششیں جلد ہی رنگ لے آئیں اور چند ہی سالوں کے اندر پختونخواہ اسمبلی کے سپیکر اور مقامی ایم پی اے (MPA) جناب عبدالاکبر خان کی وساطت سے محکمہ تعلیم نے اس سکول کا درجہ پرائمری سے بڑھا کر مڈل کر دیا۔ جس کی وجہ سے کٹہ خٹ ویلیج کونسل کے اس دور دراز علاقے میں بھی لڑکیوں کو تعلیم کی سہولت میسر آ گئی۔ اور لوگ اپنی بیٹیوں کو جوق در جوق اس سکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخل کرانے لگیں۔ پھر سال 2015ء میں سکول کی کارکردگی کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کا درجہ بھی مڈل سے بڑھا کر ہائی کر دیا گیا۔ اور اس طرح ویلیج کونسل کٹہ خٹ میں لڑکیوں کے لئے یہ دوسرا ہائی سکول گورنمنٹ ہائی سیکنڈری سکول مالہ ڈھیری کے نام سے ظہور پذیر ہو گیا۔ جو کہ اب بڑے پیمانے پر ویلیج کونسل کٹہ خٹ کے اس دور دراز علاقے میں لڑکیوں کے تعلیم حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

۸۔ بنیادی صحت کا مرکز (BHU)

صحت کے معاملے میں یہاں کے لوگوں کا ایک بڑا مسئلہ یہاں پر ایک ہسپتال کا فقدان تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ اپنے مریضوں کو علاج کی غرض سے دور دراز شہروں میں لے جاتے تھے۔ جو کہ ایک تکلیف دہ عمل تھا، اور اس میں مریض کی تکلیف کے ساتھ ساتھ لواحقین کو بھی کافی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ یہاں کے عوام کی طرف سے ایک بنیادی صحت کے مرکز کے قیام پر زور دینے لگا۔ چنانچہ سال 1985ء میں یہاں سے منتخب ہونے والے ایم پی اے (MPA) جناب آمان اللہ خان نے لوگوں کے اس مطالبے پر لبیک کہا اور موضع

کٹہ خٹ اور، باریکاب کے لیے ایک بنیادی صحت کا مرکز (BHU) کے قیام کا اعلان کر دیا۔ جس کے لیے موضع باریکاب کے ایک خان جناب خالد اقبال خان نے مفت زمین مہیا کر کے ثواب دارین حاصل کی۔

اس ہسپتال میں ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر کے علاوہ تین ٹیکنیشن مرد، تین ٹیکنیشن عورت سمیت کل پندرہ ملازمین لوگوں کو صحت کی سہولتیں بہم پہنچانے میں شب و روز مصروف ہیں اور اپنے قیام سے لیکر اب ہزاروں مریضوں کا علاج کر چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کا ایک بڑا دیرینہ مسئلہ حل ہو گیا۔

۹۔ گریوٹی فلو آبپاشی سکیم کٹہ خٹ / باریکاب

کٹہ خٹ کی تمام زمین نہری پانی سے سیراب ہوتی ہے، جس کی وجہ سے یہاں کی زمین کافی زرخیز ہے اور اچھی پیداواری صلاحیت کی حامل ہے۔ لیکن کٹہ خٹ اور باریکاب کا ایک حصہ جو نہر اپر سوات مچئی برانچ سے برائے راست ایک کھال کے ذریعے سیراب ہوتا تھا، میں آبپاشی کی کافی مشکلات تھیں۔ کیونکہ کھال کی لمبائی زیادہ ہونے کی وجہ سے پانی کا ضیاع بہت زیادہ ہوتا تھا اور کھیتوں کو بروقت پانی کا حصول ایک مشکل امر تھا، خاص کر کھال کے آخری سرے کی زمینوں میں یہ مسئلہ کافی گھمبیر صورت اختیار کر چکا تھا۔ اور لوگوں کی کھڑی فصلیں پانی دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اکثر سوکھ جاتی تھیں۔

چنانچہ اس مسئلے کے حل کے لیے مقامی طور پر اپنی مدد آپ کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے موضع باریکاب کے خوانین میں سے ایک خان جناب میر ہوس خان جو کہ حبیب خان ولد میر بابو کی اولاد میں سے تھا اور نہایت ہی باہمت اور دلیر انسان تھا، نے کمر کس لی۔ کٹہ خٹ اور باریکاب کے مغرب میں سیلابی پانی کی ایک ندی بہتی تھی، جس میں سیلابی پانی کے علاوہ کھیتوں سے سیم کی شکل میں بھی اضافی پانی رس رس کر سارا سال بہتا رہتا تھا۔ چونکہ

اس ندی کے پانی کو کٹہ خٹ کے لوگ کپڑے دھونے، نہانے اور جانوروں کے پینے کے لیے استعمال کرتے تھے۔اس کے علاوہ ایک جگہ پر واٹر پمپ کے ذریعے اس کو لفٹ کر کے اس سے زمین بھی سیراب کراتے تھے۔اس لیے میر ہوس خان نے کٹہ خٹ آ کر یہاں کے خوانین کے ساتھ مشورہ کر کے ان کو اعتماد میں لے لیا اور ان کی تحفظات دور کرنے کے بعد اس ندی پر باریکاب کے مغرب کی طرف مٹی کا ایک بہت بڑ بند باندھ دیا۔ جو کہ اُس وقت میں مشینڈری دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اپنی مدد آپ کے تحت ایک بہت بڑا منصوبہ تھا۔اور اس کو میر ہوس خان نے کئی سال کی مسلسل جد جہد کے بعد پایا تکمیل تک پہنچایا۔اس بند (ڈیم) کی وجہ سے پانی کی سطح کو اونچا کیا گیا اور پھر اس سے مشرق کی جانب ایک چھوٹی سی نہر نکال کر اس میں باریکاب اور کٹہ خٹ کی تقریبا آٹھ سو کنال زمین کو سیراب کرنے کے لیے پانی لے جایا گیا اور پھر اس نہر سے زمینوں کو سیراب کرنے کے لیے وار بندی کا نظام بھی احسن طریقے سے خود ترتیب دے دیا جو کہ آج تک قابل عمل ہے۔

یہ اپنی مدد آپ کے تحت بننے والا ایک شاندار منصوبہ ہے۔ اس سے سارا سال زمینوں کو پانی مہیا ہوتا رہتا ہے۔اس منصوبے کے تحت وہ زمینیں جو پانی نہ ہونے کی وجہ سے بنجر پڑی تھیں، آباد ہو گئیں۔

پہلے میر ہوس خان اس منصوبے کی دیکھ بھال خود کرتا تھا اور اس کی مرمت کی مد میں ہر سال ہزاروں روپے اپنی مدد آپ کے تحت خرچ کرتا تھا۔اُس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا سعداللہ خان اور اب اُس کا پوتا انور اقبال خان اس کی مرمت پر سالانہ لاکھوں روپے خرچ کرتا ہے اور اس منصوبے کو اب تک رواں دواں رکھا ہوا ہے۔

10۔ شوکت شہید چوک کٹہ خٹ

جب ہم تاریخ کے اوراق کو اُلٹ پلٹ کر دیکھیں۔تو بات سامنے آجاتی ہے کہ بہت پہلے کٹہ خٹ سے باہر بڑے شہروں یعنی رُستم اور مردان کو جانے کے لیے مشرق کی سمت ایک چھوٹا سا راستہ یعنی پگڈنڈی استعمال ہوتی تھی،جس پر لوگ پیدل مقام خوڑ کو پار کر کے چار کلومیٹر کے سفر پر چارگلی تک جاتے تھےاور پھر چارگلی سے آگے مردان یا رُستم جانے کے لیے تانگہ یا بس کی سواری مل جاتی تھی۔جس پر سفر کر کے لوگ اپنی اشیائے ضرورت حاصل کرنے کے لیے انہی شہروں میں جاتے تھے یا ان شہروں سے آگے پشاور،اسلام آباد،کراچی وغیرہ اور یہاں تک کہ بیرون ملک حج یا مزدوری کے لیے سفر کرتے تھے۔پھر زمانے نے کروٹ لی اور پیدل سفر طے کرنے کی بجائے سواریوں کی سہولت میسر آگئی۔لوگوں کو سواری کی استعمال کے لیے موٹر سائیکل،سوزوکی پک اپ،ڈاٹسن اور چنگ چی وغیرہ مارکیٹ میں آگئے۔اس کے علاوہ صاحبِ حیثیت لوگوں نے اپنی ذاتی استعمال کے لئے مختلف قسم کی گاڑیاں مثلاً موٹر سائیکلیں،موٹر کاریں،جیپ،سوزوکی پک اپ اور ڈاٹسن وغیرہ خرید لیے۔

انہی سہولتوں کو استعمال کرنے کے لیے کٹہ خٹ سے چارگلی تک پگڈنڈی کی بجائے ایک کشادہ راستے کی ضرورت تھی۔چنانچہ اُس وقت کے ایم ایل اے عبداللہ خان کی کوششوں سے کٹہ خٹ کے مقامی خوانین نے کٹہ خٹ تا گجرات چارگلی روڈ ڈھائی کلومیٹر لمبی اور چوبیس فٹ چوڑی روڈ کے لیے اپنی زمینیں بلا معاوضہ رضا کارانہ طور پر پیش کیں۔جس کو پہلے اپنی مدد آپ کے تحت کچا بنا کر شنگل وغیرہ سے ہموار کر دیا گیااور درمیان میں کراس ہوتی ہوئی مقام خوڑ کے اوپر پل کا بھی بندوبست کیا گیا(جس کی تفصیل پہلے درج کی گئی ہے)۔اس طرح تمام لوگ چارگلی یا بخشالی اور اس سے آگے رُستم اور مردان وغیرہ تک آمدورفت کے لیے اسی راستے کو استعمال کرنے لگے۔جو آسان اور آرام دہ ہونے کے ساتھ ساتھ چھوٹے گاڑیوں

مثلاً تانگہ، چنگ چی، تیز رفتار وغیرہ چلانے والوں کے لیے ذریعہ معاش بھی بن گیا۔

جب زندگی گزارنے کی رفتار مزید تیز ہوگئی اور لوگوں کے لیے سواریوں کے موجود ہونے کے باوجود فرصت نہ ہونے کی وجہ سے دور کے شہروں مردان، رُستم، چارگلی اور بخشالی تک جانا محال ہوگیا، تو پھر علاقے کے لوگوں کو اشیائے ضرورت بہم پہنچانے کے لیے کٹہ خٹ روڈ اور گجرات چارگلی روڈ کے ملاپ پر موجود چوک پر دکانیں اور بازار بنانے کا انتظام کیا گیا۔ شروع شروع میں یہاں پر چند کریانہ کی دکانیں بن گئی لیکن بعد میں وسعت پا کر ایک مکمل بازار بن گیا۔ جس میں تمام اشیائے ضرورت ملنے لگیں۔ اس سے علاقے کے لوگوں کو دو قسم کے فائدے مل گئے۔ ایک تو ان اشیاء کے حصول کے لئے دور کے شہروں مردان، رستم، بخشالی اور چارگلی کے سفر سے نجات مل گئی جو سخت موسموں، سردی، گرمی، بارش اور دھوپ میں ایک بڑا عذاب ہوتا تھا اور دوسری یہ کہ رفتارِ زمانہ کے تیز ہونے کی وجہ سے اُن کا قیمتی وقت بھی ضائع ہونے سے بچ گیا۔

یہ ایک خوبصورت اور مختصر بازار ہے جس میں لوگوں کو اپنی ضرورت کی تمام اشیاء مناسب نرخوں پر دستیاب ہوتا ہے۔ اس کے درمیان میں کٹہ خٹ روڈ اور گجرات چارگلی روڈ کے ملاپ سے جو چوک بن گیا ہے اُس چوک نے اس بازار کی خوبصورتی کو دوبالا کر دیا ہے۔ اس چوک کو پہلے گٹہ خٹ چوک، چغرزو چوک وغیرہ کے مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ لیکن پھر مقامی انتظامیہ نے یہاں سے پاک فوج میں ایک بہادر سپوت شوکت علی کی شہادت پر جس نے دہشت گردوں کے خلاف لڑتے ہوئے ملک کی سلامتی اور حفاظت کی خاطر شہادت کا رُتبہ حاصل کیا تھا، اس چوک کا نام شوکت شہید چوک رکھ دیا۔ جس سے اس چوک اور اس بازار کی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہوگیا اور اس سے اس بات کو بھی تقویت مل گئی کہ زندہ قومیں اپنی شہیدوں کو نہیں بھولتی اور اُنہیں ہر حال میں یاد کرتی رہتی ہیں اور بارگاہ الٰہی میں اُن کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لیے دعائیں کرتی رہتی ہیں۔

11۔ کامران شہید چوک دوبئ اڈہ

یہ چوک کٹہ خٹ یونین کونسل کے مغربی سمت پر آخری مقام ہے جو چار یونین کونسلوں کا جنکشن ہے اس کے شمال میں پلوڈھری کا خوبصورت پہاڑی علاقہ ،جنوب میں گجرات یونین کونسل کے لہلہاتے کھیت ،مغرب میں ساولڈھیر یونین کونسل کے پھلوں سے بھرے باغات اور مشرق میں کٹہ خٹ یونین کونسل کے زرخیز کھیت اور کھلیان ہیں۔دوراز علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کو ہر طرف سے اشیائے ضرورت حاصل کرنے کے لیے بڑی مشقت اور تکلیف دہ صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

پہلے پہل یہاں پر صرف ایک قصاب گوشت فروخت کرنے کے لیے اپنا تخت لگاتا تھا۔اُس قصاب کا نام سرور خان تھا جو بڑی مشقت سے دور دراز کی منڈیوں سے مویشی لاتا تھا اور پھر اُن کو ذبح کر کے علاقے کے لوگوں کو گوشت فراہم کرتا تھا۔وہ بڑا ایماندار اور خوش اخلاق انسان تھا۔اُس کی ایمانداری کی وجہ سے لوگ دور دور سے گوشت حاصل کرنے کے لیے اُس کے پاس آتے تھے۔اُس کی ایمانداری،خوش خلاقی اور ملنساری کی وجہ سے اس چوک کا نام سروری چوک پڑ گیا۔

پھر جب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس علاقے میں آبادی بڑھ گئی تو اُن کو اپنی ضروریات کی حصول کے لیے مقامی سطح پر ایک بازار کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔جس کے لیے اس جنکشن کو ایک مناسب اور موزون جگہ قرار دیا گیا۔یہ جگہ چونکہ کٹہ خٹ کے مختلف خوانین کی ملکیت تھی اس لیے اُن میں سے کچھ خوانین نے اپنے وسائل سے یہاں دکانیں اور مارکیٹ بنانے شروع کئے اور کچھ نے اپنی زمین مقامی افراد کے ہاتھ فروخت کی ،جنھوں نے اس پر مارکیٹ بنائے۔اس طرح یہ چوک آباد ہونے سے مقامی لوگوں کو یہاں پر کاروبار کرنے کا ایک نادر موقعہ ہاتھ آ گیا۔جس کا انھوں نے بھرپور افائدہ اُٹھا کر اس بازار کی خوبصورتی کو دوبالا کردیا۔

اس بازار کے درمیان میں جو چوک ہے اُس کے ساتھ ایک نہر بھی بہتی ہے جو مالا مائنر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ نہر اپر سوات کے مچئی برانچ سے پانی علاقے کے سرسبز اور شاداب کھیتوں تک پہنچاتا ہے۔ اس نہر نے اس بازار کی خوبصورتی کو مزید نکارا ہے اور گرمیوں میں یہاں سے گزرنیوالے ہر شخص کو نہر کے پانی سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ملنے پر ایک خوشگوار احساس ہوتا ہے اور اپنے آپ کو گرمی کے سخت موسم میں بھی تروتازہ محسوس کرتا ہے۔

اس بازار کے آباد ہونے پر اس کے کئی نام تجویز کئے گئے۔ لیکن آخر میں سب لوگ دوبئ آڈہ کے نام پر متفق ہوگئے۔ پھر اس نام سے یہ بازار ترقی کے مدارج طے کرتا گیا اور آج کل اس کا شمار علاقے کے چند جدید اور خوبصورت بازاروں میں ہوتا ہے۔

بازار کے درمیان میں چوک اس کی خوبصورتی کو مزید دوبالا کرتا ہے۔ اس چوک کا نام تو پہلے پہل سرور خان قصاب کے نام سے پڑ گیا تھا لیکن بعد میں اس کو دوبئ اڈہ چوک، مالا چوک وغیرہ کے ناموں سے پکارا گیا اور جب سال 2009ء میں یہاں کا ایک سپوت کامران خان جو باچا خان یونیورسٹی چارسدہ میں زیرِ تعلیم تھا اور دورانِ تعلیم باچا خان یونیورسٹی پر دہشت گردوں نے حملہ کر دیا تو یہ نوجوان باقی طالب علموں کی طرح کہیں چھپ جانے کی بجائے دہشت گردوں کے سامنے ڈٹ گیا۔ دہشت گردوں نے اُس کو راستے سے ہٹانے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن یہ مردِ میدان اپنی چھوٹی سی پستول سے کافی دیر تک اُن کا مقابلہ کرتا رہا، یہاں تک کہ جامِ شہادت نوش کیا، لیکن اس نے اپنی زندگی میں دہشت گردوں کو کھل کھیلنے کا موقع نہ دیا۔ کامران خان کی اس بہادری پر باچا خان یونیورسٹی چارسدہ کو آج بھی فخر ہے اور اُس کا نام یونیورسٹی میں شہداء کے رول آف ہانر (Role of Honer) میں درج کیا گیا ہے۔ کامران خان کی اس بہادری، شجاعت اور دلیری پر مقامی انتظامیہ نے دوبئ اڈہ چوک کا نام کامران شہید چوک رکھ دیا ہے۔ جو سارے علاقے کے لوگوں کے لیے بھی باعث مسرت اور باعث فخر ہے۔

باب 10

مشہور خاندان

موضع کٹہ خٹ ابتدا میں ایک مال مویشی چرانے والا شخص کٹہ گوجر کی وجہ سے آباد ہوا تھا اور پھر بہت سے گوجر مختلف علاقوں سے یہاں پر آکر آباد ہو گئے تھے۔ لیکن گردش ایام کے ساتھ ساتھ وہ تمام لوگ اور اُن کی اولاد یہاں سے دوسرے مقامات کو ہجرت کر گئے اور اُس کی جگہ دوسرے ہندو خاندان یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اس کے بعد کچھ زمیندارہ کرنے والے اور مال مویشی پالنے والے اور لوگ بھی یہاں پر آکر آباد ہو گئے تھے۔ بعد میں ہندوؤں کے تمام خاندان سال ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد یہاں سے ہندوستان چلے گئے۔

آٹھارویں صدی عیسوی میں کٹہ خٹ کا علاقہ امیر خان (میر بابو) آمان زئی کے زیر تصرف آگیا اور پھر اُس کے مرنے کے بعد وراثت میں اُس کی چوتھی بیوی کے حصے میں آگیا۔ جس کا بڑا بیٹا افضل خان تھا۔ یوں مالکانہ حیثیت سے کٹہ خٹ میں صرف ایک ہی خاندان میر بابو خیل آباد ہیں۔ میر بابو خیل کے ساتھ ایک مذہبی خاندان اخون خیل اور ان کے ساتھ کام کرنے والے اور ان کی امداد کرنے والے کچھ دیگر یوسف زئی خاندان اور زمیندارہ کرنے والے باغبان خاندان کے علاوہ پیشہ ور خاندان جن میں ترکھان خاندان اور لوہار خاندان شامل ہیں یہاں پر آکر آباد ہو گئے ہیں۔ یہ تمام لوگ اپنی بساط سے بڑھ کر گاؤں کی تعمیر و ترقی میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے موضع کٹہ خٹ کا شمار علاقے کی پُرامن اور ترقی یافتہ مواضعات میں ہوتا ہے اور یہاں کی خوشگوار ماحول کی وجہ سے دور دراز کے علاقوں خصوصاً دیر، سوات اور بونیر سے لوگ یہاں آکر زمینداری کے لیے زمین خرید رہے ہیں اور مستقل رہائش اختیار کر رہے ہیں۔

ان تمام خاندانوں کی تفصیل اور ان میں اہم شخصیات کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

اخون خیل خاندان

مولانا محمد اسحاق صاحب

موضع کٹہ خٹ میں اخون خیل خاندان کا بانی مولانا محمد اسحاق صاحب تھے۔ مولانا محمد اسحاق صاحب مولانا محمد جسیم صاحب کے ہاں موضع رُستم میں ۱۲۹۴ھ بمطابق 1865ء میں پیدا ہوئے۔ اُس کے والد بزرگوار محمد جسیم صاحب علاقے کے بہت بڑے عالمِ دین تھے اور لوگ دور دور سے اُس سے علم حاصل کرنے آتے تھے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب نسب کے لحاظ سے اخون خیل تھے اور اُس کا شجرہ نسب اخون سالاک سے جاملتا ہے۔ اُس کا پردادا شیخ عبدالرازق، جس کا مزار بونیر میں ہے بھی بہت بڑے عالم اور تقویٰ دار انسان تھے۔ اس طرح دینی علوم کا سلسلہ شیخ عبدالرازق کی آل اولاد میں رچ بس کر گیا ہے اور تا حال یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

محمد اسحاق صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۳۰۵ھ میں جب اس کی عمر صرف گیارہ سال تھی، مزید دینی علوم کے حصول کے لئے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ چونکہ اس وقت میں ہندوستان جانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا لیکن محمد اسحاق صاحب کے دل میں دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق اتنا گھر کر گیا تھا کہ اُس نے ان مشکلات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے رختِ سفر باندھ لیا۔ پہلے مرحلے میں وہ رُستم سے پیدل چل کر علاقہ صوابی آگئے اور ہنڈ کے مقام پر اقامت اختیار کر لی۔ چونکہ آگے سفر کرنے کے لئے زادِ راہ کی ضرورت تھی اس لیے ہنڈ کے علاقے میں ایک ماہ تک محنت مزدوری کر کے ہندوستان جانے کے لیے کچھ رقم جمع کر لی۔ اُس زمانے میں نوشہرہ سے ہندوستان جانے کے لیے ریل کا ٹکٹ ڈھائی روپے ہوتا تھا۔ صوابی سے نوشہرہ تک پھر پیدل سفر کیا اور پھر وہاں سے ریل گاڑی میں سوار ہو کر دہلی پہنچ گیا۔ کچھ دنوں تک دہلی میں اقامت اختیار کر لی اور جب سفر

کی تھکاوٹ ختم ہوئی تو وہاں سے پیدل چل کر فتح پور پہنچ گئے اور وہاں کے مشہور مدرسہ میں داخلہ لے لیا اور دینی تعلیم حاصل کرنے کا آغاز کر دیا۔ محمد اسحاق صاحب نے مسلسل نو سال تک پڑھنے کے بعد سند فراغت حاصل کیا۔ مدرسہ سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد حصول علم کی تشنگی مزید بڑھ گئی تھی، چنانچہ اپنی اس تشنگی کو دور کرنے کے لیے شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی کے ساتھ دورہ حدیث شروع کیا اور دو سال تک پڑھنے کے بعد سال ۱۳۱۵ھ میں اُس سے سند فراغت حاصل کیا اور پھر اپنے اُستاد کی رہنمائی اور ہدایت کے مطابق وہاں سے موضع رنگون (بنگال) چلے گئے اور وہاں پر طالب علموں کو تین سال تک قرآن شریف اور احادیث نبوی کا درس دیتے رہے۔ اس دوران وہ وہاں سے تین بار یعنی مسلسل ہر سال حج بیت اللہ پر تشریف لے جاتے گئے۔ اور آخری سال مدینہ منورہ میں چھ ماہ قیام کیا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں قیام کے دوران مولانا محمد علی جونپوریؒ سے تصوف کے چاروں طریقوں میں بیعت کی اور پھر تصوف کے چاروں طریقوں میں مسلسل محنت شاقہ سے خلافت کے درجے تک پہنچ گئے۔

بنگال میں تین سال تک درس و تدریس کرنے کے بعد وطن کی یاد ستانے لگی۔ جس کی وجہ سے رخت سفر باندھا اور واپس اپنے آبائی گاؤں رُستم تشریف لے آئے۔ لیکن یہاں بھی بیکار بیٹھنا مناسب نہ سمجھا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور مسلسل آٹھ سال یعنی ۱۳۲۵ھ تک موضع رُستم میں دینی شعبے میں لوگوں کی خدمت کرتے رہے اور دین کی روشنی بذریعہ درس و تدریس پھیلاتے رہے۔

موضع کٹہ خٹ کے خوانین نے جب آپ کی شہرت سنی تو ایک وفد کی شکل میں آپ کے پاس آئے اور آپ کو موضع کٹہ خٹ آ کر دین کی خدمت کرنے پر مجبور کیا۔ جس کی وجہ سے آپ سال ۱۳۲۵ھ میں رُستم سے کٹہ خٹ منتقل ہوئے اور یہاں پر اپنے درس و تدریس کے سلسلے کو جاری کیا۔

اُس وقت تک موضع کٹہ خٹ اور ارد گرد کے علاقہ میں کوئی عالم دین نہیں تھا۔ جس

کی وجہ سے لوگ اُمور دینیہ سے ناواقف تھے۔لوگوں میں جاہلیت اور ہندوانہ رسومات گھر کر گئے تھے۔مولانا صاحب نے معاشرے سے ان غیر شرعی رسومات کو ختم کرنے کے لیے عملی جدو جہد کا اغاز کیا جو کہ ایک تکلیف دہ کام تھا،لیکن آپ تو استقامت کے پہاڑ تھے۔ایک طرف قرآن وآحادیث کے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور دوسری طرف معاشرے کے غیر شرعی رسومات کے خاتمے کے لیے آواز اُٹھائی۔اس سلسلے میں کئی مناظرے بھی کیے۔جس کے ذریعے غیر شرعی رسومات میں اہم اصلاحات کیں جن میں ''نداءلغیر اللہ،اشارہ فی الصلوۃ اورایام عید میں رسوم جاہلیت کا ازالہ'' شامل ہے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب اپنے زمانہ کے ''استاذالثقلین'' بھی تھے اور وہ انسانوں کے علاوہ جنوں کو بھی پڑھاتے تھے۔اس سلسلے میں ایک جن کا واقعہ عوام الناس میں نہایت ہی مشہور ہوا ہے جس نے آپ سے صحاح ستہ پڑھی تھی۔آپ کو صوفیائے کرام سے بھی بہت محبت تھی اوران کی محفلوں میں شامل ہونے کے لیے دوردور تک سفر کرتے تھے۔

آپ جہاد کے بھی شوقین تھےاور جہاد کو تبلیغ دین کے لیے ایک اہم ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں جب مولانا فضل واحد صاحب المعروف ترنگزو بابا جی ۱۳۳۹ھ میں بونیر کے دورے پر آئے تو آپ اُس کے ہمرکاب تھے۔جب ترنگزو بابا جی دورہ بونیر ختم کرکے واپس براستہ سوات روانہ ہوئے تو آپ اُس سے اجازت لے کر واپس موضع کٹہ خٹ تشریف لے آئے اور یہاں پر پھر درس وتدریس کو جاری رکھا۔اس سلسلے میں موضع کٹہ خٹ کے خوانین کا آپ کے ساتھ ہر طرح کا تعاون رہا اور آپ کے کسی کام میں کوئی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔

آپ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ بمطابق 1915ء کو بعد نماز ظہر پچاس سال کی عمر میں وفات پا گئے اور مقبرہ کٹہ خٹ میں مدفون ہوئے۔آپ نے بوقت وفات دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی چھوڑ دی تھی۔آپ کے وفات کے وقت آپ کے صاحب زادوں میں مولوی محمد صاحب دس سال اور مولوی محمد یعقوب صاحب آٹھ سال کے تھے۔

شجرہ نسب محمد اسحاق صاحب

- مولانا عبدالرازق صاحب
  - اخون صاحب رستم
  - مولوی عبدالغفور صاحب
    - مولوی عبدالکبیر صاحب
      - مولوی عبدالبصیر صاحب
        - مولوی محمد مستقیم صاحب
          - مولانا محمد جسیم صاحب
            - مولانا محمد یحییٰ
              - مولوی محمد صادق ☆
              - مولوی عبدالحق ☆
            - مولانا محمد اسحاق (صفحہ 196)
            - عابداللہ
              - مولانا عزیزاللہ
            - عبدالحلیم
              - احمد سعید
                - نسیم صاحب
                - عبدالکریم صاحب
              - عبدالرحمان
                - حکیم عبدالوہاب
            - فضل رحیم
              - مولوی عبدالشکور
              - ناظم سعید الرحمٰن
            - فضل کریم ☆

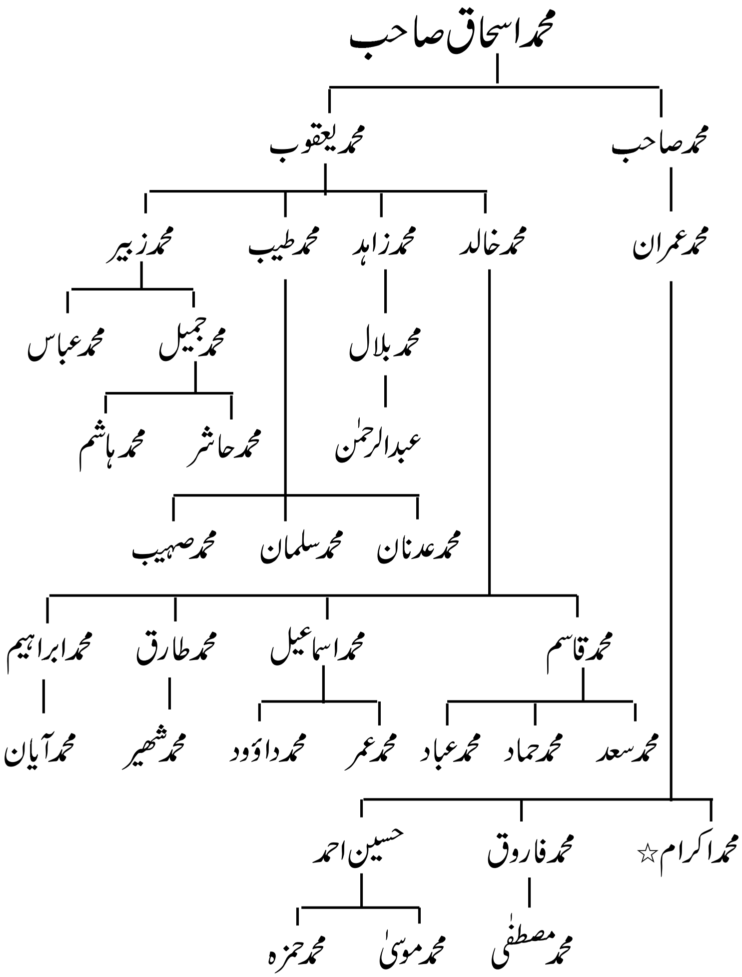
محمد اسحاق صاحب
محمد صاحب
محمد یعقوب
محمد عمران
محمد خالد
محمد زاہد
محمد طیب
محمد زبیر
محمد جمیل
محمد عباس
محمد بلال
محمد حاشر
محمد ہاشم
عبدالرحمٰن
محمد عدنان
محمد سلمان
محمد صہیب
محمد قاسم
محمد اسماعیل
محمد طارق
محمد ابراہیم
محمد سعد
محمد حماد
محمد عباد
محمد عمر
محمد داؤود
محمد شہیر
محمد آیان
محمد اکرام☆
محمد فاروق
حسین احمد
محمد مصطفٰی
محمد موسیٰ
محمد حمزہ

مولانا محمد صاحب

مولانا محمد صاحب موضع کٹہ خٹ میں مولانا محمد اسحاق صاحب کے ہاں 1905ء میں پیدا ہوئے تھے۔آپ مولانا محمد اسحاق صاحب کے بڑے صاحبزادے تھے۔جس کی وجہ سے اپنے والد صاحب کی صحبت سب سے زیادہ آپ کو نصیب ہوگئی تھی۔سال 1915ء میں جب آپ کی عمر ابھی دس سال ہی تھی آپ کے والد صاحب اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ آپ نے قرآن شریف کی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے شروع کی تھی اور ابھی صرف تین یا ساڑھے تین پارے ہی پڑھے تھے کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔والد صاحب کی وفات کے بعد چار گلی میں اپنے چچا سے کچھ عرصہ تک قرآن شریف اور صرف ونحو کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔لیکن وسائل نہ ہونے کی وجہ سے چار گلی تک روزانہ پیدل آنا جانا پڑتا تھا۔جو کہ ایک مشکل کام تھا،اس کے علاوہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھنے کی وجہ سے ساری دینی اور دنیاوی ذمہ داری آپ پر آ گئی تھی۔جس کی وجہ سے تعلیم کے اس سلسلے کو جاری نہ رکھ سکے۔

کچھ عرصہ گاؤں میں گزارنے کے بعد جب مالی حالت سدھر گئی تو پھر ماں کی اجازت سے مزید دینی تعلیم کے حصول کے لیے پشاور تشریف لے گئے اور وہاں پر دارالعلوم رفیع الاسلام بالا ماڑئی میں داخلہ لیا۔اور سات سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہاں سے سند فراغت حاصل کیا۔

دارالعلوم رفیع الاسلام سے درس نظامی میں سند فراغت حاصل کرنے کے بعد واپس اپنے گاؤں تشریف لے آئے اور کچھ عرصہ تک جامع مسجد کٹہ خٹ میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔چونکہ من میں مزید تعلیم حاصل کرنے کی تشنگی ابھی باقی تھی،اس لئے ہر وقت اس فکر میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح ہندوستان جا کر وہاں کے علماء سے فیض یاب ہو سکے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد گاؤں کے بزرگوں کی مالی اعانت اور اپنے معزز اساتذہ کرام کے

مشورے اور ہدایت کے مطابق ہندستان کی راہ لی اور وہاں جا کر دارلعلوم دیو بند میں حسین احمد مدنی صاحب کے ساتھ داخلہ لیا۔ وہاں پر دو سال کی انتھک محنت کے بعد دورہ حدیث میں سند فراغت حاصل کیا۔ آپ حسین احمد مدنی صاحبؒ کے ہونہار شاگردوں میں سے تھے۔ وہ آپ سے بہت پیار کرتے تھے اور آپ پر اپنی خصوصی توجہ عنایت فرماتے تھے۔ حسین احمد مدنی صاحبؒ سے دورہ حدیث میں سند فراغت حاصل کرنے کے بعد سال 1938ء میں واپس وطن لوٹے اور موضع کٹہ خٹ میں دین کی روشنی پھیلانے کے ساتھ ساتھ حکمت کے شعبے میں بھی عوام کی خدمت کرنے لگے۔

آپ نہایت صاف گو، صلح پسند اور بردبار انسان تھے۔ گھریلو معاملات ہو یا لوگوں کے دینی مشکلات ہوں، سب میں فیصلہ کرتے وقت نہایت ہی صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے تھے اور لوگوں سے خندا پیشانی سے پیش آتے تھے۔ آپ کی ان صفات کی وجہ سے کٹہ خٹ اور علاقے کے سارے عوام آپ کے نہایت گردیدہ تھے اور آپ کے ہر فیصلے کو خواہ دینی معاملات میں ہو یا دنیاوی معاملات میں، نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپ کی ہر حکم کو اس کے روح کے مطابق پورا کرنے میں اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔

آپ نے کٹہ خٹ کے لوگوں کی خدمت اور دین کی روشنی پھیلانے میں ایک لمبی زندگی صرف کی۔ آپ نے سال 2000ء میں بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے امامت سے کنارہ کشی اختیار کی اور اہالیان کٹہ خٹ نے آپ کی منشاء کے مطابق جامع مسجد میں آپ کے قائم مقام کی حیثیت سے ایک اور شخص کو امامت کی ذمہ داری تفویض کی۔ آپ نے بوجہ علالت 20 مارچ 2001ء کی صبح داغی اجل کو لبیک کہا اور اہالیان کٹہ خٹ نے ہزاروں اشکبار آنکھوں کے ساتھ آپ کی جسد خاکی کو مقبرہ کٹہ خٹ میں آپ کو والد بزرگوار کے پہلو میں دفن کیا۔

آپ کا ایک بیٹا اور چھ صاحبزادیاں تھیں جن میں سے دو صاحبزادیاں آپ کی زندگی میں ہی اللہ کو پیاری ہوگئی تھیں جبکہ تین صاحبزادیاں ابھی بقید حیات ہیں۔ آپ کے

واحد بیٹے محمد عمران نے آپ کی زندگی میں ہی حکمت کی تعلیم حاصل کی تھی اور وہ اسی شعبے میں عوام الناس کی خدمت کرتا رہتا تھا۔اللہ پاک نے اُس کے ہاتھ میں بڑی شفا رکھی تھی اور دور دور سے لوگ اُس سے اپنا علاج کرانے پہنچ جاتے تھے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب

مولانا محمد یعقوب صاحب موضع کٹہ خٹ میں مولانا محمد اسحاق صاحب کے گھر 1907ء کو پیدا ہوئے تھے۔بچپن ہی میں ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کرنی شروع کی تھی۔ابتدائی تعلیم میں قواعد صرف ونحو،قرآن حکیم والد صاحب سے شروع کیا تھا۔آخری سبق آیت نمبر ۱۰۷ سورہ ال عمران پارہ چہارم تھا۔

جب آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوگئی تو والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔والد کی وفات کے بعد آپ کی تربیت بدست والدہ ماجدہ ہوئی۔والد صاحب کی وفات کے دو سال بعد ۱۳۴۸ھ میں حصول علم کی خاطر دارلعلوم رفیع الاسلام پشاور میں داخل ہوئے۔سات سال تک وہاں پڑھنے کے بعد ۱۳۵۵ھ میں ایک سال کے لیے واپس اپنے گاؤں آگئے اور لوگوں کو درس دینے کے ساتھ ساتھ امامت واقامت کے فرائض بھی انجام دینے لگے۔اس کے بعد سال ۱۳۵۶ھ میں دوبارہ دارالعلوم رفیع الاسلام پشاور میں اپنے باقی اسباق کی تکمیل کے لیے داخلہ لیا اور پھر وہاں سے درس نظامی میں سند حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے کتب درسیہ اور دورہ حدیث میں سند فراغت حاصل کی اور پھر وہاں پر مزید تین سال ۱۳۶۱ھ سے ۱۳۶۳ھ تک طب کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔اور پھر مدرسہ نعمانیہ سے مولوی فاضل کی سند حاصل کی اور ساتھ ہی سند طب بھی حاصل کی۔آخرکار 1947ء میں اپنے وطن واپس پہنچ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

جنوری 1947ء سے 1961ءتک موضع کٹہ خٹ میں درس وتدریس کے ساتھ

ساتھ حکمت کے میدان میں بھی مخلوق خدا کی خدمت میں مصروف رہے۔اس دوران طالب علموں کو مشکوٰۃ شریف ،ترمذی شریف ، اور بخاری شریف پڑھاتے رہے۔ سال 1961ء میں کٹہ خٹ سے ساولڈھیر منتقل ہوگئے اور وہاں پر بھی درس وتدریس کے ساتھ ساتھ مخلوقِ خدا کی خدمت بھی کرتے رہے۔اس کے بعد موضع کٹہ خٹ کے لوگوں کی پُرزور اسرار پر سال 1977ء میں واپس کٹہ خٹ تشریف لائے اور سیدان ڈھیری میں اقامت اختیار کرلی۔آپ ایک سیدھے سادے لیکن بارعب انسان تھے۔ ہمیشہ حق بات کہتے تھے اور حق بات کہنے میں کسی بھی قسم کی تردد نہیں کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے عوام میں ''صاحبِ حق'' یعنی حق بات کہنے والے اور حق بات پر ڈٹ جانے والے پکارے گئے۔اس لیے لوگ دور دور سے آپ کے پاس مختلف اُمور میں فتویٰ حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔

آپ سال 1989ء کے آوائل میں بیمار ہوگئے۔ بیماری کے دوران لوگ دور دور سے آپ کی بیمار پُرسی کے لیے آتے ،آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرتے اور آپ سے اپنے حق میں دعا کرواتے رہے۔اسی بیماری میں آپ نے 31 اکتوبر 1989ء میں بوجہ علالت وفات پائی اور مقبرہ کٹہ خٹ میں اپنے والد صاحب کے پہلو میں دفن کئے گئے ۔آپ نے اپنے پیچھے چار بیٹے اور چار بیٹیاں چھوڑ دی تھی۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے تین بیٹوں نے حکمت کے شعبے میں عوام کی خدمت کرنے کو اختیار کیا جبکہ سب سے چھوٹے بیٹے مولانا محمد طیب نے دینی علوم میں دسترس حاصل کرنے کے بعد علوم شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی کرنے اور اسلام کی روشنی پھیلانے کو ترجیح دی۔

میر بابو خیل خاندان

افضل خان اور اُس کی ولاد

میر بابو کی اولاد کو میر بابو خیل کہا جاتا ہے۔ کٹہ خٹ کا علاقہ اُس کے بیٹے افضل خان کو وراثت میں ملا۔ جس کی وجہ سے اُس کی اولاد یہاں پر مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔

افضل خان کو موجودہ کٹہ خٹ کا بانی کہا جاتا ہے۔ افضل خان ایک سخت طبیعت رکھنے والا جاگیردار قسم کا انسان تھا۔ اُس نے کٹہ خٹ کے تمام علاقے کا اختیار سنبھالنے کے بعد کٹہ خٹ کے نام کو ویسا ہی رہنے دیا، لیکن اس میں موجود تمام قابضین کو بے دخل کر دیا اور اپنے مزارعین کو یہاں پر لا کر آباد کیا۔ صرف ہندوؤں کے چند گھرانوں کو یہاں رہنے دیا جنہوں نے اُس کی اطاعت قبول کی تھی اور جو تجارت کا کام کرتے تھے۔

افضل خان کی کل چھ بیویاں اور دس بیٹے تھے۔ جن کی اولاد بیویوں کی ترتیب کے لحاظ سے مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔	پہلی بیوی :	لطیف خان
۲۔	دوسری بیوی :	اسماعیل خان اور فیروز خان
۳۔	تیسری بیوی :	سردار خان ☆
۴۔	چوتھی بیوی :	آئین خان، نواب خان اور ناصر خان
۵۔	پانچویں بیوی :	آصف خان ☆ اور خوائیداد خان ☆
۶۔	چھٹی بیوی :	سکندر خان ☆

افضل خان کی نسل تین بیویوں کے بیٹوں سے پھیلی۔ کیونکہ اُس کا ایک بیٹا سردار خان جوانی ہی میں ہندوستان چلا گیا تھا اور پھر اب تک اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ پانچویں بیوی کے بطن سے آصف خان اور خوائیداد خان تھے جن میں آصف خان لا دلد تھا اور خوائیداد خان

نے بھی جوانی میں ہندوستان کا رخ کیا تھا اور پھر مرتے دم تک واپس گاؤں نہیں آیا۔ اس طرح چھٹی بیوی کے بطن سے سکندر خان پیدا ہوا تھا جو کہ لاولد تھا۔

لطیف خان اور اُس کی اولاد

لطیف خان کے والد افضل خان نے چونکہ موضع کٹہ خٹ کا سارا جائیداد اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ اس لئے اُس وقت کے رواج کے مطابق اُس کی وفات کے بعد اُس کی ساری جائیداد کا مالک اُس کا بڑا بیٹا لطیف خان بن گیا تھا۔ لطیف خان ایک متقی اور خداترس انسان تھا۔ اس لئے اُس نے تمام جائیداد کو اپنے ملکیت میں رکھنا مناسب نہیں سمجھا اور کوترپان سے اپنے پانچ چچاؤں کو بلا کر ایک جرگے کے ذریعے کٹہ خٹ اور کوترپان کی تمام جائیداد کو سب بھائیوں میں برابر برابر تقسیم کرلیا۔ اس جرگے کے کام کو قانونی حیثیت دینے کے لیے انگریز سرکار کو بھی مدعو کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ جائیداد کی برابر برابر تقسیم کے دوران انگریز سرکار کا وفد بھی موجود تھا، جنہوں نے جرگے کی اس ساری کاروائی پر مہر ثبت کردی۔

لطیف خان کے دو بیٹے تھے جن میں ایک ظریف خان اور دوسرا مظفر خان تھا۔ یہ دونوں بھائی اپنے وقت کے بڑے خان تھے اور اچھی خاصی جائیداد کے مالک تھے۔ ان میں لطیف خان بڑا ہوشیار اور دوراندیش انسان تھا۔ وہ جوانی میں برٹش آرمی میں بھرتی ہوا تھا اور ترقی کرتے کرتے صوبیدار کے عہدے تک پہنچ گیا تھا۔ اپنے نوکری کے دوران کارہائے نمایاں انجام دینے پر انگریز سرکار کی طرف سے اُس کو اعزازی شمشیر اور بہت سے میڈل کے علاوہ نقد انعامات بھی دیے گئے تھے۔ اُس کے یہ تمام اعزازات آج بھی اُس کی اولاد کے ہاں محفوظ ہیں۔

برٹش آرمی سے ریٹائرمنٹ کے بعد جب وہ واپس گھر آئے تو انگریز سرکار نے اُس پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اُس کو موضع کٹہ خٹ کا ''ملک'' بنا دیا جو بلا شبہ اُس کی اعلیٰ

کارکردگی کا اعتراف تھا۔ظریف خان نے اس نئے منصب کے وقار کو پوری طرح نبھایا۔اُس نے انگریز سرکار سے بھی اپنے تعلقات استوار رکھے اور ساتھ ساتھ گاؤں کے لوگوں کے حقوق کی حفاظت بھی کرتے رہے ۔وہ گاؤں کے لوگوں کی اپنی طرف سے بھی مدد کرتے تھے اور سرکار سے بھی اُن کے لیے لگان کی مد میں مراغات حاصل کرتے رہتے تھے۔

ظریف خان نے دو شادیاں کیں تھی۔ایک شادی اُس نے اپنے خاندان میں کی تھی، جس سے اُس کے ہاں کوئی نارینہ اولاد پیدا نہیں ہوا تھا۔جس کی وجہ سے اُس نے نوکری کے دوران بنوں کے علاقے میں دوسری شادی کی۔دوسری بیوی سے اُس کا ایک بیٹا پیدا ہوا تھا ۔جس کا نام محمد اقبال تھا۔جب ظریف خان فوت ہوا تو اُس کی دوسری بیوی اپنے بیٹے کو جو کہ بمشکل سال ڈیڑھ سال کا تھا اپنے ساتھ لے کر اپنے میکے بنوں چلی گئی اور وہاں پر اس کو پال پوس کر بڑا کیا۔جب محمد اقبال جوان ہوا تو اُسے اپنے گاؤں کی یاد ستانے لگی۔چنانچہ تحقیق کے بعد جب اُس نے مردان کے علاقے کٹھ خٹ کی مکمل تفصیلات حاصل کیں تو سال 1974ء کے آوائل میں کٹھ خٹ آیا اور اپنے بہنوں اور چچازاد بھائیوں سے مل کر بہت خوش ہوا۔ محمد اقبال خان کے آنے سے پورے گھرانے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ اُس وقت اُس کی دو بہنیں اکیلی رہتی تھیں اور بھائی کی جدائی کا غم محسوس کر رہیں تھیں۔ بھائی کے آنے سے اُن کی دنیا آباد ہوگئی اور اُن کی خوشیاں واپس لوٹ آئیں۔محمد اقبال خان نے کٹھ خٹ آنے سے پہلے بنوں میں شادی کی تھی اور اُس وقت اُس کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔محمد اقبال خان سال 2000ء تک کٹھ خٹ میں اپنے بہنوں کے ساتھ رہا۔اس دوران اُس کی ایک بہن وفات پا گئی جبکہ دوسری بھی نہایت ضعیف اور لاغر ہو چکی تھی۔اب محمد اقبال خان کو اپنے ننیال کی یاد ستانے لگی جس کی وجہ سے اُس نے موضع کٹھ خٹ میں اپنے حصے کا سارا جائیداد فروخت کیا اور اپنے بال بچوں اور بڑی بہن سمیت واپس بنوں چلا گیا۔بنوں میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد وفات پا گیا اور وہیں پر اُس کی تدفین کر دی گئی۔اُس کی اولاد میں سے اُس کا ایک بیٹا

آزاد خان جس نے یہاں موضع کٹہ خٹ میں شادی کی تھی، کچھ عرصہ بنوں میں گزارنے کے بعد واپس کٹہ خٹ آ گیا اور اپنے سسر کے گھر کے ساتھ گھر بنا کر رہنے لگا جبکہ باقی بھائی بنوں میں ہی آباد ہو گئے۔

لطیف خان کا دوسرا بیٹا مظفر خان تھا۔ مظفر خان نہایت ہی ملنسار اور اچھے اخلاق کا مالک تھا۔ بٹیر پالنے کا شوقین تھا اور ہر وقت حجرے میں بیٹھے ہوئے اپنے ساتھ بٹیروں کے دو یا تین خلتے (پنجرے) رکھتا تھا اور فارغ وقت میں اُن بٹیروں کے ساتھ کھیلتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ بڑے بھائی کی وفات کے بعد سرکار نے اُس پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے موضع کٹہ خٹ کا ''ملک'' مقرر کیا تھا۔

مظفر خان کے تین بیٹے نادر خان، شاہنواز خان اور محمد نواز خان تھے۔ جن میں نادر خان اور شاہنواز خان ہم میں موجود ہیں۔ جبکہ سب سے چھوٹا بیٹا محمد نواز خان بوجہ علالت فوت ہو چکا ہے۔ مظفر خان کے بڑے بیٹے نادر خان کی عمر اس وقت 80 سال سے اوپر ہو چکی ہے اور اُس نے بیماری اور بڑھاپے کی وجہ سے لوگوں سے ملنا جلنا بہت کم کر دیا ہے۔ اپنی جوانی میں باپ کی وفات کے بعد وہ موضع کٹہ خٹ کا ''ملک'' بھی رہ چکا ہے۔ اس لیے آج بھی لوگ اُس کو ملک نادر خان کہہ کر پکارتے ہیں۔ ملک نادر خان کے دو بیٹے محمد آصف اور محمد حنیف ہیں۔ یہ دونوں گاؤں میں رہ رہے ہیں اور وقت گزارنے کے لیے چھوٹا موٹا کاروبار کر رہے ہیں۔

مظفر خان کا دوسرا بیٹا شاہنواز خان نہایت ہی نیک انسان ہے۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت دین کی اشاعت یعنی تبلیغ میں گزارتا ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ اُسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اُس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ شاہنواز خان کے دو بیٹے محمد شکیل اور محمد شیراز ہیں۔ جن میں محمد شکیل خان اسٹریلیا میں رہائش پذیر ہے۔ اُس کو وہاں کی قومیت ملی ہوئی ہے۔ شادی بھی وہاں کی ہے اور بچے بھی وہاں اُس کے ساتھ ہیں۔ جبکہ دوسرا محمد شیراز خان گاؤں میں ہے اور ماربل وغیرہ کی تجارت کا کام کرتا ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد لطیف خان

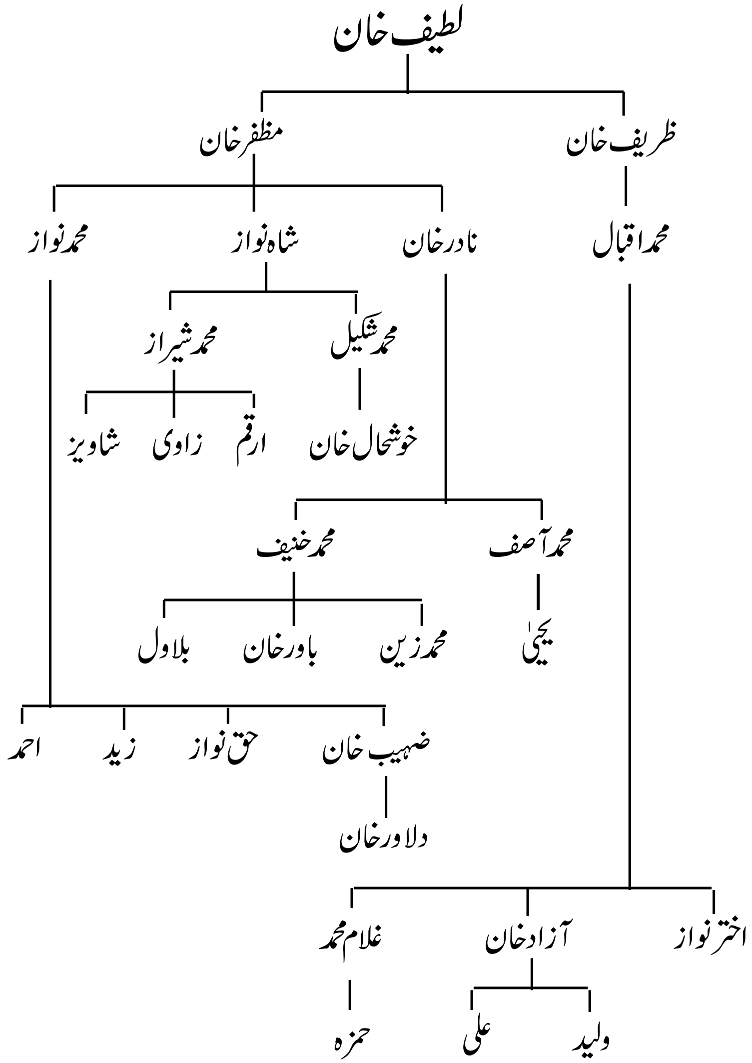

اسماعیل خان، فیروز خان اور اُس کے اولاد

افضل خان کی دوسری بیوی سے دو بیٹے اسماعیل خان اور فیروز خان تھے۔دونوں ہی بڑے معزز اور سفید پوش خوانین میں سے تھے۔ان میں سے بڑے بیٹے اسماعیل خان کے دو بیٹے روشن خان اور داؤود خان تھے۔روشن خان نے اس وقت ایک ہندو خاندان میں شادی رچا لی تھی اور جب 14 اگست 1947ء کو پاکستان بن گیا اور یہاں سے تمام ہندو گھرانے ہندوستان جانے لگے تو روشن خان نے بھی موضع کٹہ خٹ میں اپنے حصے کی تمام جائیداد فروخت کی اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہندوستان چلے گئے۔

جبکہ اسماعیل خان کا دوسرا بیٹا داؤود خان تھا۔وہ ایک نیک اور معزز انسان تھا۔اس کے ہاں کوئی نارینہ اولاد نہیں تھا۔اُس کی صرف دو صاحبزادیاں تھیں۔جن میں سے ایک کی شادی اُس کے چچازاد بھائی شمروز کے بیٹے جمروز خان سے ہوئی تھی۔جبکہ دوسری صاحبزادی کی شادی باریکاب کے میرافضل خان کے بیٹے اورنگ زیب خان کے ساتھ ہوئی تھی۔بڑی نیک سیرت خاتون تھی۔80 سال سے زیادہ کی عمر پائی اور آخر تک اُس کے ہوش وحواس بالکل صحیح کام کر رہے تھے۔اُس کے شوہر اورنگ زیب خان نے سیاست کے میدان میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔

اسماعیل خان کا دوسرا بھائی فیروز خان تھا۔فیروز خان بھی بڑا نیک سیرت انسان تھا۔فیروز خان کے دو بیٹے دلسوز خان اور شمروز خان تھے۔دلسوز خان جوانی میں مر گیا تھا اُس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔جسامت کے لحاظ سے وہ بڑا پہلوان انسان تھا اور اپنے وقت میں دیسی کشتی (کبڈی) میں بڑے بڑے نامی گرامی پہلوانوں کو شکست دے چکا تھا۔اُس وقت کٹہ خٹ کے لوگ اُس کی پہلوانی پر فخر کرتے تھے اور اُس کے دوسرے پہلوانوں کے ساتھ مقابلوں کی روداد مزے لے لے کر سناتے تھے۔

فیروز خان کا دوسرا بیٹا شمروز خان تھا۔ شمروز خان بھی بڑا پشتون آدمی تھا اور اپنی بات پر ڈٹ جانے والا انسان تھا۔ جوانی میں اُس پر کسی کے قتل کا دعویٰ ہوا تھا لیکن پھر سیشن جج کی عدالت میں وہ باعزت طور پر بری ہو گیا تھا۔ شمروز خان کے چار بیٹے محمد اسحاق خان، جمروز خان، محمد آمین خان اور بخت جمال خان تھے۔ شمروز خان کے بیٹوں میں محمد اسحاق خان زمینداری کا ماہر انسان تھا۔ زمینداری میں نئے نئے تجربے کرتا نئی نئی سبزیاں اور نئی نئی فصلیں اُگانے کا شوقین تھا۔ وہ اپنا سارا وقت زمینداری کو ترقی دینے اور فصلوں اور سبزیوں کی نگہداشت میں گزارتا تھا۔ شمروز کا دوسرا بیٹا جمروز خان ایک نیک سیرت اور سعی قسم کا انسان تھا۔ وہ لوگوں کے دکھ درد کا احساس رکھتا تھا۔ وہ خوانین کی طرح زندگی نہیں گزارتا تھا بلکہ اُس کا زیادہ تر میل جول معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کے ساتھ ہوتا تھا۔ جوانی میں پاک آرمی میں بھرتی ہو گیا تھا اور وہاں پر مختلف شعبوں میں خدمات انجام دینے کے بعد ریٹائرڈ ہو گیا۔ وہ ایک محنتی انسان تھا، حکمت کے شعبے سے دلچسپی رکھتا تھا اور اس شعبے میں اپنی محنت سے کمال تک پہنچ گیا تھا۔ اُس کی حکمت لوگوں میں مقبول ہونے کی باوجود اُس نے اس شعبے کو بطور تجارت استعمال نہیں کیا اور لوگوں کی بلا معاوضہ خدمت کر کے سکون حاصل کر لیتا تھا۔ وہ پیٹ کے مختلف امراض کے لیے جڑی بوٹیوں سے دوائیاں تیار کرتا تھا اور لوگوں میں بھی مفت تقسیم کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ مختلف قسم کے مصالحہ جات بنانے کا ماہر تھا اور اس کا محدود پیمانے پر تجارت بھی کیا کرتا تھا۔

شمروز خان کا تیسرا بیٹا محمد آمین خان تھا۔ جو ایک اکڑ قسم کا انسان تھا۔ اختلاف رائے کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اُس کا اپنا ایک سوچ اور نظریہ ہوتا تھا اور وہ اُس کے مطابق آگے بڑھتا تھا اور اپنے کام میں کسی قسم کی اختلافِ رائے یا مشورے کو اچھا خیال نہیں کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے انداز میں معاشرے کی اصلاح کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتا تھا۔ معاشرے میں مختلف قسم کے برائیوں کے خلاف جدوجہد کرتا رہتا تھا، لیکن اُس کی طبیعت میں سخت گیری کی وجہ سے

اُس کی کسی سے نہ بنتی تھی اور وہ ہمیشہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانے میں مصروف رہتا تھا۔

محمد آمین خان سیاست کا بھی شوقین تھا۔ وہ نظریاتی مسلم لیگی تھا۔ ساری عمر مسلم لیگ میں گزاری۔ ضلع مردان کی سطح تک اس کا شمار مسلم لیگ کے اکابرین میں ہوتا تھا، لیکن اُس نے کسی بھی قسم کا عہدہ لینے کی بجائے کارکن کی حیثیت سے پارٹی اور عوام کی خدمت کرنے کو ترجیح دی تھی۔ مرتے دم تک مسلم لیگی رہا اور اسی پلیٹ فارم سے لوگوں کی خدمت کرتا رہتا تھا۔ اُس کے مرنے کے بعد اُس کا بھتیجا محمد اعجاز خان ولد محمد جمروز خان اُس کے مشن کو آگے بڑھا رہا ہے۔ وہ مسلم لیگ ضلع مردان کا جائنٹ سیکرٹری منتخب ہو چکا ہے اور وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے لوگوں کی خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگداشت نہیں کر رہا ہے۔

شمروز خان کا چوتھا بیٹا بخت جمال خان جو کہ آج کل ہم میں موجود ہے، بھائیوں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ تھا۔ وہ پاکستان میں مختلف کمپنیوں اور بینکوں میں آفیسر کے عہدے پر ڈیوٹی سرانجام دے چکا ہے۔ جبکہ پاکستان سے باہر وہ جاپان اور انگلینڈ میں بھی نوکری کر چکا ہے۔ وہ گاؤں کی رہائش ترک کر چکا ہے اور راولپنڈی میں رہائش پذیر ہے اور وہاں پر رئیل سٹیٹ کے کاروبار سے منسلک ہے۔ جب کہ اُس کا بیٹا ذولفقار خان انگلینڈ میں رہائش پذیر ہے۔ اُس نے وہاں شادی کی ہوئی ہے اور اپنے بچوں کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہا ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد اسماعیل خان و فیروز خان

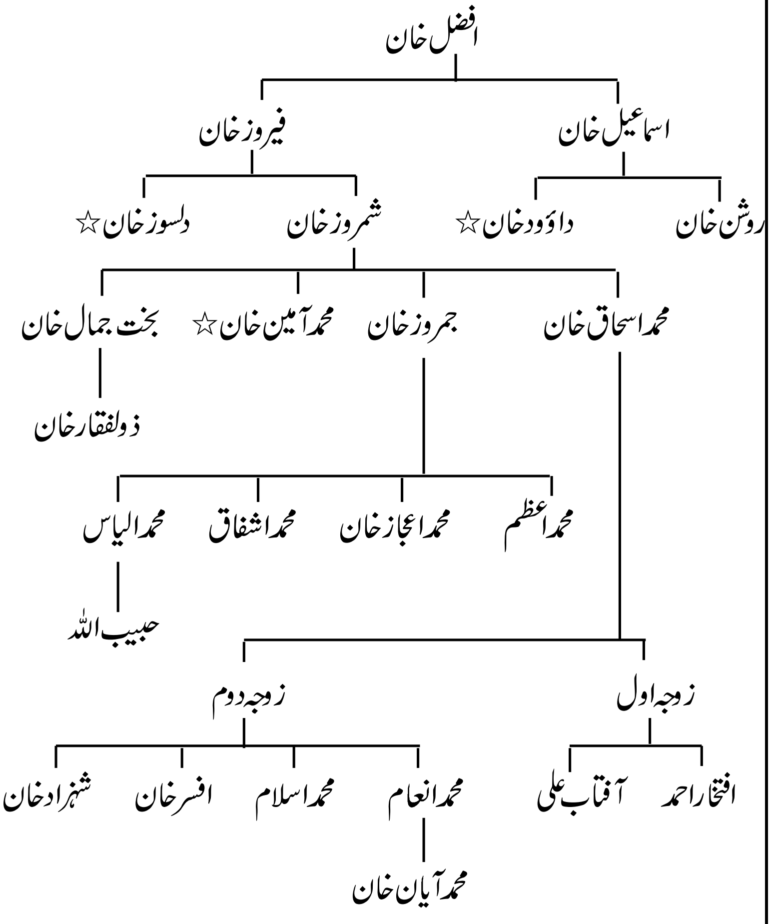

آئین خان اور اُس کی اولاد

مخترم افضل خان کے چوتھی بیوی کے تین بیٹے آئین خان، نواب خان اور ناصر خان تھے۔ آئین خان سب سے بڑا تھا۔ وہ ایک رعب دار شخصیت کا مالک تھا۔ اپنی زندگی میں وہ علاقے کے لوگوں کے درمیان تنازعات کا تصفیہ کرتا تھا اور مشہور جرگہ مار تھا۔ لوگ اُس کو بڑی عزت وتکریم سے دیکھتے تھے۔ بڑا متقی انسان تھا۔ اُس نے حج بیت اللہ کرنے کے لیے حجاز مقدس تک پیدل سفر کیا تھا اور حج کر کے ایک سال بعد واپس اپنے گاؤں آیا تھا۔

آئین خان کے دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی سے اُس کا ایک بیٹا آزاد خان اور دو بیٹیاں تھیں جبکہ دوسری بیوی سے دو بیٹے بوستان خان، شیر داد خان اور دو بیٹیاں تھیں۔

آئین خان کے بڑے بیٹے آزاد خان کا کوئی اولاد نہیں تھا۔ وہ بہت ہی دور اندیش آدمی تھا۔ لوگ اُس سے اپنے معاملات کے بارے میں مشورے لینے کے لیے آتے تھے اور وہ ہر ایک کو اُس کے حالات کے مطابق مفید مشورہ دیتا تھا۔ اسی دور اندیشی کی وجہ سے وہ حکیم صاحب کے نام سے مشہور تھا۔

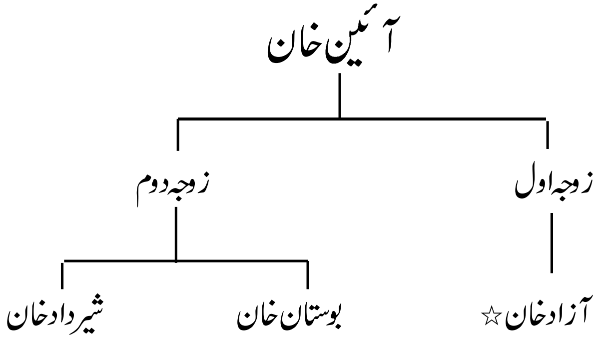

بوستان خان اور اُس کی اولاد

آئین خان کا تیسرا بیٹا بوستان خان تھا۔ بوستان خان اپنے وقت کا ایک نامور پہلوان تھا اور دیسی کشتی کا ماہر تھا۔ بڑے بڑے مقابلے جیت چکا تھا اور جب تک وہ کھیلتا رہتا تھا تو کاڑے میں اچھے اچھے پہلوان اُس کا سامنا کرنے سے کتراتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے وقت کا ایک سفید پوش خان بھی تھا۔ زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ تقریباً پانچ سو بھیڑوں کا ایک ریوڑ بھی پال رکھا تھا جس سے اُس کو کافی ساری آمدنی ہوتی تھی۔

بوستان خان کے چھ بیٹے تھے۔ جن میں سے بڑا بیٹا گلستان خان زیادہ تعلیم تو حاصل نہ کر سکا لیکن اُس وقت بھیڑوں کی رکھوالی اُس نے اپنے ذمے لے لی تھی۔ گلستان خان کے تین بیٹے معراج خان، مختاج خان اور نہاز خان آج کل ہم میں موجود ہیں۔ جن میں سے معراج خان میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ برقیات میں بطور لائن مین خدمات انجام دینے کے بعد ریٹائرڈ ہو گیا ہے اور آج کل اپنے زمینوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ دوسرا بیٹا مختاج خان زیادہ تعلیم تو حاصل نہ کر سکا لیکن اُس کے دل میں اپنے لوگوں اور وطن سے محبت کا جذبہ سر چڑھ کر بول رہا تھا جس کی وجہ سے گاؤں کی سطح پر لوگوں کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہو گیا ہے۔ بلدیاتی انتخابات میں دو دفعہ وہ بھاری اکثریت سے کامیاب ہو کر کونسلر منتخب ہو چکا ہے اور شب و روز لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی میں ہمہ تن گوش مصروف ہے۔ جبکہ تیسرا بیٹا نہاز خان آج کل گدون امازئی انڈسٹریل سٹیٹ میں بطور ورکر خدمات انجام دے رہا ہے۔

بوستان خان کے باقی پانچ بیٹے محمد عاقل خان، خورشید خان، خوشدل خان، موسیٰ خان اور سعید خان میں سے اولذکر تین میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے تھے۔ ان میں اولذکر محمد عاقل خان کے دو بیٹے واجد خان اور ذولفقار علی ہیں جو آج کل ہم میں موجود ہیں۔ واجد علی بی کام تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد

مختلف اداروں میں کام کرتا ہوا ریٹائرڈ ہو چکا ہے جبکہ ذولفقار علی پاک آرمی میں پندرہ سال تک خدمات انجام دینے کے بعد ریٹائرڈ ہو گیا ہے اور آج کل بنک آف پنجاب میں سکیورٹی کے خدمات انجام دے رہا ہے۔ جبکہ آخرالذکر دو میں سے موسیٰ خان جو آج کل ہم میں موجود ہے، نے بی کام تک تعلیم حاصل کیا تھا اور پھر چارسدہ پیپر مل میں بطور اکاونٹنٹ بھرتی ہوا تھا اور ریٹائرمنٹ تک وہی پر خدمات انجام دیتا رہا۔ موسیٰ خان نے اپنے بیٹوں کو اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔ اُس کے تین بیٹے فخر عالم خان، عسکر خان اور حسنین خان ہیں۔ جن میں فخر عالم خان نے قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے ماسٹر کی ڈگری حاصل کی اور اعلی تعلیم کی حصول کے لیے آسٹریا چلا گیا جہاں پر اُس نے ویانا کی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد وطن واپس آیا اور آئی ایم سائنس انسٹیوٹ پشاور میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر تعلیم کی روشنی پھیلانے لگا۔ اس دوران اُس نے دوبارہ آسٹریا جا کر ویانا کی ٹیکنیکل یونیورسٹی سے پوسٹ ڈاک کی ڈگری بھی حاصل کر لی اور ساتھ ساتھ ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا پروفیسر کے عہدے تک پہنچ گیا ہے۔ اُس کی قابلیت اور تحقیق کا اعتراف بین الاقوامی طور پر ہو چکا ہے اور اُس کے تحقیق کے پرچے بین الاقوامی میگزینوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ جس کی وجہ سے تحقیق کی دنیا میں اُس کی قابلیت کا ڈنکا بج رہا ہے اور ایک دنیا اُس کی صلاحیتوں کی معترف ہے۔ دنیا کی ہر یونیورسٹی کی انتظامیہ کی خواہش تھی کہ وہ اُن کیساتھ کام کرے اور اُن کے دانشور اور اہل علم اُس کی تحقیق سے مستفید ہو سکے۔ اس سلسلے میں اُس کے ساتھ دنیا کی نامی گرامی یونیورسٹیوں کی انتظامیہ نے رابطہ کیا تھا۔ لیکن اسلامی ذہنیت کی حامل ہونے کی وجہ سے اُس نے سعودی عرب کی کنگ فہد یونیورسٹی کی پیشکش کو قبول کیا اور باقی یونیورسٹیوں کی پیشکشوں کو شکریے کے ساتھ واپس کیا۔ آج کل وہ سعودی عرب کے شہر دمام میں کنگ فہد انٹرنیشنل یونیورسٹی میں بیرون ملک اور اندرون ملک سے آئے ہوئے طالب علموں کو تکنیکی علم کے ہنر سکھا رہا ہے اور ساتھ ساتھ اپنے ملک کے لیے نیک نامی اور قوم کے لیے خطیر زرمبادلہ کما رہا

ہے۔اُن کی انہی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے قوی امکان ہے کہ اُس کو جلد ہی علم کے شعبے میں حسن کارکردگی کے صدارتی ایوارڈ سے نوازا جائے گا۔

مقامی طور لوگ اپنے حجروں اور نجی محفلوں میں اُس کی قابلیت اور اُس کی کارکردگی کے قصے ایک دوسرے کو مزے لے لے کر سناتے ہیں اور اُس کی قابلیت اور کارناموں پر فخر کرتے ہیں اور اُس کو فخر کٹہ خٹ اور فخر سودھم جیسے القابت سے نوازتے ہیں۔موسیٰ خان کے دوسرے بیٹے عسکر خان نے اسلامیہ کالج سے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی اور پھر قائداعظم یونیورسٹی سے ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد اُس نے مقابلے کا امتحان (CSS) پاس کر لیا ہے اور آج کل اسلام آباد میں حکومت پاکستان کے محکمہ منصوبہ بندی میں بطور ڈپٹی سیکرٹری خدمات انجام دے رہا ہے۔جبکہ موسیٰ خان کا تیسرا بیٹا حسنین خان تعلیم مکمل کرنے کیبعد محکمہ تعلیم خیبر پختونخواہ میں بطور آسسٹنٹ ڈائریکٹر خدمات انجام دے رہا ہے۔

اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ سے موسیٰ خان کے گھرانے کو لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنے بچوں میں تعلیم کے جذبے کو اُبھارنے کے لیے موسیٰ خان کے گھرانے کی مثال دیتے ہیں تاکہ اُن کے بچوں میں بھی مقابلے کی رجحان پیدا ہوسکے اور وہ اپنے شوق، جذبے اور قابلیت سے اپنے خاندان کے ساتھ ساتھ ملک وقوم کا نام بھی روشن کرسکے۔

بوستان خان کا چھٹا بیٹا محمد سعید خان تھا جو کہ نہایت ہی تیز دماغ والا، معاملہ فہم اور ہوشیار انسان تھا۔میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں بطور معلم بھرتی ہوگیا تھا اور کئی سال تک اس عہدے پر رہنے کے بعد خاندانی رنجشوں کا شکار ہوکر گولی کا نشانہ بن گیا۔ محمد سعید خان کے پانچ بیٹے محمد انعام خان، جلات خان، عاطف خان، عجب خان اور جمال خان ہیں۔جن میں محمد انعام خان اور جلات خان محکمہ تعلیم میں خدمات انجام دے رہے ہیں جبکہ باقی تین متحدہ آمارات میں مختلف محکموں میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور ملک وقوم کے لیے قیمتی زرمبادلہ کما رہے ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد بوستان خان

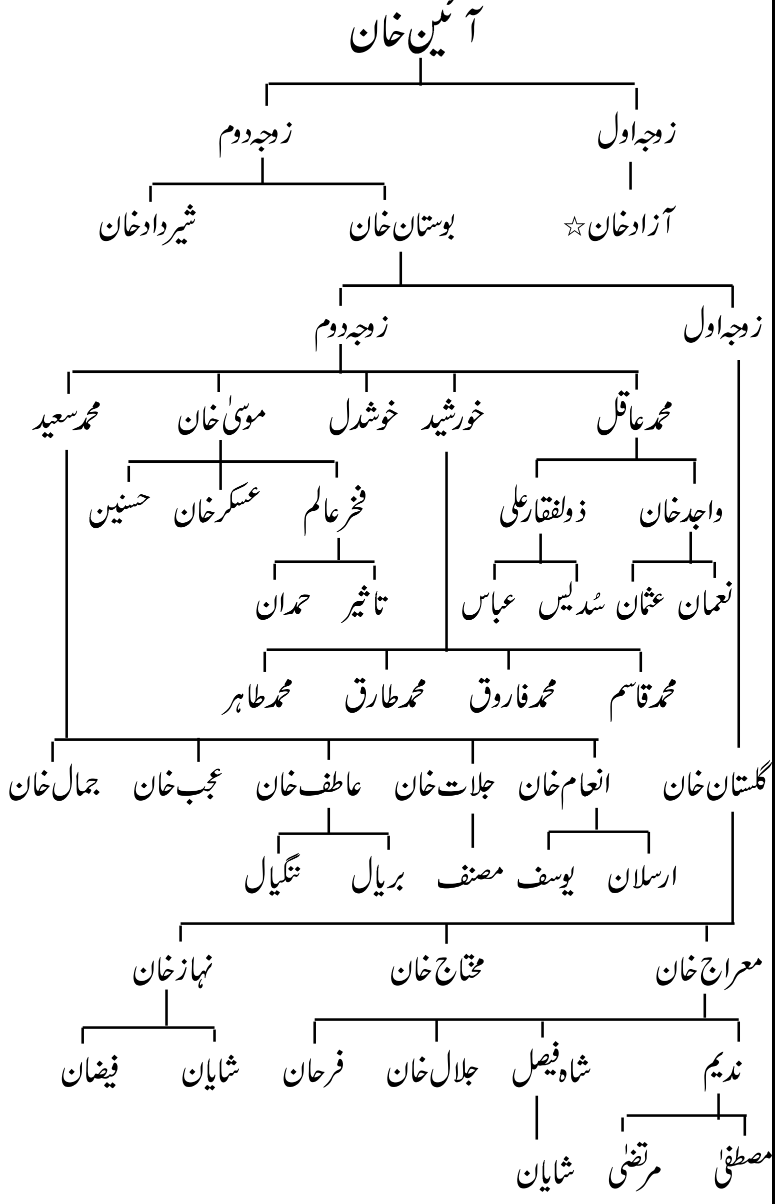

شیر داد خان اور اُس کی اولاد

آئین خان کا دوسرا بیٹا شیر داد خان تھا۔ شیر داد خان بڑی سخت طبیعت کا مالک تھا اور پورے گاؤں میں اپنی سخت طبیعت کی وجہ سے مشہور تھا۔ طبیعت میں سختی کے ساتھ ساتھ وہ ایک نیک دل انسان بھی تھا۔ لوگوں کی خیر خبر رکھتا تھا اور اپنی استطاعت کے مطابق لوگوں کی مشکلات دور کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اُس کو جوانی میں تپ دق کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اس دارفنا سے کوچ کر گیا۔ اُس نے اپنے پیچھے سات سال کا ایک بیٹا سعد اللہ خان چھوڑا۔ جس نے بعد میں گاؤں میں اپنی سماجی کاموں اور لوگوں سے محبت و ہمدردی سے پیش آنے، اُن کے دکھ درد میں شریک ہونے اور اُن کی مدد کرنے کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کی۔

سعد اللہ خان نہایت متقی انسان تھا۔ دو بار حج بیت اللہ کے لیے گیا تھا۔ اُس کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی سے تین بیٹے عبید اللہ، نثار محمد اور افتخار احمد اور ایک بیٹی تھی، جبکہ دوسری بیوی سے تین بیٹے فدا محمد، عزیز احمد اور عرفان اللہ اور دو بیٹیاں تھیں۔ سعد اللہ خان 12 دسمبر 2012ء میں بوجہ علالت اس دارِ فنا سے کوچ کر گیا ہے جبکہ اُس کی اولاد آج ہم میں موجود ہے۔

سعد اللہ خان کا بڑا بیٹا عبید اللہ خان ایف ایس سی تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد پہلے پاکستان ائیر فورس میں بطور جنرل ڈیوٹی پائلٹ (GDP) بھرتی ہوا اور تین سال تک وہاں پر خدمات انجام دینے کے بعد تکنیکی وجوہات کی بناء پر پاکستان ائیر فورس کو خیر آباد کہا اور واپس آکر دوبارہ اپنی تعلیمی سلسلے کو جاری کیا۔ اسلامیہ کالج پشاور سے بی ایس سی کی ڈگری حاصل کر لی اور اسی بی ایس سی کی ڈگری کی بنیاد پر انجنیئر نگ یونورسٹی پشاور میں داخلہ لیا اور چار سال بعد وہاں سے انجنیئر نگ کی ڈگری حاصل کر لی۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد محکمہ اصلاح آبپاشی کو بطور واٹر منیجمنٹ آفیسر جائن کر لیا اور ڈسٹرکٹ ڈائریکٹر واٹر منیجمنٹ کے عہدے تک ترقی

کرنے کے بعد ریٹائرڈ ہو گیا ہے اور آج کل گاؤں میں یوسف زئی اصلاحی جرگے کی پلیٹ فارم سے لوگوں کی خدمت کرنے میں مصروف ہے اور ساتھ ہی مشغلہ کے طور پر تاریخ کی کتابیں پڑھنے اور لکھنے کا کام بھی کر رہا ہے۔ عبید اللہ خان کا بڑا بیٹا محمد شہاب کمپیوٹر سائنس میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کر چکا ہے اور آج کل بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے۔ جبکہ چھوٹا بیٹا حمزہ اللہ خان وکالت کی ڈگری حاصل کر چکا ہے اور آج کل اس کی مشق کرنے میں مشغول ہے۔

سعد اللہ خان کا دوسرا بیٹا نثار محمد خان ہے۔ نثار محمد خان نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد اپنے والد صاحب کا زمینوں کی نگہداشت میں ہاتھ بٹانے لگا۔ نثار محمد خان کے دو بیٹے محمد شہزاد اور یاسر علی ہیں۔ محمد شہزاد نے ہومیو پیتھک میں ماسٹر ڈگری حاصل کر لی ہے اور آج کل وہ متحدہ عرب آمارات میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ جبکہ نثار محمد خان کا دوسرا بیٹا میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد پہلے متحدہ عرب آمارات میں خدمات انجام دے رہا تھا اس کے بعد کچھ عرصہ گاؤں میں گزار کر اپنے والد کی زمینداری کے کام میں ہاتھ بٹاتا رہا اور آج کل قطر میں خدمات انجام دے رہا ہے۔

اس کے علاوہ سعد اللہ خان کے تین بیٹے افتخار احمد، فدا محمد اور عزیز احمد میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے حصے کی زمینوں کی نگرانی میں لگے ہوئے ہیں جبکہ سب سے چھوٹا بیٹا عرفان اللہ بوجہ علالت فوت ہو گیا ہے۔ عرفان اللہ کے دو بیٹے رئیان خان اور بہزاد خان ہیں جو کہ زیر تعلیم ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد شیر داد خان

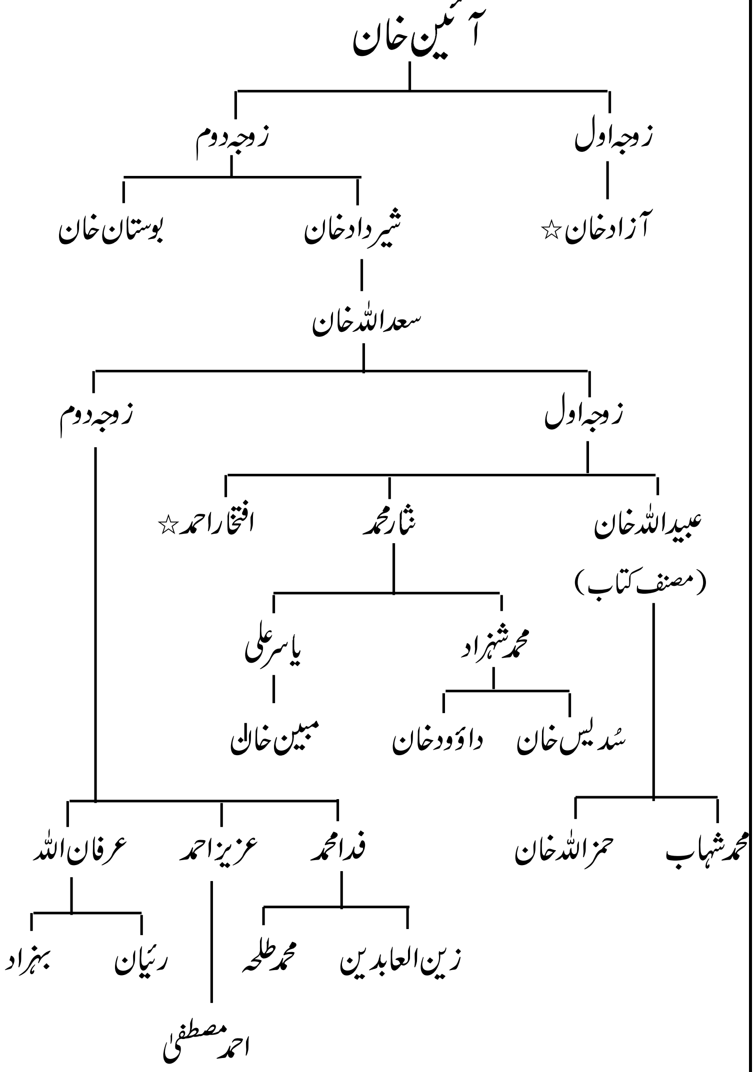

نواب خان اور اُس کی اولاد

مخترم افضل خان کی چوتھی بیوی کے تین بیٹوں میں سے دوسرا نواب خان تھا۔ نواب خان وضع قطع کے لحاظ سے ایک خاص شخصیت کا مالک تھا۔ بڑے بھائی آئین خان کی وفات کے بعد گاؤں کے تمام معاملات کی دیکھ بھال، لوگوں کی رہنمائی کرنا، ان کے باہمی تنازعات کو ختم کرنا اور اُن کے درمیان تصفیہ کرانا اُس کی ذمہ داری بن چکی تھی اور وہ تادم مرگ یہ ذمہ داری بخوش اسلوبی سے نبھاتے رہے۔۔

نواب خان کے چار بیٹے مستجاب خان، امبارس خان، نوار خان اور علی حیدر خان تھے۔ جن میں مستجاب خان جوانی ہی میں بوجہ علالت دار فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ جبکہ باقی تین بیٹوں نے بڑھاپے کی حدود کو چھونے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان میں سے بڑا بیٹا امبارس خان اور اُس کی اولاد موضع کٹہ خٹ میں رہائش پذیر ہیں جبکہ نوار خان تو اپنی زندگی میں ہی کٹہ خٹ میں رہا جبکہ اُس کی اولاد کٹہ خٹ سے جنوب کی طرف دو کلومیٹر کے فاصلے پر اپنی زمینوں میں جا کر آباد ہوئے۔ مستجاب خان کا چوتھا بیٹا علی حیدر خان اپنی زندگی میں کٹہ خٹ سے چار کلومیٹر دور مغرب میں اپنی زمینوں میں جا کر آباد ہوا تھا اور اُس کی اولاد آج بھی وہاں پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

نواب خان اور اُس کی اولاد

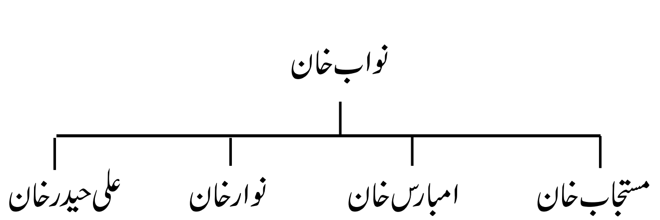

مستجاب خان اور اُس کی اولاد

مستجاب خان ولد نواب خان کے پانچ بیٹے وارث خان، محمد زمان، عبدالودود، عبدالرزاق اور منارس خان تھے۔جن میں سے وارث خان کے ہاں کوئی نارینہ اولاد نہ تھی، محمد زمان خان برٹش آرمی میں بھرتی ہوا تھا اور وہاں پر حکومت وقت کے لیے کارہائے نمایاں انجام دینے کے بعد ریٹائرڈ ہوکر گاؤں میں اپنی زمینوں کی نگرانی کرنے لگا تھا۔محمد زمان خان کی دو بیویاں تھیں اور دونوں بیویوں سے مجموعی طور پر پانچ بیٹے گوہر علی، لیاقت علی، مسلم خان، راحت علی اور مجاہد علی ہیں۔جن میں گوہر علی اور مسلم خان ایک اچھی اور خوشگوار زندگی گزار کر اس دارِفانی سے کوچ کر گئے ہیں۔گوہر علی کے تین بیٹے انتخاب خان، محسن خان اور سہراب خان ہیں جو بقید حیات ہیں۔جبکہ مسلم خان کے دو بیٹے شیراز خان اور وقاص خان ہیں۔ شیراز خان پنجاب میں کسی پرائیویٹ کمپنی میں ملازم ہے جبکہ وقاص خان ایگریکلچرل یونیورسٹی پشاور سے ماسٹر کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں علم کی روشنی پھیلا رہا ہے۔

محمد زمان خان کے باقی تین بیٹے ہم میں موجود ہیں اور وہ تینوں اپنی جائیداد کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرتے ہیں۔اس کے علاوہ مستجاب خان کے دو بیٹے عبدالودود اور عبدالرازق جوانی ہی میں شادی سے پہلے فوت ہو چکے تھے جبکہ پانچویں بیٹے منارس خان کا ایک بیٹا محمد غفران خان تھا۔محمد غفران خان بڑا انڈر انسان تھا۔ہمیشہ حق پر ڈٹا رہتا۔وہ والد کے انتقال کے بعد اپنے زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہتا تھا۔لیکن بدقسمتی سے خاندانی رنجشوں کا شکار ہوکر گولی کا نشانہ بنا اور اس دارِفانی سے کوچ کر گیا۔عفران خان کے چار بیٹے عبدالحمید خان، عباس خان، شہزاد خان اور مقبول خان ہیں جو آج کل ہم میں موجود ہیں اور زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ چھوٹے موٹے کاروبار سے بھی منسلک ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد مستجاب خان

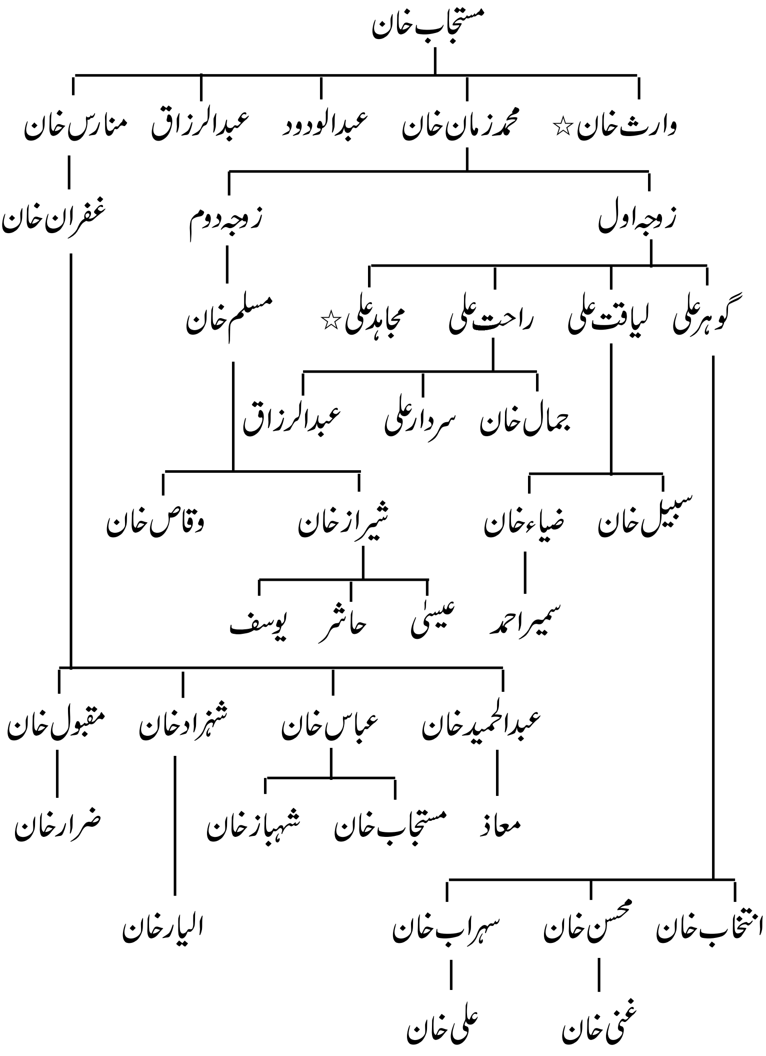

اُمبارس خان اور اُس کی اولاد

اُمبارس خان ولد نواب خان بڑا ہی نیک اور خوش اخلاق انسان تھا۔صوم وصلوۃ کا پابند تھا اور حج بیت اللہ کی زیارت بھی کر چکا تھا۔اُمبارس خان کے دو بیٹے محمد یونس خان اور محمد صالح خان تھے۔دونوں ہی بڑے دور اندیش اور اچھے اخلاق کے مالک تھے۔محمد یونس خان نے تھوڑی بہت تعلیم حاصل کرنے کے بعد جوانی میں تمباکو کا کاروبار شروع کیا تھا اور اس مقصد کے لیے اُس نے موضع رُستم میں ایک منڈی کرایہ پر لی تھی اور وہاں پر جا کر آباد بھی ہو گیا تھا۔محمد یونس خان کے چار بیٹے انورزیب، عالمگیر خان، جاوید خان اور جلال الدین خان تھے۔محمد یونس خان کی وفات پر اُس کے بڑے بیٹے انورزیب نے تمباکو کے کاروبار کو سنبھالا اور اُس کی وفات کے بعد اب تیسرے بیٹے جاوید خان نے اس آبائی پیشے کو رواں دواں رکھا ہوا ہے۔

انورزیب خان کے تین بیٹے محمد انعام خان، محمد نعیم خان اور انضمام خان ہیں جو کہ آجکل ہم میں موجود ہیں۔محمد انعام خان نے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے بی اے ایل ایل بی اور ایل ایل ایم کی ڈگر حاصل کی ہے اور ہائیر ایجوکیشن میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہد پر فائز ہے۔محمد نعیم خان چارٹرا اکاونٹنٹ (CA) کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے۔جبکہ انضمام خان تعلیم مکمل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں پرائمری سکول کی سطح تک علم کی روشنی پھیلا رہا ہے۔

محمد یونس خان کا دوسرا بیٹا عالمگیر خان بقید حیات ہے،تجارت کی تعلیم حاصل کی اور ماسٹر آف بزنس ایڈمنسٹریشن (MBA) کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سگریٹ انڈسٹری سے وابستہ ہو گیا تھا اور ریٹائرمنٹ تک وہاں خدمات انجام دیتا رہا۔عالمگیر خان کے دو بیٹے عمر خان اور عمیر خان ہیں عمر خان تعلیم سے فراغت کے بعد اپنا چھوٹا موٹا کاروبار کر رہا ہے جبکہ عمیر خان

ابھی قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں زیرِ تعلیم ہے۔

محمد یونس خان کا تیسرا بیٹا جاوید خان تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں بطور معلم کام کرتا رہا اور ساتھ ہی تجارت کے میدان میں اپنے آبائی کاروبار (تمباکو کی تجارت) کو بھی سنبھالتا رہا۔ محکمہ تعلیم سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اپنی پوری توجہ اپنے کاروبار پر کئے ہوئے ہے۔ جاوید خان کے تین بیٹے مصطفیٰ، عذیر اور احمد ہیں جو کہ ابھی زیرِ تعلیم ہیں۔

محمد یونس خان کا چوتھا بیٹا جلال الدین خان ہے جو کہ سگریٹ انڈسٹری سے منسلک ہے اور آج کل گوجرانوالہ میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ جلال الدین خان کے چار بیٹے حمزہ، مرتضیٰ، ابراہیم اور علی ہیں۔ چاروں بیٹے معذور ہیں لیکن جلال الدین خان ایک باہمت اور صاحب استقامت انسان ہے۔ اُس نے کاروباری سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ بیٹوں کی نگہداشت میں ابھی تک کوئی دقیقہ فروگداشت نہیں کیا ہے۔

اُمبارس خان کا دوسرا بیٹا محمد صالح خان ایک دور اندیش انسان تھا اور پورے علاقے میں اُس کی دور اندیشی کے قصے مشہور تھے۔ وہ اپنی زندگی میں محکمہ تعلیم میں بحیثیت معلم خدمات انجام دے رہا تھا اور ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے زمینوں کی دیکھ بھال کرتا رہا اور ساتھ ہی تمباکو کا کاروبار بھی کرتا رہا۔ محمد صالح خان کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی سے تین بیٹے محمد اسرار، محمد ابرار اور عبدالصمد تھے۔ جن میں سے محمد اسرار ذہنی طور پر معذور تھا اور عبدالصمد ذہنی اور جسمانی دونوں طور پر معذور تھا۔ محمد ابرار خان تعلیم حاصل کرنے کے بعد سکول میں معلم کی حیثیت سے بھرتی ہوا تھا لیکن کرونا کی جان لیوا بیماری کا شکار ہو کر چل بسا۔ محمد ابرار خان کے دو بیٹے محمد سریر اور محمد سعد ہیں جو کہ ابھی زیرِ تعلیم ہیں۔

محمد صالح خان کی دوسری بیوی سے بھی تین بیٹے محمد طفیل خان، محمد اعجاز خان اور محمد ناصر خان ہیں جو ابھی دنیا کی بہاریں دیکھ رہے ہیں۔ محمد طفیل خان چھوٹا موٹا کاروبار کرنے میں مصروف ہے۔ محمد اعجاز خان تعلیم کے سلسلے میں بیرون ملک گیا تھا اور تعلیم حاصل کرنے کے

بعد آج کل کنیڈا میں مستقل رہائش اختیار کر چکا ہے۔ جبکہ محمد ناصر خان نے طب کے شعبے میں MBBS کی ڈگری حاصل کر لی ہے اور آج کل اسی شعبے میں لوگوں کی خدمت کرر ہا ہے۔

نقشہ شجرہ اولادِ اُمبارس خان

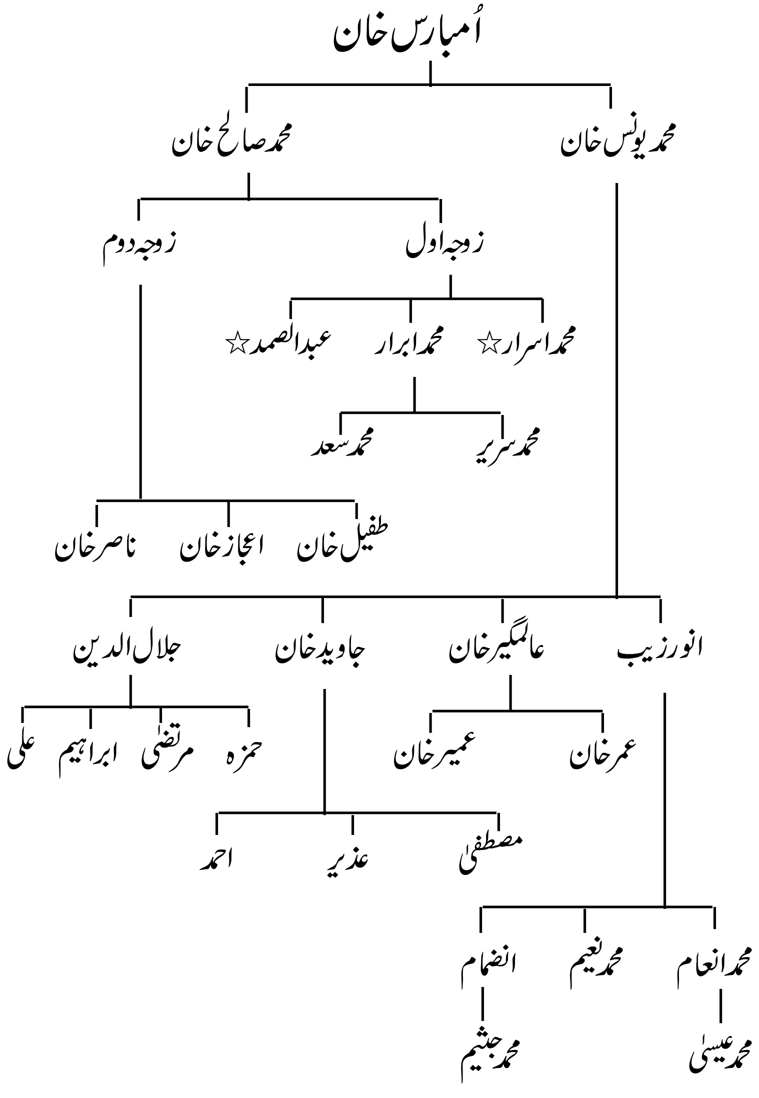

نوار خان اور اُس کی اولاد

محترم نوار خان ولد نواب خان ایک قد آور شخصیت کا مالک تھا۔نوار خان تو اپنی پوری زندگی میں کٹہ خٹ میں رہائش پذیر تھا،لیکن اُس کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے اپنی اپنی جائیدادوں میں منتقل ہوکر وہاں پر رہائش اختیار کر چکے ہیں۔نوار خان نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے اُس کا ایک بیٹا محمد ادریس خان تھا۔جو کہ بہت ہی خوش اخلاق اور صبر ناک انسان تھا۔وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔اُس کے دو بیٹے محمد ندیم خان اور محمد افضل خان ہیں جو کہ ہم میں موجود ہیں اور دونوں تعلیم سے فارغ ہوکر اپنے زمینوں کی دیکھ بھال اور چھوٹا موٹا کاروبار کرنے میں مصروف ہیں

محترم نوار خان کی دوسری بیوی سے دو بیٹے عبدالمتین خان اور خان غالب خان تھے دونوں بیٹے میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد زمینوں کی دیکھ بھال اور چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرتے تھے۔عبدالمتین خان فوت ہو چکا ہے جبکہ خان غالب خان بقید حیات ہے ۔ عبدالمتین خان کے دو بیٹے جواد خان اور شکیل خان ہم میں موجود ہیں جواد خان میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے زمینوں کی نگہداشت میں مصروف ہے جبکہ شکیل خان بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے۔

خان غالب خان کے تین بیٹے اسفندیار خان، یاسر خان اور علی رضا ہیں۔اسفندیار تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے والد کا زمینداری اور کاروبار میں ہاتھ بٹاتا ہے جبکہ یاسر خان تعلیم سے فراغت کے بعد پہلے بنک میں گریڈ ٹو آفیسر بھرتی ہوا اور بعد ازاں بنک کی نوکری کو خیر آباد کہہ کر متحدہ عرب آمارات چلا گیا اور ابھی تک وہاں پر خدمات انجام دے رہا ہے۔جبکہ خان غالب خان کا تیسرا بیٹا علی رضا ہے۔علی رضا پہلے ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت کر رہا تھا۔اس کے بعد یورپ جانے کے چکر استنبول (ترکی) گیا ہوا ہے۔اور تا حال وہیں پر ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد نوار خان بابا

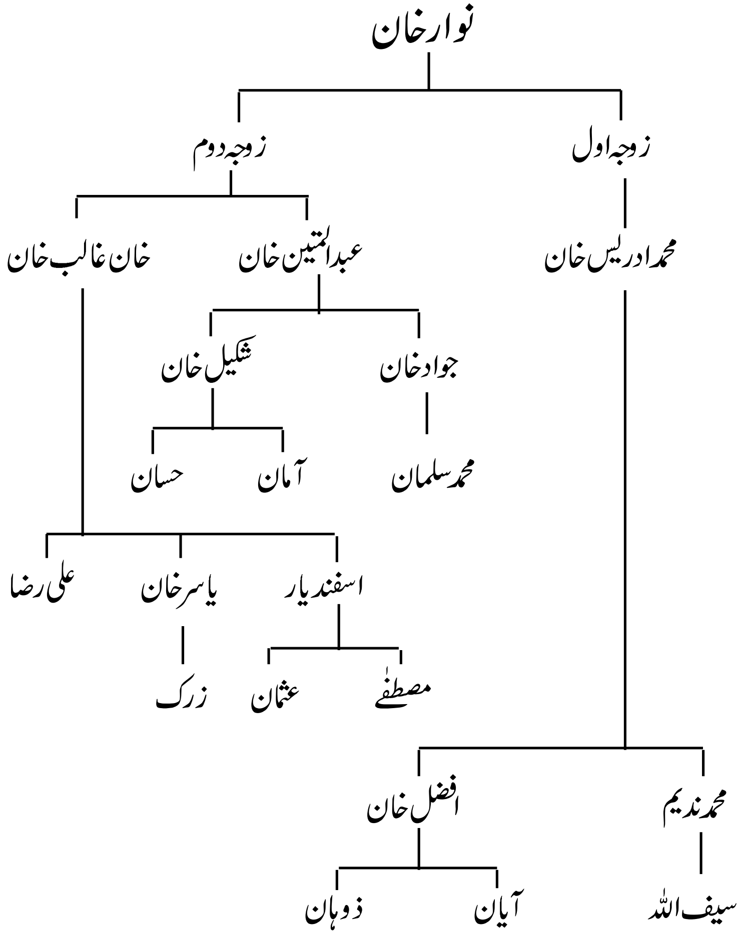

علی حیدر خان اور اُس کی اولاد

نواب خان کا چوتھا بیٹا علی حیدر خان تھا۔علی حیدر خان اپنی زندگی میں کٹہ خٹ سے اپنے زمینوں کو منتقل ہوا تھا اور وہاں پر مالہ ڈھیری کے نام سے پورا ایک چھوٹا سا گاؤں (بانڈہ) بسایا تھا۔اُس کی اولاد آج بھی وہاں پر رہائش پذیر ہے۔علی حیدر خان ایک کٹر قسم کا پختون آدمی تھا جو بات منہ سے نکالتا تھا اُس پر ڈٹ جاتا تھا۔اس کے علاوہ وہ ایک محبت کرنے والا انسان بھی تھا اور اپنے سے کم عمر کے لوگوں سے خواہ وہ اپنے ہوں یا پرائے بہت محبت سے پیش آتا تھا۔اُس کی ان خوبیوں کی وجہ سے تمام لوگ اُس کی بہت عزت کرتے تھے اور اُس کی ہر بات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

علی حیدر خان کے چھ بیٹے جہانزیب خان ،محمد اقبال خان ،محمد عمران خان ، مشتاق خان، حسین خان اور طارق خان تھے۔علی حیدر خان نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کی بہت اچھی تربیت کی تھی۔جس کی وجہ سے وہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے معاشرے میں عزت کا ایک مقام حاصل کر چکے ہیں۔

علی حیدر خان کا بڑا بیٹا جہانزیب خان تھا۔ جہانزیب خان باپ کی زندگی میں موضع کٹہ خٹ کا 'ملک' بن گیا تھا اور اس طرح اُس کو پورے گاؤں اور علاقے کے لوگوں کا اعتماد حاصل تھا۔ جہانزیب خان کے دو بیٹے محمد ریاض اور محمد فیاض ہیں جو آج کل ہم میں موجود ہیں۔دونوں بھائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں بطور مدرس علم کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔

علی حیدر خان کا دوسرا بیٹا محمد اقبال ہم میں موجود ہے۔اپنے زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہے اُس کے دو بیٹے محمد سفید خان اور احد خان ہیں اور دونوں محکمہ تعلیم میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

علی حیدر خان کا تیسرا بیٹا محمد عمران خان ہم میں موجود ہے۔وہ باپ کی وفات تک اُس کے ساتھ ہوتا تھا اور ہر حال اپنے باپ کے ساتھ سائے کی طرح چپکا رہتا تھا اور ہر کام میں اُس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔والد کی انتقال کے بعد گاؤں سے پشاور منتقل ہوا اور وہاں ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت کرنے لگا اور حال ہی میں صحت کی ضعف کی وجہ سے واپس گاؤں آیا ہے اور اپنے زمینوں کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔محمد عمران خان کا ایک بیٹا محمد اسمٰعیل خان ہے جو محکمہ تعلیم میں خدمات انجام دے رہا ہے۔

علی حیدر خان کا چوتھا بیٹا مشتاق خان ہے۔مشتاق خان کے پانچ بیٹے محمد اشتیاق عدنان، احمد، سلمان اور علی ہیں۔مشتاق خان مالہ ڈھیری میں اپنی ساری جائیداد فروخت کر کے اپنے بال بچوں کے ساتھ پنجاب منتقل ہو چکا ہے۔اور ضلع اٹک میں رہائش پذیر ہے۔اُس کے پانچوں بیٹوں نے وہاں پر الگ الگ مختلف کاروبار شروع کیا ہوا ہے۔

علی حیدر خان کا پانچواں بیٹا حسین خان ہے۔حسین خان کے ہاں کوئی نارینہ اولاد نہیں تھا۔اس لیے اُس کی بیوی نے اپنے بھتیجے اجلال خان کو اپنا متبنٰی بنایا اور اُس کو پال پوس کر بڑا کیا جو کہ آج کل پشاور میں زیر تعلیم ہے۔حسین خان نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد محکمہ منصوبہ بندی خیبر پختونخواہ میں بطور اسٹینوگرافر ملازمت اختیار کی تھی اور اب وہاں سے ریٹائرڈ ہو کر گاؤں میں اپنے زمینوں کی رکھوالی کر رہا ہے۔

علی حیدر کا چھٹا بیٹا طارق خان ہے جس کے چار بیٹے ذیشان، مہران، ذکریا اور یحیٰی ہیں۔اُس کے چاروں بیٹے بڑے محنتی اور لائق ہیں اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد آج کل مختلف شعبوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔جس کی وجہ سے طارق خان نے گاؤں کی سکونت ترک کی ہوئی ہے اور راولپنڈی میں مع اپنے اہل وعیال کے رہائش پذیر ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد علی حیدر خان

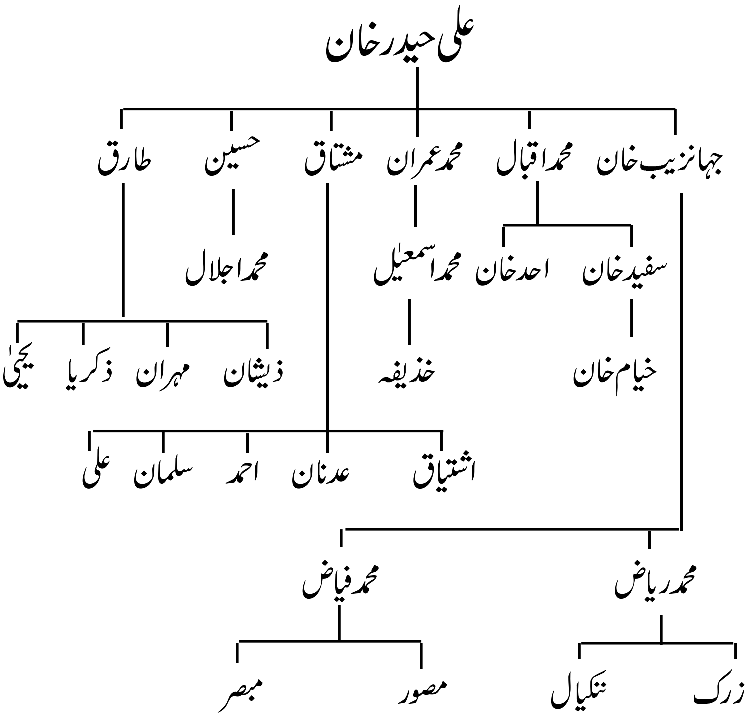

ناصر خان اور اُس کی اولاد

محترم افضل خان کے چوتھی بیوی کے تین بیٹوں میں سے تیسرا ناصر خان تھا۔ طبیعت کے لحاظ سے ناصر خان ایک ملنگ آدمی تھا۔ وہ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے کا بڑا شوقین تھا۔ اسی لیے اُس نے اپنی ساری زندگی انہی لوگوں کی خدمت کے لیے وقف کی تھی۔ وہ دور دور تک ان پیر فقیروں کی تلاش میں پھرتا تھا اور ان لوگوں کی صحبت سے فیضیاب ہوتا تھا۔ ان ہی کی صحبت میں وہ چلاّ کاٹتا تھا اور ان ہی کی صحبت کی وجہ سے اُس کو بہت سے امراض کو دم کرنے کی اجازت ملی ہوئی تھی اور وہ ان اجازوں کی وجہ سے لوگوں کو دم کرتا تھا۔

ناصر خان کے پانچ بیٹے ماب خان، شیرین خان، امیر زادہ خان، زریستان خان اور شاہ نظر خان تھے۔ ان کے دو بیٹے ماب خان، امیر زادہ خان جوانی میں شادی سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ جبکہ شاہ نظر خان کے ہاں صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ اس لیے ناصر خان کی نسل اُس کے دو بیٹوں شیرین خان اور زریستان خان سے آگے چلی ہے۔

شیرین خان اپنے تمام بھائیوں میں بڑا دور اندیش اور لائق تھا۔ اُس کو اپنے والد کی طرف سے بہت سے امراض کے اجازت نامے بھی ملے ہوئے تھے جس سے وہ لوگوں کو دم کرتا تھا۔ شیرین خان نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے اُس کے تین بیٹے کپور خان، معمور خان اور سیفور خان ہیں۔ ان میں کپور خان کے دو بیٹے حامد خان اور ساجد خان ہیں۔ جو چھوٹا موٹا کاروبار کر کے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

شیرین خان کا دوسرا بیٹا معمور خان ہے جو بوجہ علالت وفات پا چکا ہے۔ معمور خان نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے اُس کے چار بیٹے سرانجام، منصف، شاہ زیب اور یاسین ہیں جبکہ دوسری بیوی سے دو بیٹے محمد زبیر اور محمد عذیر ہیں۔ معمور خان کے بیٹوں میں سرانجام، منصف اور یاسین اپنا چھوٹا موٹا کروبار کر کے وقت گزار رہے ہیں جبکہ شاہ زیب محکمہ

تعلیم میں علم کی روشنی پھیلا رہا تھا کہ بوجہ ہارٹ آٹیک اچانک فوت ہو گیا ہے۔

معمور خان کے دوسرے بیٹوں میں محمد زبیر ایک اچھا الیکٹریشن ہے اور بجلی کی فٹنگ کا کام کرتا ہے جبکہ محمد عذیر ایک اچھا ٹیلر ماسٹر ہے۔ دونوں بھائی بڑے ملنسار اور خوش اخلاق انسان ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کا کاروبار خوب چمک اُٹھا ہے۔

شیرین خان کا تیسرا بیٹا سیفور خان ہے۔ جو کہ آجکل ایک قتل کی دعویداری کی وجہ سے مفرور ہے اور بونیر میں رہائش پذیر ہے۔ سیفور خان کے تین بیٹے رائیس، جنید اور افضل خان ہیں۔ تینوں بھائی چھوٹا موٹا کاروبار کر کے زندگی کے ایام گذار رہے ہیں۔ سیفور خان پر قتل کی دعویداری ہونے کی وجہ سے اُس کا پورا خاندان گاؤں سے بونیر منتقل ہو چکا ہے اور وہیں پر رہائش پذیر ہیں۔

شیرین خان کی دوسری بیوی سے دو بیٹے محمد اسرار خان اور محمد نہار خان ہیں جو آج کل ہم میں موجود ہیں۔ ان میں محمد اسرار خان زمینداری کی دیکھ بھال کر کے وقت گزارتا ہے۔ محمد اسرار خان کے تین بیٹے سفید خان، بلال خان اور ہارون خان ہیں۔ ان میں سفید خان اور بلال خان محکمہ تعلیم میں خدمات انجام دے رہے ہیں جبکہ ہارون خان محکمہ جیل خانہ جات کے پولیس میں خدمات انجام دے رہا ہے۔

شیرین خان کا سب سے چھوٹا بیٹا نہار خان ہے جو اپنے دادا ناصر خان کی طرز پر پیر فقیروں کا دلدادہ ہے اور انہی لوگوں کی صحبت سے اپنے آپ کو فیض یاب کرتا رہتا ہے۔ اُس نے اپنے دادا کی طرح پیر فقیروں سے بہت سے وظائف حاصل کر لیے ہیں جس سے وہ لوگوں کی خدمت کرتا رہتا ہے۔ نہار خان کے تین بیٹے حضر، ابوذر اور سائم ہیں جو ابھی زیر تعلیم ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد ناصر خان

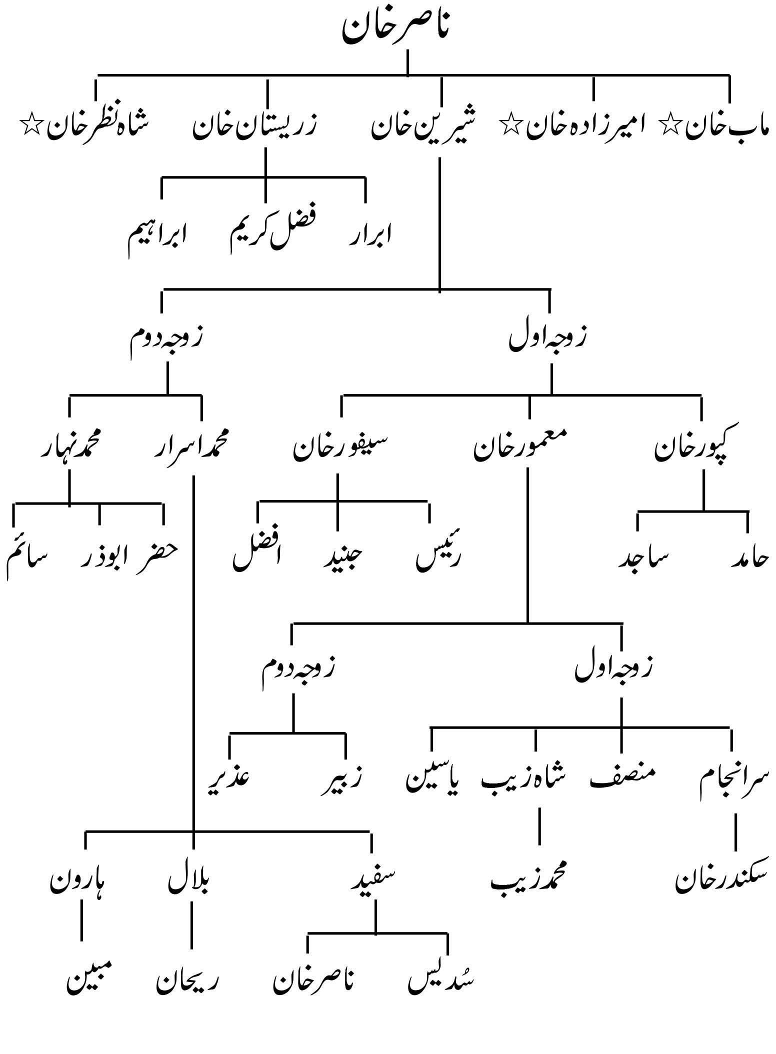

کریم خان اور اُس کی اولاد

کریم خان میر بابو کا بیٹا اور افضل خان کا چھوٹا بھائی تھا۔ جرگے کے فیصلے کے مطابق کریم خان کو کٹہ خٹ اور کوترپان دونوں مواضعات کی جائیداد میں حصہ ملا تھا۔ جس پر آج بھی اُس کی اولاد مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔

کریم خان کی تین بیویاں تھیں جن میں زوجہ اول کے دو بیٹے زرین خان اور مشکی خان تھے۔ زوجہ دوم کے تین بیٹے غلام قادر خان، علی صفدر خان اور بھاور خان تھے جبکہ زوجہ سوم کے دو بیٹے مقدر خان اور فوجون خان تھے۔ کریم خان نے زوجہ اول کو کوترپان کا جائیداد حصے میں دیا گیا۔ جس پر آج بھی زرین خان اور مشکی خان کی اولاد مالکانہ حیثیت میں آباد ہیں۔ زوجہ دوم اور زوجہ سوم کو کٹہ خٹ کا جائیداد میں حصے میں ملا۔

زوجہ اول کی اولاد میں زرین کے دو بیٹے امیر غواث خان اور امیر نوش خان تھے۔ جن کی اولاد موضع کوترپان میں آباد ہیں۔ جبکہ مشکی خان کے دو بیٹے رضا خان اور خان بھادر خان تھے۔ دونوں کوترپان میں آباد تھے۔ ان میں خان بھادر خان کی پہلی بیوی اُس کے چچا فوجون خان کی بیٹی تھی۔ فوجون خان کے ہاں چونکہ کوئی نارینہ اولاد نہیں تھا اس لیے فوجون خان کی وفات کے بعد خان بھادر خان کو بیوی کے حصے کی جائیداد کٹہ خٹ میں مل گئی جس کی وجہ سے وہ کوترپان سے کٹہ خٹ منتقل ہوا۔ خان بھادر خان کی پہلی بیوی سے ایک بیٹا روح الامین خان تھا جبکہ دوسری بیوی سے پانچ بیٹے محمد ریاض، محمد صیاد، محمد ارشد، محمد شاہد اور محمد ناہید ہیں۔ جن میں روح الامین کے ہاں کوئی نارینہ اولاد نہیں تھا اور وہ بقضائے الٰہی فوت ہو چکا ہے جبکہ باقی پانچ بیٹے ہم میں موجود ہیں۔ جن میں پہلے چاروں بیٹے مقامی طور پر چھوٹا موٹا کاروبار کر رہے ہیں۔ جبکہ ناہید خان پاک آرمی میں خدمات انجام دینے کے بعد آج کل بنک آف پنجاب میں سیکیورٹی کے خدمات انجام دے رہا ہے۔

زوجہ دوم کی اولاد میں سے غلام قادر خان جوانی میں ناگہانی موت کا شکار ہو گیا جبکہ علی صفدر خان اور بھاور خان موضع کٹہ خٹ میں رہائش پذیر رہے اور اُن کی اولاد آج بھی موضع کٹہ خٹ میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں

علی صفدر خان کے دو بیٹے محمد منیر خان اور محمد سرور خان تھے۔ محمد منیر خان کے بیٹے علی اضعر ،علی شیر، محمد جان، محمد خالد، مجاہد اور اورنگ شیر ہیں۔ جن میں علی اضعر بقاضائے الٰہی فوت ہو چکا ہے جبکہ محمد خالد اور مجاہد دشمنی کی بینٹ چڑھ گئے ہیں۔ صرف علی شیر، محمد جان اور اورنگ شیر ہم میں موجود ہیں۔ ان میں علی شیر اور اورنگ شیر پشاور میں کسی پرائیویٹ کمپنی میں ملازم ہیں جبکہ محمد جان گاؤں میں رہائش پذیر ہے۔

محمد سرور خان کی دو بیویوں میں سے چار بیٹے محمد شیر خان، بھادر شیر خان، محمد اسرار اور بخت شیر ہیں۔ محمد شیر خان پاک آرمی خدمات انجام دے کر ریٹائرڈ ہو چکا ہے اور اُس کے بیٹے آج کل بیرون ملک ملازمت کر کے ملک کے لیے قیمتی زرمبادلہ کما رہے ہیں۔

محمد سرور خان کا دوسرا بیٹا بھادر شیر خان موٹر سائیکل کے حادثے کا شکار ہو کر وفات پا چکا ہے جبکہ اُس کے بیٹے میکینک ہیں اور مختلف شعبوں میں اپنا اپنا کاروبار کر رہے ہیں۔

محمد سرور خان کا تیسرا بیٹا محمد اسرار خان ایک سیاسی ذہنیت کا مالک ہے اور آج کل پیپلز پارٹی کے پلیٹ فارم سے یونین کونسل کی سطح تک کا سیاست کر رہا ہے۔ جبکہ محمد سرور خان کا چوتھا بیٹا بخت شیر ذہنی طور پر معذور ہے اور بات چیت کرنے سے لاچار ہے۔

کریم خان کا ایک اور بیٹا بھاور خان تھا جس کو کٹہ خٹ کی جائیداد میں حصہ دیا گیا تھا۔ جس کے تین بیٹے سلطان جان، استنوش خان اور سلیمان خان تھے۔ ان میں استنوش خان لاولد تھا۔ جبکہ سلطان جان خان اپنی زندگی میں عیاشیوں اور نشہ آور اشیاء کے استعمال کی وجہ سے اپنے جائیداد کا بیشتر حصہ کھو چکا تھا۔

بھاور خان کا تیسرا بیٹا سلیمان خان ایک بدقسمت انسان تھا۔ اُس کی ساری زندگی

جنگ وجدل اور جیل سے عبارت ہے۔ وہ دو دفعہ قتل کے الزام میں جیل کی ہوا کھا چکا ہے۔ اُس کو ایک دفعہ چودہ سال بامشقت اور دوسری دفعہ بیس سال بامشقت قید کی سزا ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے اُس کی سارا جائیداد بحق سرکار ضبط ہو چکی ہے۔ اُس کی اولاد آج کل کٹہ خٹ سے چار کلومیٹر جانب مغرب بانڈہ سلی شاہ میں آباد ہیں۔

کریم خان کی تیسری بیوی کے دو بیٹے مقدر خان اور فوجون خان تھے۔ ان میں فوجون خان کے ہاں کوئی نارینہ اولاد نہیں تھا جبکہ مقدر خان کا ایک بیٹا شاہ جہان خان تھا۔ شاہ جہان خان جوانی میں عیش وعشرت کرنے کی وجہ سے اپنی جائیداد فروخت کر چکا تھا۔ جس کے بعد وہ کٹہ خٹ مردان شہر منتقل ہو گیا تھا اور وہاں محنت مزدوری کرنے لگا تھا۔ اُس کی اولاد بھی وہیں پر آباد ہے اور مختلف شعبوں میں محنت مزدوری کر کے زندگی کے آیام گزار رہے ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد کریم خان

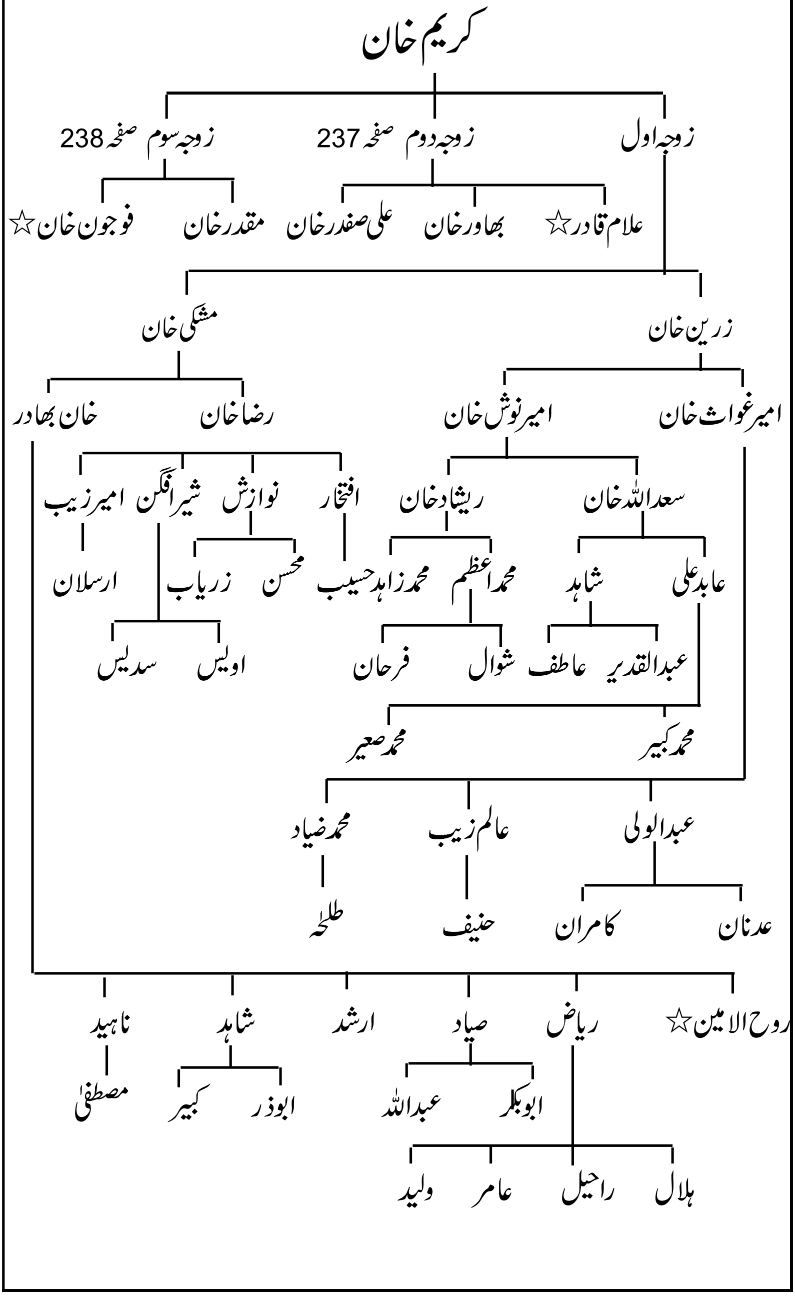

از صفحہ 236

نقشہ شجرہ اولاد کریم خان

- کریم خان
  - زوجہ اول
  - زوجہ دوم
    - غلام قادر خان☆
    - علی صفدر خان
      - محمد منیر خان
        - علی شیر
        - علی اصغر
          - ناصر
          - ظفر
            - سدیس
            - حذیفہ
          - عجب خان
          - عامر
          - کامران
        - محمد جان
          - عثمان
          - عرفان
        - خالد
          - شاہ خالد
        - مجاہد
        - اورنگ شیر
          - عباس
          - فہیم
          - حارث
      - محمد سرور خان
        - بخت شیر
        - بہادر شیر خان
          - عالمگیر
            - سلمان
            - صفدر
          - عدنان
          - جہانگیر
            - عسکان
          - فرحان
        - محمد اسرار
          - اُسامہ
        - محمد شیر خان
          - سہیل
            - دلاور خان
            - محمد سعد
            - محمد حمدان
          - یاسر
            - طلحہٰ
            - محمد
          - ندیم
          - ماجد
            - احمد
    - بہادر خان صفحہ 238
  - زوجہ سوم صفحہ 238

از صفحہ 236

نقشہ شجرہ اولاد کریم خان

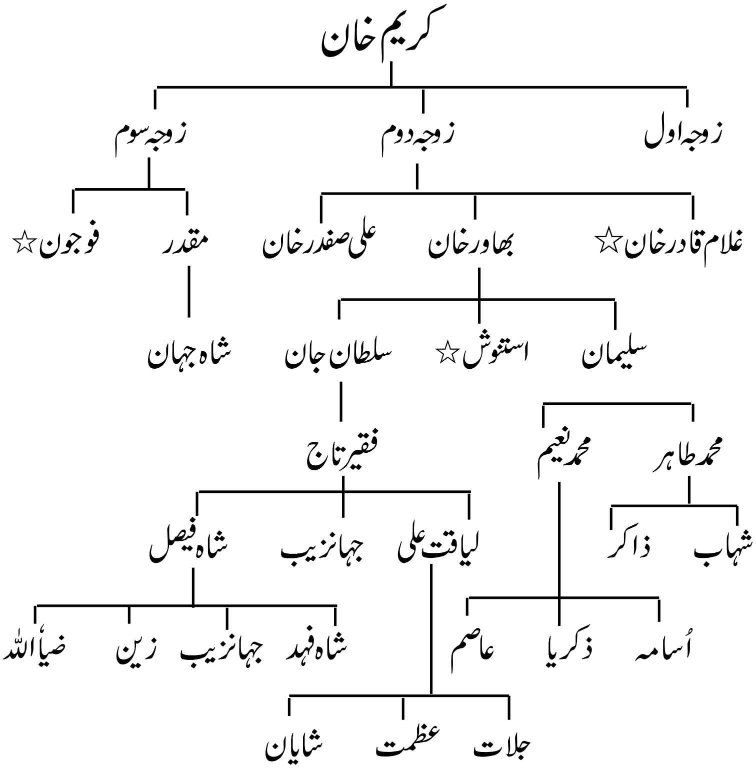

اکبر خان اور اُس کی اولاد

اکبر خان میر بابو کا بیٹا اور افضل خان کا تیسرا چھوٹا بھائی تھا۔ جرگے کے فیصلے کے مطابق اکبر خان کو سارا حصہ کٹہ خٹ کی جائیداد میں ملا تھا۔ جس پر آج بھی اُس کی اولاد مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔ اکبر خان شادی کے کچھ عرصہ بعد بوجہ علالت وفات پا گیا تھا۔ اُس وقت اُس کا ایک ہی بیٹا مکرم خان پیدا ہوا تھا۔ اس لیے وہ اس کی جائیداد کا واحد وارث قرار پایا۔ مکرم خان کے پانچ بیٹے شیر افضل خان، یعقوب خان، عبداللہ خان، عبدالقدوس خان اور اشرف علی خان تھے۔

مکرم خان کٹہ خٹ میں ایک خوشگوار زندگی گزارنے کے بعد فوت ہوا۔ اُس کے مرنے کے بعد اُس کے تمام بیٹے کٹہ خٹ سے اپنی اپنی جائیدادوں کو منتقل ہو گئے اور وہاں پر ہر ایک نے الگ الگ ایک چھوٹا سا موضع (بانڈہ) بسایا ہوا ہے۔ اور اپنے اہل عیال کے علاوہ اپنے زمینداروں کے لیے بھی وہاں پر مکانات تعمیر کیے ہیں۔

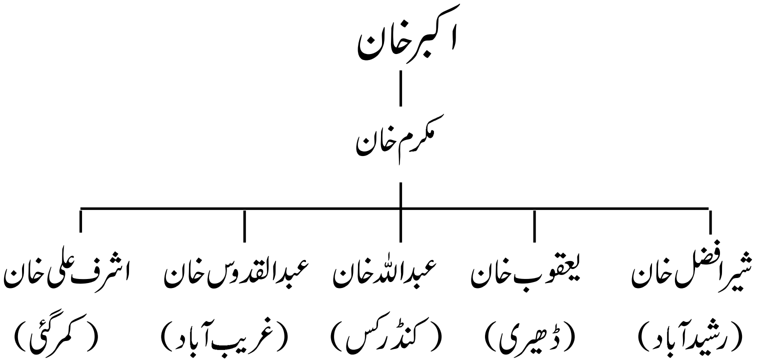

شیر افضل خان اور اُس کی اولاد

مکرم خان کا سب سے بڑا بیٹا شیر افضل خان تھا۔شیر افضل خان باپ کی زندگی میں ہی کٹہ خٹ سے چار کلومیٹر جانب مغرب اپنے زمینوں میں جا کر آباد ہوا تھا اور اپنے ارد گرد اپنے زمینداروں کو بسا کر ایک چھوٹا سا گاؤں (بانڈہ) آباد کیا تھا جو بعد میں اُس کے بیٹے عبدالرشید خان کے نام سے رشید آباد مشہور ہو گیا ہے۔

شیر افضل خان کے تین بیٹے حق نواز خان، عبدالرشید خان اور محمد اسد خان ہیں۔جن میں حق نواز خان کم عمری میں بوجہ علالت وفات پا گیا تھا جبکہ عبدالرشید خان اور محمد اسد خان آج کل ہم میں موجود ہیں۔

شیر افضل خان کا دوسرا بیٹا عبدالرشید خان ہے۔عبدالرشید خان مذہبی ذہن والا انسان ہے۔تقریباً بارہ مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے علاوہ لاتعداد عمرے بھی ادا کر چکا ہے۔جبکہ دین کی تبلیغ کے سلسلے میں چار ماہ کے علاوہ کئی چلے بھی گزار چکا ہے۔اس کے علاوہ دنیاوی لحاظ سے بھی بڑا فعال ہے۔وہ زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ مختلف ٹاون شپ اور سوسائٹوں میں پلاٹوں کی خرید وفروخت کا کاروبار بھی بڑی عمدگی سے کر رہا ہے۔

عبدالرشید خان کے تین بیٹے محمد سعید خان، محمد رفیق خان اور محمد ناصر خان ہیں۔ محمد سعید خان اور محمد رفیق خان تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی کر رہے ہیں جبکہ محمد ناصر خان نیک انسان ہونے کے ساتھ دینی علوم کی طرف راغب تھا۔اس لیے دنیاوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دینی تعلیم شروع کیا اور علوم دینیہ مکمل کرنے کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا ہے۔اس سلسلے میں اُس نے اپنے گاؤں میں اپنی مدد آپ کے تحت ایک مدرسہ بنایا ہے۔جس میں وہ خود معہ کئی اور استاذہ کے دینی علوم کی روشنی پھیلا رہا ہے اور دین اسلام کی نشر واشاعت میں مصروف ہے۔

شیر افضل خان کا تیسرا بیٹا محمد اسد خان ہے۔ محمد اسد خان بھی ایک نیک دل انسان ہے۔ ملنگ طبیعت ہے۔ ہر وقت لوگوں کی خیر خواہی میں اور نیک کاموں میں مشغول نظر آتا ہے۔ یونیورسٹی پبلک سکول (UPS) پشاور سے میٹرک اور ایگریکلچرل یونیورسٹی پشاور سے گریجویشن مکمل کرنے کے بعد تجارت کے پیشے کو اپنایا اور یار دوستوں کے مشورے سے پشاور میں رئیل سٹیٹ کا کاروبار شروع کیا۔ چونکہ ایک محنتی انسان ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نہایت دین دار بھی واقع ہوا ہے۔ اس لیے اللہ پاک کی مدد بھی ایسی ہی لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ چنانچہ اُس کا کاروبار دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا رہا۔ آج کل اس کا کاروبار بہت وسیع ہو گیا ہے اور پشاور کے ساتھ ساتھ اسلام آباد میں بھی پورے زور وشور سے جاری وساری ہے۔

محمد اسد خان کے دو بیٹے محمد بلال اور محمد عباس ہیں۔ دونوں کو والد نے اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا ہے۔ دونوں بڑے نیک اور خوش مزاج ہیں اور دونوں آج کل رئیل سٹیٹ کے کاروبار میں اپنے والد کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد شیر افضل خان

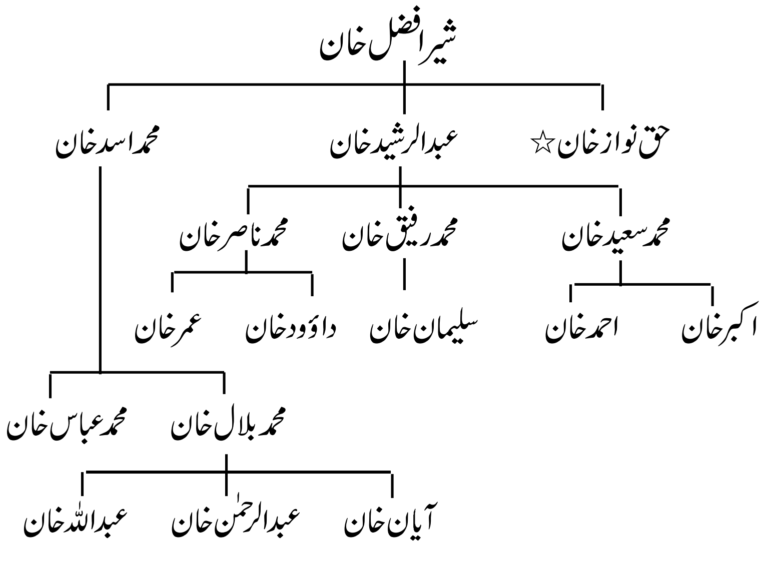

یعقوب خان اور اُس کی اولاد

مکرم خان کا دوسرا بیٹا یعقوب خان تھا۔ جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد گاؤں میں اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا تھا۔ اُس نے انگریزوں کے دور میں اعلیٰ تعلیم حاصل کیا تھا، اس لیے اُس کو کئی جگہوں پر نوکری کی پیشکش ہوگئی تھی لیکن حساس طبیعت کا مالک ہونے کی وجہ سے اُس نے قبول نہ کیا اور اپنے ہی لوگوں میں زندگی گزارنے اور اپنے زمینوں کی نگہداشت کو ترجیح دی۔

یعقوب خان کے چار بیٹے سعد الملوک خان، عطاؤاللہ خان، حمیداللہ خان اور فاروق خان ہیں جن میں سعد الملوک خان وفات پا چکا ہے جبکہ باقی تینوں ہم میں موجود ہیں۔ سعدلملوک خان کے دو بیٹے ارشد خان اور ماجد خان ہیں۔ ان میں ارشد خان تعلیم مکمل کرنے کے بعد آج کل پشاور میں ڈپٹی ڈائریکٹر پی اینڈ ڈی کے عہدے پر فائز ہے جبکہ ماجد خان تعلیم مکمل کرنے کے بعد گاؤں میں اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی کر رہا ہے۔

یعقوب خان کا دوسرا بیٹا عطاؤاللہ خان ہے جو کہ بہت ہی نیک سیرت اور بہت ہی اچھی خوبیوں کا مالک انسان ہے۔ ہر ایک سے پیار و محبت سے پیش آتا ہے اور ہر ایک کی دکھ درد میں شریک ہونا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ عطاؤاللہ خان آج کل علالت کی وجہ سے کافی کمزور ہو چکا ہے لیکن پھر بھی اپنی ڈیوٹی بڑی خوبی سے نبھا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں عزت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔

اس کے علاوہ وہ بے لوث سیاست کرنے والا انسان ہے اور سیاست کو عبادت کے درجے تک مقدم رکھتا ہے۔ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے سیاست کرتا ہے۔ دل و جان سے مسلم لیگی ہے اور مسلم لیگی زعماء کے ساتھ اُس کی محبت لازوال ہے وہ دو دفعہ تین تین سال کے

لیے مسلم لیگ کی صوبائی کونسل کا رکن بھی رہ چکا ہے۔

یعقوب خان کا تیسرا بیٹا حمید للہ خان ہے جو کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد گاؤں میں اپنے زمینوں کی دیکھ بھال کرر ہا ہے۔ حمید اللہ خان کے دو بیٹے محمد شفیق خان اور محمد جمال خان ہیں۔ ان میں محمد شفیق خان تعلیم مکمل کرنے کے بعد گاؤں میں اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرر ہا ہے۔ جبکہ محمد جمال خان بزنس میں ماسٹر ڈگری (MBA) حاصل کرنے کے بعد خیبر ٹوبیکو کمپنی میں منیجر کے عہدے پر خدمات انجام دے رہا ہے۔

یعقوب خان کا چوتھا بیٹا فاروق خان تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم کے مختلف اداروں میں علم کی روشنی پھیلاتا رہا ہے۔ آج کل اسلام آباد میں رہ رہا ہے اور تعلیم کی روشنی پھیلانے کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو بھی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے اچھے اچھے سکولوں میں داخل کیا ہوا ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد یعقوب خان

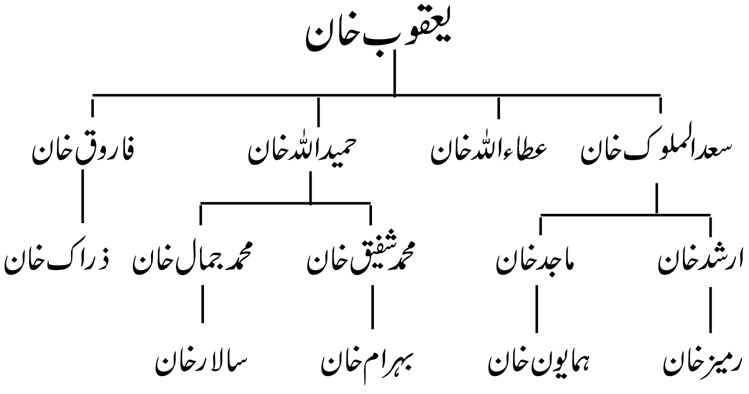

عبداللہ خان اور اُس کی اولاد

مکرم خان کا تیسرا بیٹا عبداللہ خان تھا جو کٹہ خٹ سے جانب جنوب مغرب دو کلومیٹر کے فاصلے پر اپنی جائیداد میں رہ رہا تھا اور وہاں ایک چھوٹا سا گاؤں (بانڈہ) کنڈر کس کے نام پر بسایا ہوا تھا۔ اُس نے اپنا گھر اپنی جائیداد کے عین وسط میں تعمیر کیا تھا۔ جہاں سے وہ اپنی زمینوں کی دیکھ بھال آسانی سے کرتا تھا۔ عبداللہ خان ایک سیاسی ذہنیت کا مالک انسان تھا اور وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے سیاست کرتا تھا۔ اپنے سیاسی کیریئر کے دوران وہ MPA اور MLA بھی منتخب ہوا تھا۔ جس کے دوران اُس نے موضع کٹہ خٹ کے لیے کئی ترقیاتی سکیمیں بھی منظور کی تھیں۔ اس کے بعد سال 1965ء میں وہ کٹہ خٹ یونین کونسل کا پہلا چیرمین بھی منتخب ہوا تھا۔ عبداللہ خان کو اپنے گاؤں اور علاقے سے بہت پیار تھا اور اپنے گاؤں کے لیے اُس نے مڈل سکول، ڈاکخانہ اور بجلی کی ترسیل کے منصوبے منظور کرائے تھے۔ اس کے علاوہ یونین کونسل کے چیرمین کی حیثیت سے کٹہ خٹ کے مقام خوڑ پر آمد و رفت کے لیے ایک فرش بھی بنایا تھا جو بعد میں سیلاب کی نظر ہو گیا۔

عبداللہ خان نے تین شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے اُس کا ایک بیٹا محمد سلیم خان تھا۔ محمد سلیم خان بھی سیاست کا شوقین تھا۔ یونین کونسل کی سطح پر کئی بار الیکشن میں حصہ لے چکا تھا اور ایک بار صوبائی اسمبلی کا الیکشن بھی لڑ چکا ہے۔ محمد سلیم خان کے تین بیٹے طارق سلیم، قاسم سلیم اور تیمور سلیم ہیں جو آج کل ہم میں موجود ہیں۔ محمد سلیم خان کی طرح اُس کے بیٹے طارق سلیم اور قاسم سلیم بھی سیاست کے شوقین ہیں اور گاہے بگاہے الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں۔ ان میں طارق سلیم مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑ چکا ہے۔ جبکہ قاسم سلیم یونین کونسل کے ناظم کا الیکشن لڑ چکا ہے۔ محمد سلیم خان کا تیسرا بیٹا تیمور سلیم تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ پولیس میں اے ایس آئی کے عہدے پر بھرتی ہو گیا تھا اور ترقی کرتا ہوا آج

کل ڈی ایس پی کے عہدے پر خدمات انجام دے رہا ہے۔

عبداللہ خان کی دوسری بیوی کا ایک بیٹا محمد خالد خان ہے جو آج کل ہم میں موجود ہے۔ محمد خالد خان تعلیم سے فراغت کے بعد گاؤں میں اپنا وقت گزار رہا ہے اور اپنے زمینوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ محمد خالد خان کے دو بیٹے فہد خان اور جنید خان ہیں۔ جن میں فہد خان گاؤں میں اپنے والد کا ہاتھ بٹا رہا ہے اور ساتھ ساتھ یونین کونسل کی سطح تک کی سیاست میں بھی حصہ لے رہا ہے۔ جبکہ جنید خان تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملازمت کی طرف راغب ہے۔

عبداللہ خان کی تیسری بیوی کے دو بیٹے محمد اعظم خان اور محمد اصغر خان ہیں جو آج کل ہم میں موجود ہیں۔ دونوں بھائی مقابلے کی امتحان (CSS) پاس کر کے حکومت پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر براجمان رہ چکے ہیں۔ ان میں سے محمد اعظم ترقی کرتا ہوا چیف سیکرٹری اور وزیر اعظم کے پرنسپل سیکریٹری کے عہدے تک پہنچ کر ریٹائرڈ ہو چکا ہے جبکہ محمد اصغر خان محکمہ انکم ٹیکس میں کمشنر کے عہدے تک خدمات انجام دینے کے بعد ریٹائرڈ ہو چکا ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد عبداللہ خان

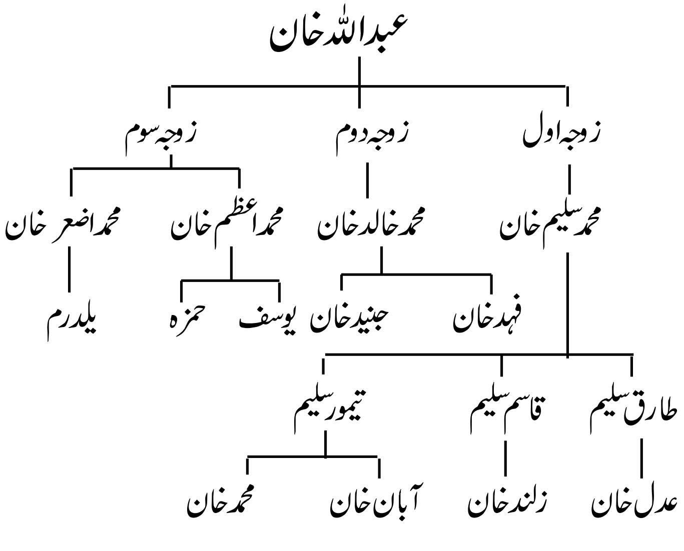

عبدالقدوس خان اور اُس کی اولاد

شیر افضل خان کا چوتھا بیٹا عبدالقدوس خان تھا۔ عبدالقدوس خان بھی دوسرے بھائیوں کی طرح کٹہ خٹ سے تین کلومیٹر جانب مغرب اپنے زمینوں میں منتقل ہو گیا تھا اور وہاں پر اپنے لیے اور اپنے زمینداروں کے لیے مکانات بنا کر ایک پورا بانڈہ بسایا ہوا تھا۔ جس کو پہلے اُس نے اپنے بڑے بیٹے محمد جاوید خان کی نسبت سے جاوید آباد سے موسوم کیا تھا۔ لیکن اب وہ مغربی جانب سے ایک بڑے موضع غریب آباد میں ضم ہو چکا ہے اور اس بانڈہ کا اپنا نام معدوم ہو چکا ہے۔ اب یہ بانڈہ بھی غریب آباد کے نام سے موسوم ہے۔

عبدالقدوس خان کے تین بیٹے محمد جاوید خان، محمد فہیم خان اور محمد آیاز خان تھے۔ تینوں بیٹے ایک خوشگوار زندگی گزارنے کے بعد راہی عدم ہو چکے ہیں۔ محمد جاوید خان کے دو بیٹے محمد علی اور سجاد علی ہیں۔ دونوں ہم میں موجود ہیں۔ دونوں خوش اخلاق اور ملنسار انسان ہیں۔ دونوں بھائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ پٹرولیم کا کاروبار بھی کر رہے ہیں۔

عبدالقدوس خان کے دوسرے بیٹے محمد فہیم خان کے تین بیٹے محمد اجلال خان، محمد وسیم خان اور محمد بلال خان ہیں۔ تینوں ہم میں موجود ہیں اور خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔ محمد اجلال خان اور محمد بلال خان غریب آباد سے دوبئی آڈہ منتقل ہو چکے ہیں جبکہ محمد وسیم خان اپنے آبائی گھر واقع غریب آباد میں رہائش پذیر ہے۔ محمد اجلال خان اور محمد وسیم خان زمینوں کی نگہداشت کے ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی کر رہے ہیں۔ جبکہ محمد بلال خان تعلیم مکمل کرنے کے بعد سرکاری محکموں میں خدمات انجام دینے کی طرف مائل تھا۔ اس لیے وہ پہلے پاک آرمی کے سگنل کور میں خدمات انجام دیتا رہا تھا۔ لیکن اپنے والد محمد فہیم خان کی ایک جان لیوا بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے وہاں سے رخصت ہو کر باپ کی تیمارداری میں

مصروف ہو گیا۔ باپ کی وفات کے بعد وزارت سپورٹس اینڈ کلچر خیبر پختونخواہ سے منسلک ہو گیا اور آج کل اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں حیات آباد پشاور میں رہائش پذیر ہے۔

عبدالقدوس خان کا تیسرا بیٹا محمد آیاز خان تھا۔ دوسرے بھائیوں کی طرح محمد آیاز خان بھی بڑا ملنسار اور خوش اخلاق انسان تھا۔ محمد آیاز خان کے تین بیٹے محمد عاطف خان، محمد کاشف خان اور محمد یاسر خان ہیں۔ تینوں زندہ وسلامت ہم میں موجود ہیں اور خوش وخرم زندگی گزار رہے ہیں۔ ان میں محمد عاطف خان زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ یونین کونسل کی سطح کی سیاست میں بھی حصہ لے رہا ہے۔ اور ایک بار کونسلر بھی منتخب ہو چکا ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد عبدالقدوس خان

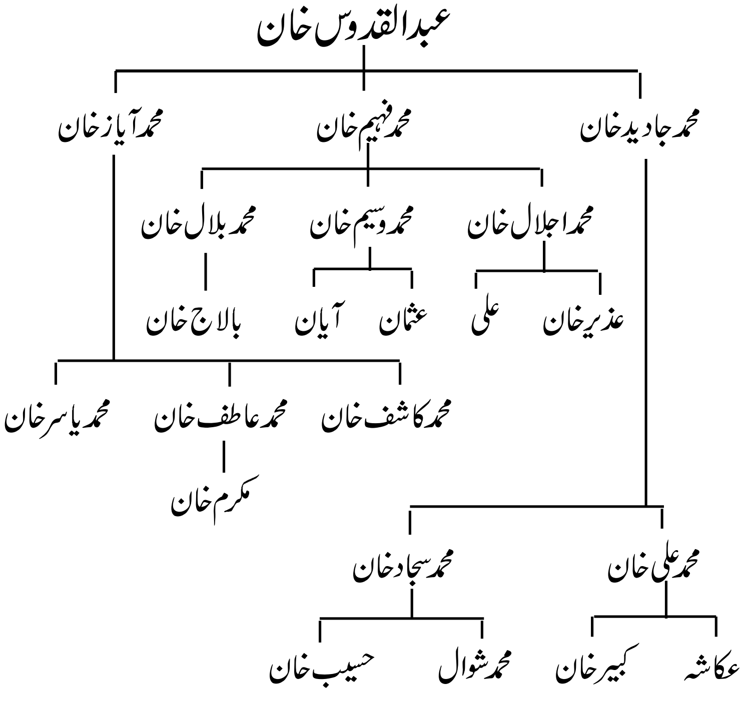

اشرف علی خان اور اُس کی اولاد

مکرم خان کا پانچواں بیٹا اشرف علی خان تھا۔ اشرف علی خان نہایت ہی دوراندیش انسان تھا۔ میٹرک تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے زمینوں کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ باپ کی وفات کے بعد کٹہ خٹ سے دو کلومیٹر جانب مغرب اپنے زمینوں میں جا کر آباد ہو گیا تھا اور وہاں پر اُس نے اشرف آباد کے نام سے ایک چھوٹی سی بستی کو بسایا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مسلم لیگ کی پلیٹ فارم سے سیاست بھی لیتا رہا۔ وہ ایک بے لوث کارکن کی حیثیت سے پارٹی کارکنوں اور عام لوگوں کی خدمت میں مشغول رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یونین کونسل کی سطح تک سیاست میں حصہ بھی لیتا رہتا تھا۔ دو دفعہ کٹہ خٹ یونین کونسل کا رکن اور ایک دفعہ یونین کونسل کا چیرمین بھی منتخب ہوا تھا۔ اُس کی باتوں میں بلا کی چاشنی اور عبرت کا درس ہوتا تھا۔ وہ مشہور جرگہ مار تھا اور جس جرگے میں وہ ہوتا تھا وہ جرگہ ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اُس کا یک خاص مقام تھا اور لوگ دل و جان سے اُس کی عزت کرتے تھے اور اُس کو ''خان بابا'' کے نام سے پکارتے تھے۔ جب تک زندہ رہا لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرتا رہتا تھا۔

اشرف علی خان کے چار بیٹے محمد اسلم خان، محمد پرویز خان، محمد انور خان اور افتخار خان تھے۔ ان میں محمد پرویز خان حالت جوانی میں سال 1970ء کے کسان تحریک کے دوران ایک جھڑپ میں ہلاک ہو گیا تھا جبکہ محمد انور خان حال ہی میں وفات پا چکا ہے۔ جبکہ باقی دو ہم میں موجود ہیں۔

اشرف علی خان کا بڑا بیٹا محمد اسلم خان تعلیم مکمل کرنے کے بعد محکمہ ٹیلفون اینڈ ٹیلی گراف میں سب ڈویژن آفیسر (SDO) کے عہدے پر تعینات ہو گیا تھا اور ریٹائرمنٹ تک وہاں خدمات انجام دیتا رہا۔ ریٹائرمنٹ حاصل کرنے کے بعد آجکل گاؤں میں اپنی

زمینوں کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔ محمد اسلم خان کے تین بیٹے محمد جمیل، محمد شاہد اور محمد کمال ہیں۔ ان میں محمد جمیل تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے والد کا ہاتھ بٹاتا تھا اور والد کی غیر موجودگی میں زمینوں کی نگہداشت بھی کرتا تھا۔ بہت ہی نیک انسان تھا، لیکن خاندانی رنجشوں کا شکار ہو کر اس دارِ فانی سے راہی عدم ہو چکا ہے۔ محمد اسلم کے باقی دو بیٹے باپ سے الگ الگ زندگی گزار رہے ہیں اور اپنے حصے کی زمینوں کی نگہداشت میں مصروف ہیں۔

اشرف علی خان کا تیسرا بیٹا محمد انور خان تھا۔ وہ اپنے زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ یونین کونسل کی سطح تک سیاست میں حصہ بھی لیتا رہتا تھا اور ایک دفعہ یونین کونسل کٹہ خٹ کا رکن بھی منتخب ہوا تھا۔ لیکن اُس کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ بھی خاندانی رنجشوں کا شکار ہو کر اس دارِ فانی سے کوچ کر چکا ہے۔ محمد انور خان کے دو بیٹے محمد شہزاد خان اور محمد عماد خان ہیں۔ جو اپنے زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرتے ہیں۔

اشرف علی خان کا چوتھا بیٹا افتخار خان ہے جو کہ آج کل ہم میں موجود ہے اور وہ اشرف آباد سے ایک کلومیٹر جانب مغرب اپنے زمینوں میں منتقل ہو چکا ہے۔ افتخار خان تعلیم مکمل کرنے کے بعد گاؤں آیا اور زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ یونین کونسل کی سطح تک کی سیاست میں بھی حصہ لینے لگا۔ اب تک وہ کئی دفعہ یونین کونسلر کا الیکشن بھی لڑ چکا ہے۔ افتخار خان کے دو بیٹے شہریار خان اور اسفندیار خان عرف فنی ہم میں موجود ہیں۔ دونوں تعلیم حاصل کرنے کے بعد گاؤں کے معاملات میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹا رہے ہیں اور ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی کر رہے ہیں۔

شجرہ اولاد اشرف علی خان

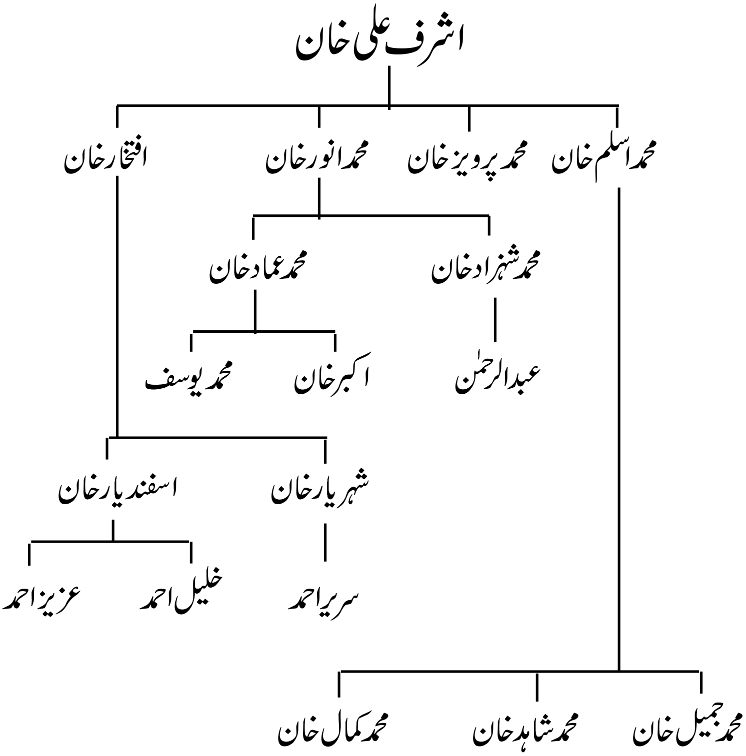

حادی خان اور اُس کی اولاد

حادی خان میر بابو کا بیٹا اور افضل خان کا چھوٹا بھائی تھا۔ جرگے کے فیصلے کے مطابق حادی خان کو جائیداد میں آدھا حصہ کوترپان اور آدھا حصہ کٹہ خٹ میں دیا گیا تھا۔ حادی خان کا ایک بیٹا حکمت خان تھا۔ جو اپنے والد کی وفات کے بعد تمام جائیداد کا واحد وارث تھا۔ حکمت خان ایک پارسا انسان تھا۔ ایک بڑا خان ہونے کے باوجود اس کا چال چلن ملنگانہ تھا۔ غریبوں کی دکھ درد میں بذات خود شریک ہوتا تھا اور اُن کی دادرسی کرتا تھا۔

حکمت خان کے دو بیٹے حکیم خان اور خراسان خان تھے۔ خراسان خان کو کوترپان کی جائیداد حصے میں ملی جبکہ حکیم خان کو کٹہ خٹ کی جائیداد ملی۔ دونوں نے اپنے وقت میں بڑے شان اور تاٹ باٹ سے زندگی بسر کردی۔ دونوں بھائی اپنے والد کی طرح خداترس اور تقویٰ دار انسان تھے۔

حکیم خان کا ایک بیٹا حاجی یوسف خان تھا۔ حاجی یوسف خان بھی اپنے والد کی طرح بہت زیادہ پارسا اور تقویٰ دار انسان تھا۔ اُس نے اپنے وقت میں بی۔اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ جو کہ علاقے کے لوگوں کے لیے ایک مثال تھی۔ کیونکہ اُس وقت تعلیم حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دور دور کی مسافت اختیار کرنی پڑتی تھی اور پھر سہولیات کے نہ ہونے کی وجہ سے بڑے مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ والد کی وفات کے بعد اپنے علاقے میں لوگوں کی رہبری کرنے اور لوگوں کی دادرسی کرنے لگا تھا ۔ پھر زمانے نے کروٹ بدلی ۔ اُس کو کسی کی نظر بد لگ گئی ۔ اُس کو آنکھوں کی بیماری لگ گئی ۔ بہت زیادہ علاج کیا مگر بے سود اور آخر کار اس بیماری کی وجہ سے آنکھوں کا نور چلا گیا اور اُس کی دنیا تاریک ہوگئی۔ مگر اس حالت میں بھی اُس نے لوگوں کے ساتھ اپنا رشتہ نہیں توڑا اور برابر اُس کی دکھ درد میں شریک ہوتا تھا اور لوگوں کی خبر گیری کرتا رہتا تھا۔

یوسف خان لاولد تھا۔لیکن اکثر لاولد لوگوں کی طرح بخیل نہیں تھا۔اُس کے ہاں ہر وقت حاجتمندوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور وہ ہر ایک کی بساط بھر مدد کرتا تھا۔کبھی کسی کو نہیں خالی ہاتھ نہیں جانے دیا۔جوانی میں حج کیا تھا۔اس کے علاوہ اللہ پاک کی رضا کے لیے بہت سے مساجد اور دارلعلوم بھی بنوائے۔اُس کی بنوائی ہوئی مساجد اور دارلعلوم آج بھی موجود ہیں۔اُن بے شمار مساجد اور دارلعلوم کو دیکھتے ہوئے اُس کی یاد دلوں میں تازہ ہوتی ہے۔

کٹہ خٹ کے جنوب اور مشرق کی طرف مقام خوڑ بہتا ہے جس میں برسات کے موسم میں بہت زیادہ سیلاب آتا تھا اور لوگوں کا باہر کی دنیا سے رابطہ منقطع ہو جاتا تھا۔اس خوڑ پر پل بنانا وقت کی اہم ضرورت تھی۔سرکار کی طرف سے اس خوڑ پر ایک فرش بنایا گیا تھا لیکن وہ سیلاب میں بہہ گیا تھا۔جس کی وجہ سے لوگوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔لوگوں نے اپنے تیئں بہت کوشش کی کہ سرکاری طور پر اس پر پل منظور کرائے لیکن ناکام ہوئے۔اُس کے بعد لوگ جوق در جوق حاجی یوسف خان کے پاس آتے تھے اور اس کو خوڑ پر پل بنانے کی درخواست کرتے تھے۔اگر چہ انفرادی طور پر یہ ایک مشکل کام تھا لیکن لوگوں کی تکالیف کو دیکھتے ہوئے حاجی صاحب نے اس کے لئے کمر کس لی اور بلآخر ایک سال کی جہد مسلسل کے بعد اس پل کو جولائی 1970ء میں مکمل کر کے دکھایا۔

مقام خوڑ پر پل سرکاری اعانت کے بغیر بنانا ایک ایسا کارنامہ تھا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔مقام خوڑ کا یہ پل تیس سال تک لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے بعد مقام خوڑ کی طغیانی کی وجہ سے منہدم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ خکومت پختونخوا نے ایک نیا پل تعمیر کیا ہے۔لیکن حاجی صاحب کے تعمیر کردہ پل کے آثار آج بھی اس سرکاری پل کے مغرب میں موجود ہیں۔جس کے دیکھنے سے ہمارے ذہنوں میں حاجی یوسف خان صاحبؒ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

چونکہ حاجی یوسف خان صاحب تمام علاقے کے لوگوں کی انفرادی مسائل اور گاؤں کے اجتماعی مسائل کے حل میں پیش پیش رہتا تھا،اس لیے علاقے کے لوگوں نے اُس کو

''مردِ بحران'' کے خطاب سے نوازا تھا۔ جس کا وہ بلاشبہ ہر لحاظ سے حقدار تھا۔

حاجی یوسف خان کی ایک ہمشیرہ تھی جس نے بی بی گلہ کے نام سے شہرت پائی۔ اُس کی شادی اپنے چچازاد شیر حسن خان سے ہوئی تھی۔ وہ بھی اپنے بھائی کی طرح لاولد تھی۔ لیکن وہ بھی سخاوت میں اپنی مثال آپ تھی۔ اپنے بھائی حاجی یوسف خان کی وفات کے بعد اُس نے اپنی زندگی میں اُس کے مشن کو جاری رکھا اور علاقے میں بہت سے مساجد کو تعمیر کیا۔

حکمت خان کے دوسرے بیٹے خراسان خان کے تین بیٹے شیر حسن خان، قریش خان اور امجد علی خان تھے۔ تینوں کوتر پان کی جائیداد پر براجمان تھے۔ تینوں اپنے والد کی طرح غریب طبیعت کے مالک تھے اور ہر وقت غریبوں کی دکھ درد میں شامل ہونا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ان میں شیر حسن خان لاولد تھے۔ جبکہ محمد قریش خان کے پانچ بیٹے ولایت علی، جہان علی، نہار علی، کفایت علی اور محمد فاروق ہیں۔ جن میں سے نہار علی مردان میں ایک بم دھماکے میں شہید ہوا ہے جبکہ باقی چار بقید حیات ہیں اور اپنے اپنے حصے کی جائیداد کی نگرانی میں مصروف ہیں۔ خراسان خان کا تیسرا بیٹا امجد علی خان تھا۔ وہ بھی اپنے والد کی طرح نیک اور خوش اخلاق تھا۔ امجد علی خان کے چار بیٹے عالمگیر خان، فواد علی خان، محمد جان اور عابد علی خان ہیں

حاجی یوسف خان چونکہ لاولد تھا اس لیے اس کی وفات کے بعد اُس کی جگہ کو پُر کرنے اور زمینوں کی نگہداشت کرنے کے لیے اُس کا چچازاد بھائی اور بہنوئی شیر حسن خان کٹھ خٹ آ گیا اور اس کی جگہ پر رہنے لگا۔ لیکن جلد ہی شیر حسن خان اور اُس کی بیوی جو حاجی یوسف خان کی ہمشیرہ تھی، بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اُس کے بعد شیر حسن خان کا چھوٹا بھائی امجد علی خان کوتر پان سے کٹھ خٹ منتقل ہوا۔ امجد علی خان کے چار بیٹے تھے جن میں محمد جان اور فواد علی خان اُس کے ساتھ کٹھ خٹ منتقل ہوئے۔ جبکہ عالمگیر خان اور عابد علی خان کوتر پان ہی میں رہ گئے اور وہاں پر اپنی جائیداد کی نگرانی کرنے لگے۔ امجد علی خان کے بیٹوں میں فواد علی خان بہت زیادہ ملن ساز اور ہر دلعزیز تھا۔ بلدیاتی سطح تک کے الیکشن میں حصہ لیتا

رہتا تھا۔ایک بار بلدیاتی الیکشن میں کامیاب ہو کر یونین کونسل کٹہ خٹ کا ناظم بھی بن گیا تھا۔بہت نیک انسان تھا۔ ہر ایک کی دکھ درد میں شریک ہوتا تھا۔سال 2022ء کے اوائل میں سرطان کے موذی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا۔کافی علاج کرایا لیکن بے سود ثابت ہوا اور اس موذی مرض کا ایک سال تک ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بعد آخر کار ہمت دے بیٹھا اور حال ہی میں یعنی مئی 2023ء اُس نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی اور اُس کو ہزاروں آشکبار آنکھوں کے ساتھ کٹہ خٹ قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

نقشہ شجرہ اولاد حادی خان

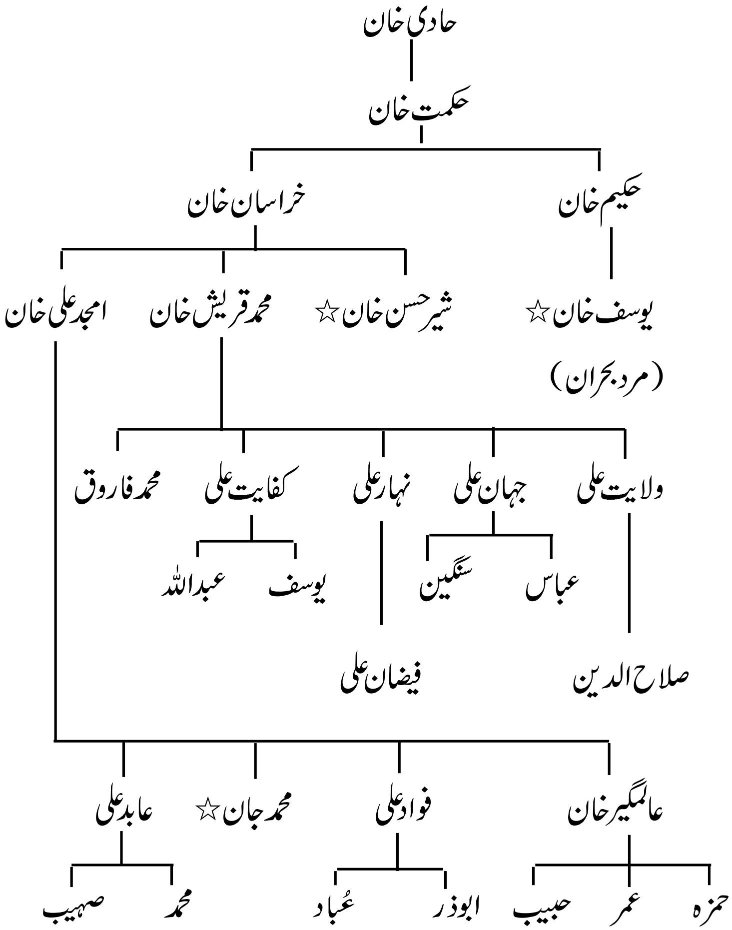

عمر خان اور اُس کی اولاد

عمر خان میر بابو کا بیٹا اور افضل خان کا سب سے چھوٹا بھائی تھا۔ جرگے کے فیصلے کے مطابق عمر خان کو کٹہ خٹ اور کوتر پان دونوں مواضعات کی جائیداد میں حصہ ملا تھا۔ جس پر آج بھی اُس کی اولاد مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔ عمر خان نے تین شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے اُس کا ایک بیٹا شیر بہادر خان پیدا ہوا تھا۔ دوسری بیوی سے چار بیٹے بدیع الزمان خان، شاہی زمان خان، سعد خان اور ہمایون خان تھے۔ جبکہ تیسری بیوی سے فریدون خان، امیر آمان خان، قمر الزمان خان اور شمس الزمان خان تھے۔

عمر خان کی وفات کے بعد اُس کی جائیداد کی تقسیم کے وقت چونکہ ''رواج'' کا قانون رائج تھا، جس کے مطابق جائیداد کو بیویوں کے حساب سے تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس لیے عمر خان کی تین بیویوں میں سے ہر ایک کو کل جائیداد کا ایک تہائی حصہ دیا گیا۔ پہلی بیوی کو کوتر پان کی جائیداد دی گئی۔ جبکہ باقی دو بیویوں کو کٹہ خٹ کی جائیداد میں حصہ ملا۔ عمر خان کی پہلی بیوی سے چونکہ ایک بیٹا شیر بہادر خان تھا۔ اس لیے وہ عمر خان کی کل جائیداد کے ایک تہائی کا واحد وارث قرار پایا۔ جبکہ باقی دو بیویوں کے چار چار بیٹے تھے اس لیے دوسری بیوی کے چار بیٹے ایک تہائی جائیداد کے مشترکہ وارث اور تیسری بیوی کے چار بیٹے بھی ایک تہائی جائیداد کے مشترکہ وارث قرار پائے۔

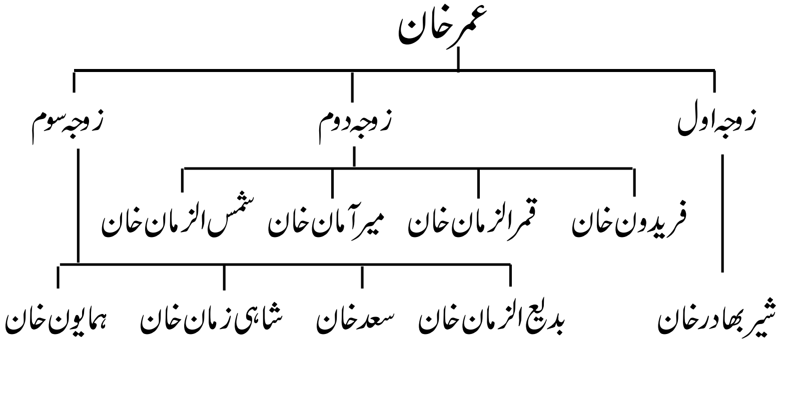

فریدون خان اور اُس کی اولاد

فریدون خان عمر خان کی دوسری بیوی کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ فریدون خان ایک خاکسار قسم کا انسان تھا۔ فریدون خان نے کوئی خاص تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور وہ زمینوں کی نگہداشت میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ والد کی وفات کے بعد بھی اپنے حصے کی زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہا۔ فریدون خان کے چار بیٹے ثمین خان، گل شید خان، عالمزیب خان اور ممتاز خان تھے۔ ان میں ممتاز خان پاک آرمی میں بھرتی ہوا تھا اور وہ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں شہید ہو گیا تھا۔

فریدون خان کا بڑا بیٹا ثمین خان تھا۔ وہ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد پاک آرمی میں بھرتی ہوا تھا اور ریٹائرمنٹ تک وہاں پر نوکری کرتا رہا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد واپس گاؤں آیا اور اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا۔ ثمین خان کے دو بیٹے بھادر شیر خان اور سعید خان تھے۔ ان میں بھادر شیر خان بقید حیات ہے جبکہ سعید خان جوانی ہی میں دشمنی کا شکار ہو کر اس دار فانی سے کوچ کر گیا ہے۔

فریدون خان کا دوسرا بیٹا گل شید خان تھا جو نہایت ہی زور آور شخص تھا۔ اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہتا تھا اور زیادہ عصیلی طبیعت ہونے کی وجہ سے ہر وقت لوگوں کے ساتھ لڑنے جھگڑنے میں مشغول رہتا تھا۔ گل شید خان اور ثمین خان اسی طرح مارچ 1968ء کی ایک صبح ایک لڑائی کے دوران بہ یک وقت فریق مخالف کی گولی کا نشانہ بن کر ہلاک ہو گئے تھے۔ گل شید خان کا ایک بیٹا محمد شیر خان تھا جو کہ والد کی بے وقت موت کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکا اور دشمنی کی وجہ سے گاؤں ہی میں اپنی زمینوں کی دیکھ بھال تک محدود ہو گیا تھا۔ محمد شیر خان کے دو بیٹے محمد ارسال خان اور محمد وقاص خان ہیں جو ہم میں موجود ہیں دونوں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ محمد ارسال خان آج کل محکمہ تعلیم سے منسلک ہے اور بچوں میں علم کی

روشنی پھیلا رہا ہے جبکہ محمد وقاص خان اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بیرون ملک گئے تھے اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہیں پر رہائش پذیر ہے۔

فریدون خان کا تیسرا بیٹا عالمزیب خان ہے جو آج کل ہم میں موجود ہے اور ضعیف العمری میں ہے۔ کافی کمزور ہو چکا ہے۔ عالمزیب خان نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلے بیوی سے اُس کا ایک بیٹا زوار حسین ہے اور دوسری بیوی سے اُس کے پانچ بیٹے محمد آصف، محمد مسرور، محمد سردار، محمد اعجاز اور محمد تیمور ہیں۔ ان میں محمد آصف محکمہ صحت میں خدمات انجام دے رہا ہے، محمد مسرور محکمہ پولیس میں ملازمت کر رہا ہے، محمد اعجاز محکمہ تعلیم سے منسلک ہے جبکہ محمد تیمور جیل خانہ جات پولیس میں زندگی کے دن گزار رہا ہے۔ جبکہ عالمزیب خان کا ایک بیٹا محمد سردار جیل خانہ جات پولیس میں دوران تربیت مناما (لاہور) میں دہشت گردوں کے ساتھ ایک جھڑپ میں شہید ہو گیا ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد فریدون خان

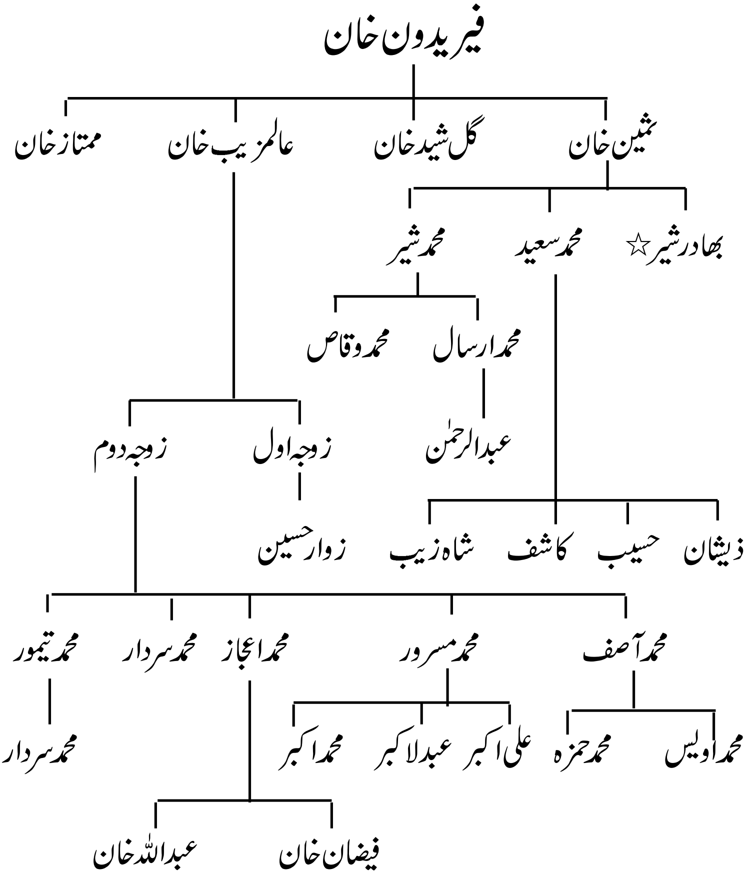

قمرالزمان خان اور اُس کی اولاد

قمرالزمان خان عمر خان کی دوسری بیوی کا دوسرا بیٹا تھا۔قمرالزمان خان ایک سیدھا سادہ انسان تھا۔اُس نے دو شادیاں کی تھیں ۔پہلی بیوی سے اُس کے دو بیٹے محمد شعیب خان اور محمد منظور خان تھے ۔دونوں بھائی بقضائے الٰہی وفات پا چکے ہیں۔جبکہ دوسری بیوی سے ایک بیٹا محمد اکرام خان ہے جو ہم میں موجود ہے۔

قمرالزمان خان کا بڑا بیٹا محمد شعیب خان ایک نہایت ہی دور اندیش انسان تھا، مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے سیاست میں حصہ لیتا تھا۔یونین کونسل کا الیکشن دو دفعہ ذاتی حیثیت میں لڑ چکا تھا اور ایک دفعہ الیکشن میں کامیابی حاصل کر کے کونسلر منتخب ہو چکا تھا۔بہت ہی ملن سار انسان تھا۔لوگوں سے بڑے پیار و محبت سے ملتا تھا اور لوگوں کے ذاتی مسائل کے حل کے لیے بھی کوشاں رہتا تھا۔جس کی وجہ سے لوگ بھی اُس سے پیار کرتے تھے اور اپنے دلوں میں اُس کے لیے ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھا۔محمد شعیب خان نے دو شادیاں کی تھیں لیکن اُس کی تمام اولاد پہلی بیوی سے تھی دوسری بیوی کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔

محمد شعیب خان کی پہلی بیوی سے پانچ بیٹے محمد راشد خان، محمد وقار خان، محمد اشفاق خان ،محمد جواد خان اور اصغر علی خان تھے۔جن میں محمد راشد خان یوسف زئی ٹیکسٹائل ملز چارسدہ میں ملازم تھا۔مل بند ہونے کے بعد وہ کئی پرائیوٹ جگھوں پر کام کرتا رہا۔آج کل گاؤں آیا ہوا ہے اور وہ بھی اپنے والد کی طرح یونین کونسل کے انتخاب میں ذاتی حیثیت میں حصہ لیتا ہے اور کئی بار کٹہ خٹ یونین کونسل کا رکن منتخب ہوا ہے۔محمد راشد خان کے دو بیٹے ماجد خان اور زوار خان ہیں۔دونوں بیرون ملک خدمات انجام دے رہے ہیں۔

محمد شعیب خان کا دوسرا بیٹا میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم سے منسلک ہے اور وہاں پر خدمات انجام دے رہا ہے۔جبکہ محمد اشفاق خان اور محمد جواد خان محکمہ

آبپاشی میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور پانچواں بیٹا اصغر علی کامران شہید چوک دوبئ اڈہ میں اپنا کاروبار کر رہا ہے۔

قمرالزمان خان کا دوسرا بیٹا محمد منظور خان بھی ایک خوش اخلاق آدمی تھا۔ ہر ایک کے ساتھ پیار و محبت سے ملتا تھا۔ محمد منظور خان کے دو بیٹے نوشیروان اور محمد آصف خان ہیں۔ نوشیروان میٹرک تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد پرائیویٹ طور پر ایک پٹواری کا کام کر رہا ہے جبکہ محمد آصف خان پاک آرمی میں بھرتی ہوا ہے اور وہاں پر خدمات انجام دے رہا ہے۔

قمرالزمان خان کا تیسرا بیٹا محمد اکرام خان ہے۔ محمد اکرام خان زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکا تھا۔ اپنے دور میں والی بال کا ایک اچھا کھلاڑی تھا۔ محمد اکرام خان نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے اُس کے تین بیٹے انتخاب خان، فواد خان اور محمد طفیل ہیں جبکہ دوسری بیوی سے بھی تین بیٹے عدنان خان، کنعان خان اور جنید خان ہیں۔ جن میں طفیل خان سرطان کے موذی مرض کی وجہ سے اس دار، فانی سے رحلت کر چکا ہے جبکہ باقی بیٹے مختلف شعبوں میں محنت کر کے وقت گزار رہے ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد قمرالزمان خان

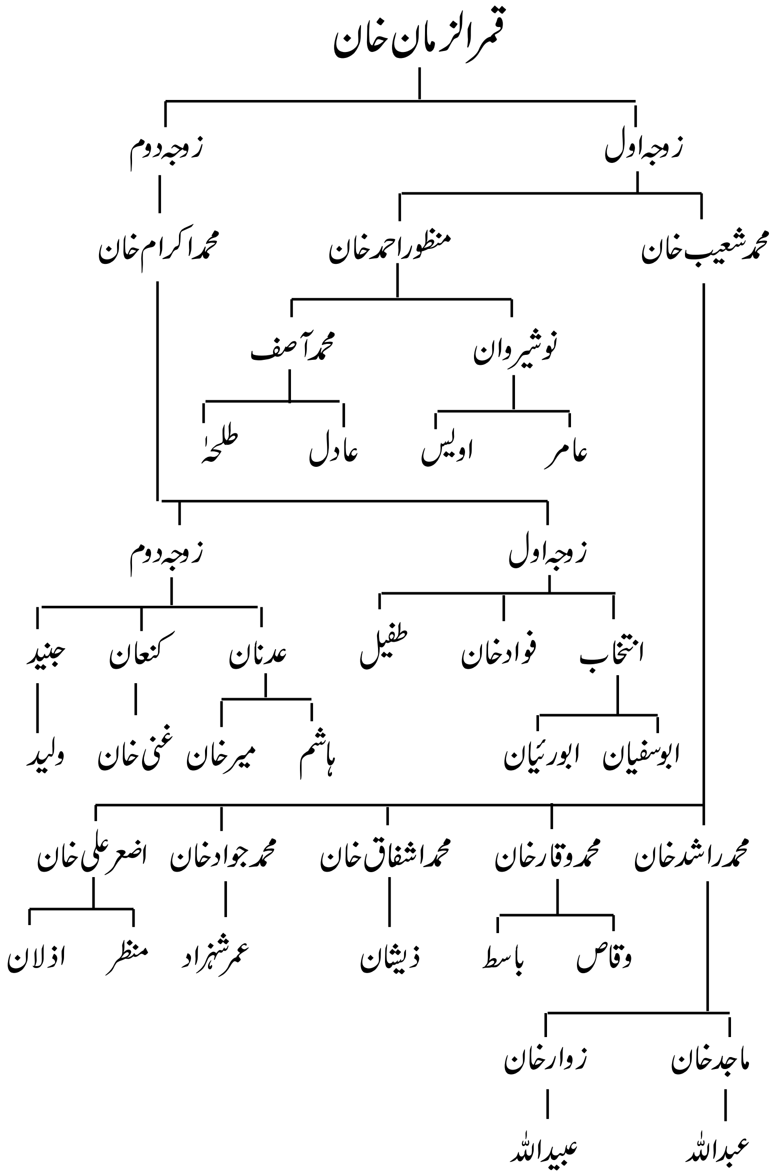

میر آمان خان اور اُس کی اولاد

میر آمان خان عمر خان کی دوسری بیوی کا تیسرا بیٹا تھا۔ نہایت ہی اچھا انسان تھا۔ میر آمان کا ایک ہی بیٹا محمد وصال خان تھا۔ محمد وصال خان بھی کٹہ خٹ میں ایک خوشگوار زندگی گزار چکا ہے۔ وہ یونین کونسل کی سطح تک کی سیاست میں حصہ بھی لیتا رہا تھا اور ایک بار کٹہ خٹ یونین کونسل کا رکن بھی منتخب ہوا تھا۔ محمد وصال خان کو جوانی ہی میں کینسر کا موذی مرض لاحق ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا ہے۔ محمد وصال خان کے تین بیٹے محمد اقبال خان، محمد طارق خان اور محمد ظفر خان ہیں۔ محمد اقبال خان کا ایک ہی بیٹا محمد بلال خان ہے جو کہ محکمہ پولیس میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ محمد اقبال خان خاندانی دشمنی کا شکار ہو کر قتل ہو گیا ہے جبکہ محمد طارق خان اور محمد ظفر خان ہم میں موجود ہیں۔ محمد طارق خان بچوں کی تعلیم اور نوکری کے سلسلے میں شیخ ملتون ٹاؤن شپ مردان منتقل ہو چکا ہے جبکہ محمد ظفر خان گاؤں ہی میں زندگی کے دن گزار رہا ہے۔ محمد ظفر خان کے تین بیٹے جلال، آفاق اور اذلان ہیں جو کہ زیرِ تعلیم ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد میر آمان خان

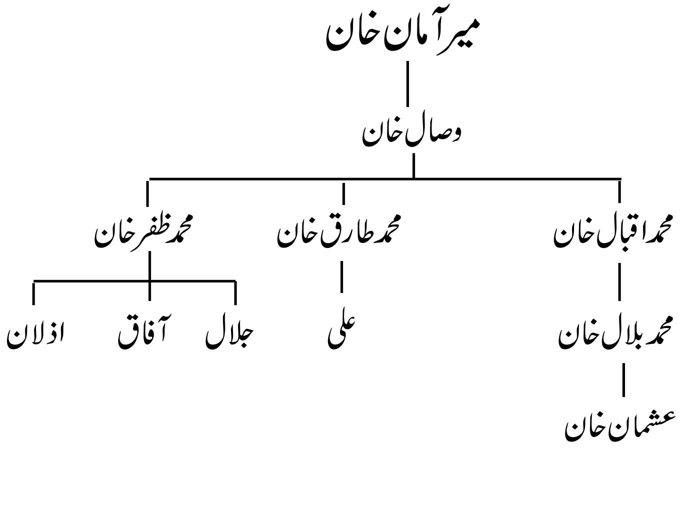

شمس الزمان خان اور اُس کی اولاد

شمس الزمان خان عمر خان کی دوسری بیوی کا چوتھا بیٹا تھا۔ وہ تقریباً ایک سال کا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا۔ سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ماں نے اُس کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی تھی۔ ماں کی خصوصی توجہ کی وجہ سے وہ ایک دوراندیش نوجوان کی شکل اختیار کر گیا۔ پہلے وہ یونین کونسل کی سطح تک کی سیاست میں حصہ لیتا تھا۔ پھر جوانی میں وہ عبدالغفار خان کی افکار اور عدم تشدد کے فلسفے سے متاثر ہوا اور خدائی خدمتگار تحریک میں شامل ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کو بڑے بڑے سیاسی زعماء کی صحبت نصیب ہوئی۔ وہ عبدالغفار خان کی صحبت سے اتنا متاثر ہوا تھا کہ وہ اُس کے فلسفے کی خاطر ہر قسم کی جانی و مالی قربانی سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ خدائی خدمتگار تحریک میں وہ خان عبدالغفار خان کے ساتھ سنگ بہ سنگ پختون قوم کی ترقی اور انگریزوں کے خلاف دوڑ دھوپ کرتا رہا۔ اسی سلسلے میں وہ انگریز سرکار کے ہاتھوں کئی مرتبہ جیل بھی کاٹ چکا تھا لیکن وہ اپنی دھن کا پکہ انسان تھا۔

جب خان عبدالغفار خان نے خدائی خدمتگار تحریک کو آل انڈیا کانگریس میں ضم کر دیا تو شمس الزمان خان بھی گانگریس پارٹی کا رکن منتخب ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد کانگریس پارٹی خیبر پختونخواہ میں اپوزیشن کی بڑی جماعت بن گئی تھی اس لیے وہ ایک بار پھر حکومت وقت کا زیر عتاب رہا۔ اور کئی کئی سال جیل میں گزارے۔ شمس الزمان خان چونکہ خدائی خدمتگار تحریک میں سالار کی حیثیت رکھتا تھا اس لیے تمام لوگ اُس کو سالار بابا کے نام سے پکارتے تھے۔

شمس الزمان خان کے پانچ بیٹے محمد ریشاد خان، محمد زرشاد خان، محمد اجمل خان، ہمت علی خان اور نشتر علی خان تھے۔ ان محمد ریشاد خان سیاست میں زیادہ حصہ نہیں لیتا تھا اور وہ زیادہ تر وقت زمینوں کی دیکھ بھال میں گزارتا تھا اور گاؤں کے معاملات میں اپنے والد کا ہاتھ

بٹا تا تھا۔ محمد ریشادخان کے دو بیٹے عتیق الرحمان خان اور مجیب الرحمان خان ہیں جو ہم میں موجود ہیں اور وہ دونوں اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ اپنے داد کی سیاست کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور اُس میں کامیابی کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔

شمس الزمان خاان کا دوسرا بیٹا محمد زرشاد خان تھا۔ وہ بھی اپنے والد کی طرح بڑھ چڑھ کر سیاست میں حصہ لیتا رہتا تھا۔ وہ عوامی نیشنل پارٹی کا صوبائی رکن تھا اور دو بار خیبر پختونخواہ کی صوبائی اسمبلی کا الیکشن بھی لڑ چکا تھا۔ محمد زرشاد خان کے چار بیٹے محمد احسان خان، محمد اکمل خان، تجمل خان اور محمد نصیر خان ہیں جو کہ بقید حیات ہیں۔ ان میں محمد احسان خان محکمہ پبلک ہیلتھ میں نوکری کر رہا ہے۔ محمد اکمل خان اور محمد نصیر خان محکمہ تعلیم سے وابستہ ہیں جبکہ تجمل خان بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے۔

شمس الزمان خان کا تیسرا بیٹا محمد اجمل خان تھا۔ جو کہ بہت ہی اعلیٰ صفات کا حامل انسان تھا۔ وہ یوسف زئی ٹیکسٹائل مل تخت بھائی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اور مل کی ترویج و ترقی کے لیے اس کی کاوشوں کا مل مالکان بھی معترف تھے۔ وہ جوانی ہی میں اچانک بیمار ہو کر اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ محمد اجمل خان کا ایک بیٹا محمد سہیل خان ہے جو بقید حیات ہے اور اپنے دادا کی سیاست کو سینے سے لگائے ہوئے ہے۔

شمس الزمان کا چوتھا بیٹا ہمت علی خان ہے جو کہ بقید حیات ہے۔ عوامی نیشنل پارٹی کی پلیٹ فارم سے سیاست کرتا ہے۔ وہ عوامی نیشنل پارٹی کا ویلیج کونسل کٹہ خٹ کا صدر ہے۔ سیاست میں ایک دفعہ ہری پور جیل بھی کاٹ چکا ہے۔ نہایت ہی ہوشیار، مدبر اور صلح جو انسان ہے اور یوسف زئی اصلاحی جرگہ کے صدر کی حیثیت سے عوام کی خدمت کر رہا ہے۔ ہمت علی خان کے تین بیٹے محمد ظہیر خان، محمد عظیم خان اور محمد رمیز خان ہیں۔ ان میں محمد ظہیر خان اور محمد عظیم خان بیرون ملک خدمات انجام دے رہے ہیں جبکہ محمد رمیز خان محکمہ برقیات کی آبی شاخ ہائیڈرولوجی میں خدمات انجام دے رہا ہے۔

شمس الزمان کا پانچواں اور آخری بیٹا نشتر علی خان ہے۔ وہ محکمہ برقیات میں بطور لائن مین بھرتی ہوا تھا اور سپرنٹنڈنٹ کے عہدے تک ترقی کرنے کے بعد ریٹائرڈ ہو چکا ہے۔ آج کل اپنی زمینوں کی نگرانی کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ ملکی سیاست میں عوامی نیشنل پارٹی کی پلیٹ فارم سے تک ودو بھی کر رہا ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد شمس الزمان خان

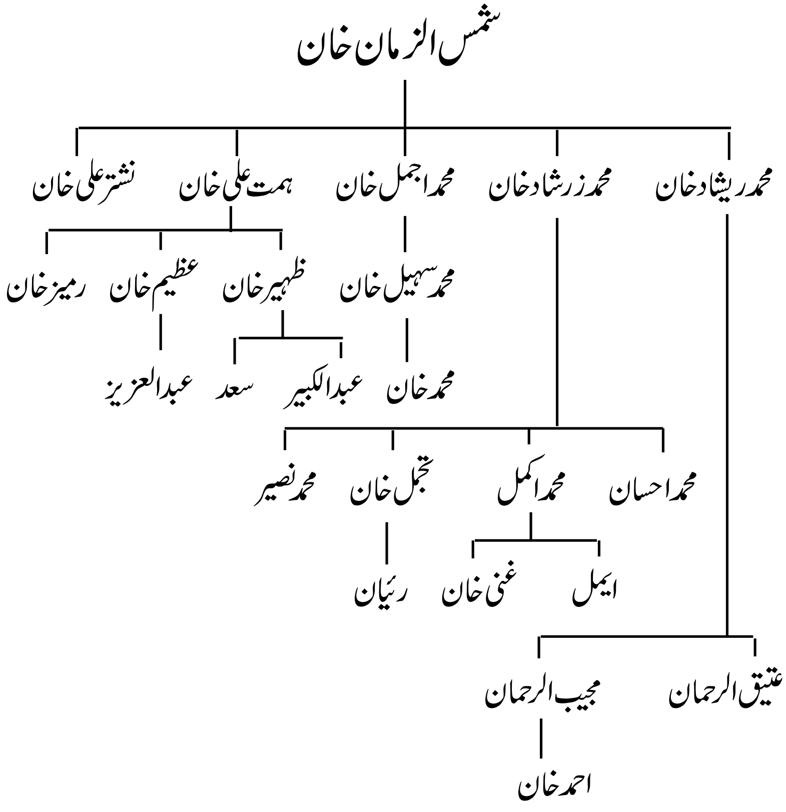

بدیع الزمان خان اور اُس کی اولاد

بدیع الزمان خان عمر خان کی تیسری بیوی کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ بدیع الزمان ایک سخت طبیعت والا انسان تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بڑا دور اندیش بھی تھا۔ اختلافِ رائے کو پسند نہیں کرتا تھا اور اختلاف کرنے والے کے ساتھ دشمنی کی حد تک عناد رکھتا تھا۔ آنے والے وقت کے اعتبار سے بڑے دور اندیشی سے فیصلے کرتا تھا۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے وہ سب بھائیوں میں ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔

بدیع الزمان خان کے چار بیٹے محمد ایوب خان ، عبدالقیوم خان، عبدالستار خان اور مختیار خان تھے۔ بدیع الزمان خان تو اپنی زندگی میں کٹہ خٹ ہی میں مقیم رہا،لیکن اُس کے بیٹوں میں سے عبدالقیوم خان کے ماسوا باقی سارے بیٹے باپ کی وفات کے بعد کٹہ خٹ سے اپنی اپنی زمینوں میں منتقل ہو گئے ہیں۔

بدیع الزمان خان کا بڑا بیٹا محمد ایوب خان تھا۔ محمد ایوب خان نے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور بچپن ہی سے مال مویشی پالنے اور زمیندارہ کا کام کرنے لگا تھا۔ محمد ایوب خان کے پانچ بیٹے ظفر علی، محمد علی، واجد علی، سبز علی اور محمد خالد ہیں جو کہ آکل ہم میں موجود ہیں۔

محمد ایوب خان کا بڑا بیٹا ظفر علی میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مختلف جگہوں پر نوکری کرتا رہا۔ وہ آجکل اسلام آباد میں رہائش پذیر ہے اور اُس کے بیٹے وہاں پر مختلف کمپنیوں کے ساتھ منسلک ہیں۔

محمد ایوب خان کا دوسرا بیٹا محمد علی ہے۔ جو خود تو مال مویشی پالنے اور زمینداری کرتا تھا لیکن اُس کے دو بیٹوں شاہ زیب اور محمد شکیل میں سے شاہ زیب بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے اور محمد شکیل محکمہ تعلیم سے منسلک ہے اور وہاں پر خدمات انجام دے رہا ہے۔ جبکہ محمد ایوب خان کے باقی تین بیٹے زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکے اور وہ آج کل اپنی ہی زمینوں پر

زمیندارہ کر کے وقت گزار رہے ہیں۔

بدیع الزمان خان کا دوسرا بیٹا عبدالقیوم خان تھا۔عبدالقیوم خان کٹہ خٹ ہی میں اپنے آبائی گھر میں رہ گیا تھا۔اُس نے دو شادیاں کی تھیں۔پہلی بیوی سے ایک بیٹا محمد عالم جان اور دوسری بیوی سے بھی ایک بیٹا اسد خان پیدا ہوا تھا۔ان میں اسد خان بچپن ہی میں بوجہ علالت وفات پا گیا جبکہ محمد عالم جان خان تعلیم مکمل کرنے کے بعد پہلے اپنی زمینوں کی نگہداشت کر کے وقت گزارتا تھا اور پھر محکمہ تعلیم سے منسلک ہو کر وہاں پر خدمات انجام دینے لگا تھا۔محکمہ تعلیم سے اُس کی ریٹائرمنٹ کے بعد اُس کے دو بیٹے اسد خان اور فخر عالم محکمہ تعلیم سے منسلک ہو گئے ہیں اور وہ دونوں آج کل وہاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

بدیع الزمان کا تیسرا بیٹا عبدالستار خان تھا۔عبدالستار خان تعلیم سے بے بہرہ تھا اور صرف مال مویشی پالنے اور زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا تھا۔وہ بھی والد کی وفات کے کچھ عرصہ بعد کٹہ خٹ سے دو کلومیٹر جانب مغرب اپنے زمین میں منتقل ہو گیا تھا اور وہاں پر رہائش اختیار کی تھی۔عبدالستار خان کے دو بیٹے محمد صیاد خان اور محمد ریاض خان تھے۔جن میں محمد صیاد خان جوانی ہی میں خاندانی دشمنی کی بھینٹ چڑھ گیا تھا جبکہ محمد ریاض آج کل ہم میں موجود ہے۔محمد ریاض خان بھی تعلیم سے بے بہرہ ہے اور صرف مال مویشی پالتے ہیں اور اپنی زمینوں پر زمیندارہ کرتا ہے۔

بدیع الزمان کا چوتھا بیٹا مختیار خان تھا۔مختیار خان بھی تعلیم سے بے بہرہ تھا۔مختیار خان بھی والد کی وفات کے کچھ عرصہ بعد کٹہ خٹ سے چار کلومیٹر جانب مغرب اپنے زمینوں کو منتقل ہو گیا تھا۔مختیار خان کے دو بیٹے محمد اعظم خان اور محمد حیات تھے۔جن میں محمد حیات دشمنی کی بھینٹ چڑھ کر ہلاک ہو گیا ہے جبکہ محمد اعظم خان ہم میں موجود ہے۔محمد اعظم خان ایک شائستہ اور نفیس انسان ہے۔میٹرک تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد کامران شہید چوک دوبئ اڈہ میں اپنا کاروبار کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر رہا ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد بدیع الزمان خان

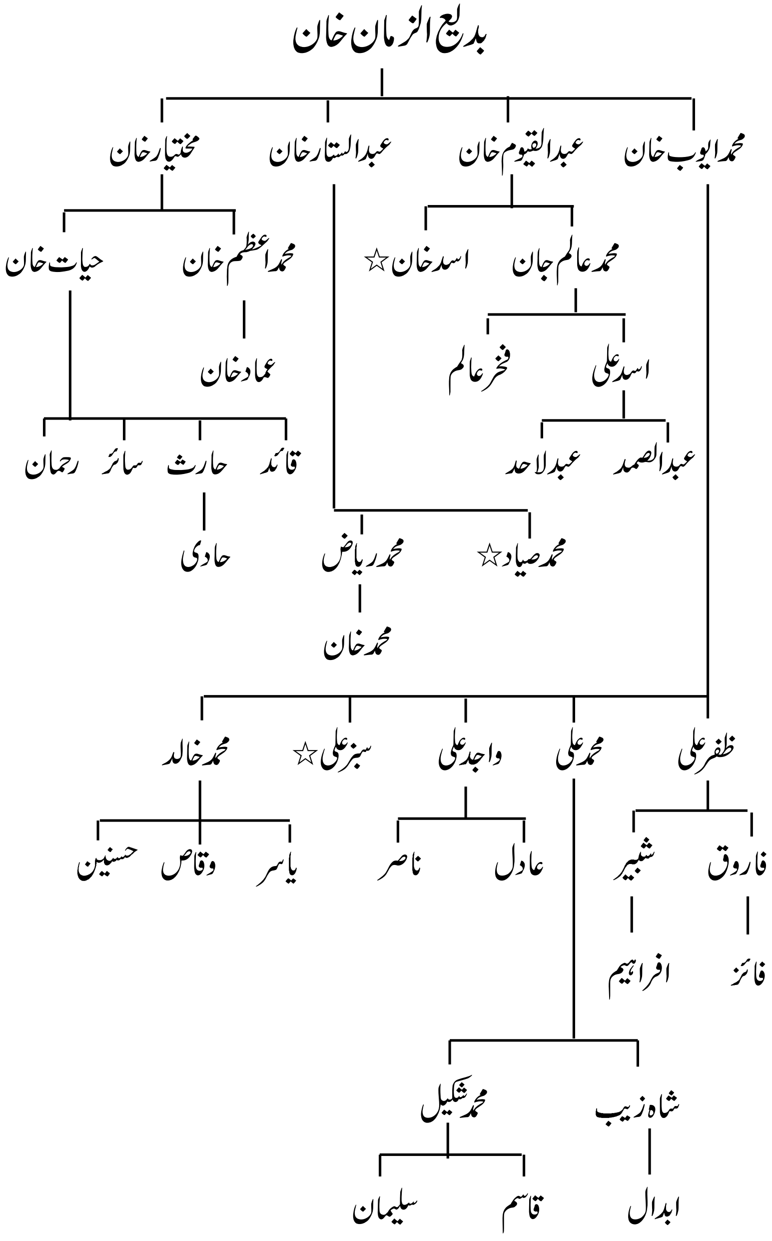

سعد خان اور اُس کی اولاد

سعد خان عمر خان کی تیسری بیوی کا دوسرا بیٹا تھا۔ بڑا ہی رعب اور دبدبے والا انسان تھا۔ بڑے شان سے زندگی گزارتا تھا۔ سعد خان اپنی زندگی میں کٹہ خٹ ہی میں مقیم رہا۔ سعد خان کا ایک ہی بیٹا عبدالغفور خان تھا۔ جو باپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد کٹہ خٹ سے چار کلومیٹر جانب مغرب اپنی زمینوں کو منتقل ہوا تھا اور وہاں پر مالہ ڈھیری کے نام سے ایک چھوٹی سی بستی کو بسایا تھا۔ عبدالغفور خان بھی اپنے والد کی طرح بڑے رعب اور دبدبے کا مالک تھا۔ ایک کٹر پختون کی ساری خوبیاں اُس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں ۔ بزرگوں کا بڑا قدردان تھا اور چھوٹوں کے ساتھ پیار سے پیش آتا تھا۔ عبدالغفور خان نے دو شادیاں کی ہوئی تھیں۔ پہلی بیوی سے اُس کے چار بیٹے محمد صابر خان، محمد صادق خان، محمد زاہد خان اور محمد شاہد خان تھے جبکہ دوسری بیوی سے اُس کا ایک بیٹا محمد ثاقب خان پیدا ہوا تھا۔

محمد صابر خان زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکا تھا اور زمینداری کے معاملات میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ محمد صادق خان تھوڑا بہت لکھ پڑھ چکا تھا لیکن نوکری کرنے کی بجائے اُس نے بھی زمینداری کو ترجیح دی تھی۔ اس کے علاوہ محمد زاہد خان اور محمد شاہد خان بھی زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکے اور گھر اور زمینداری کے معاملات میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاتے رہتے تھے۔ البتہ عبدالغفور خان کی دوسری بیوی کا واحد لڑکا محمد ثاقب خان میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا اور باپ کی زندگی میں زمینداری کی بجائے یوسف زئی پیپر ملز چارسدہ سے منسلک ہو گیا تھا اور وہاں پر خدمات انجام دے رہا تھا۔ والد کی وفات کے بعد واپس گاؤں آیا اور اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہو گیا۔

محمد صابر خان کے دو بیٹے استغفار علی اور ارشد علی ہیں ۔ دونوں بھائی محکمہ تعلیم سے منسلک ہیں اور وہیں پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ محمد صادق کا ایک بیٹا

شاہ فہد ہے جو کہ زراعت کی ترقی کے لیے قائم ایک پرائیویٹ کمپنی سے منسلک ہے اور وہاں پر خدمات انجام دے رہا ہے۔ جبکہ محمد ثاقب خان کا ایک بیٹا محمد آصف خان ہے جو کہ پاکستان ائیرفورس میں بطور ائیرمین بھرتی ہوا ہے اور وہاں پر خدمات انجام دے رہا ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد سعد خان

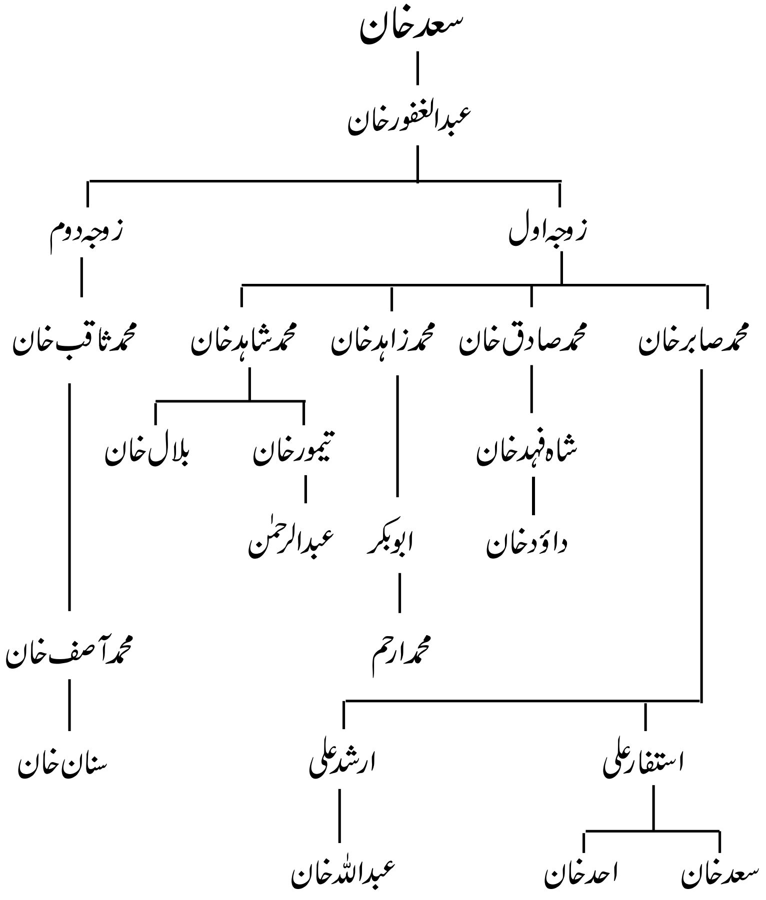

شاہی زمان خان اور اُس کی اولاد

شاہی زمان خان عمر خان کی دوسری بیوی کا دوسرا بیٹا تھا۔شاہی زمان خان ایک مخلص، دیانتدار اور محبت کرنے والا انسان تھا لیکن طبیعت کے لحاظ سے بڑا سخت تھا۔اس طرح وہ ایک کٹر پختون قسم کا آدمی تھا۔شاہی زمان پاکستان بننے سے پہلے اور پاکستان بننے کے بعد مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے سیاست کرتا تھا۔ایک مخلص اور بے لوث کارکن تھا۔مسلم لیگ کے تپہ سودھم کا صدر منتخب ہوا تھا۔اُس نے تحریک پاکستان میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا تھا۔مسلم لیگ کے لیے بہت سی مشقتیں اُٹھائی تھیں اور مالی قربانیاں دی تھی۔شاہی زمان خان نے تین شادیاں کی تھیں۔پہلی بیوی سے اُس کے دو بیٹے محمد سرور خان اور عبدالجبار خان تھے۔دوسری بیوی سے بھی اُس کے دو بیٹے مدثر خان اور محبّ خان تھے جبکہ تیسری بیوی سے اُس کا کوئی اولاد نہیں تھا۔

شاہی زمان کا بڑا بیٹا محمد سرور خان تھا۔محمد سرور خان بھی بڑا نیک اور مخلص شخص تھا۔اُس نے زیادہ تعلیم حاصل نہیں کیا تھا۔اور زمینوں کی نگہداشت میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاتا تھا۔محمد سرور خان کے دو بیٹے محمد انور خان اور محمد فیاض خان تھے۔محمد انور خان بڑا خوش اخلاق اور خدمتی آدمی تھا۔پاکستان واپڈا میں ڈرائیور کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا تھا۔محمد انور خان نے دو شادیاں کی تھیں۔پہلی بیوی سے اُس کے تین بیٹے جواد انور، سجاد انور اور شہزاد انور تھے جبکہ دوسری بیوی سے اُس کے دو بیٹے عباس خان اور کامران خان ہیں۔جبکہ محمد سرور خان کے دوسرے بیٹے محمد فیاض خان کے ہاں کوئی نارینہ اولاد نہیں تھا۔محمد انور خان اور محمد فیاض خان دونوں بھائی بہ یک وقت خاندانی رنجشوں کا شکار ہو کر گولی کا نشانہ بن گئے تھے اور اس دار فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ محمد انور خان کے دو بیٹے جواد انو اور شہزاد انور وفات پا چکے ہیں جبکہ سجاد انور بیرون ملک محنت مزدوری کر رہا ہے، عباس خان واپڈا اور کامران خان محکمہ جیل خانہ جات

میں خدمات انجام دے رہا ہے۔

شاہی زمان خان کا دوسرا بیٹا عبدالجبار خان تھا۔ اُس نے بھی کوئی خاص تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ عبدالجبار خان کے دو بیٹے محمد سلیم خان اور محمد نگار خان ہیں۔ جو آج کل ہم میں موجود ہیں۔ محمد سلیم خان بیٹیوں کی نوکری کی وجہ سے مردان میں رہائش پذیر ہے جبکہ محمد نگار خان پاکستان یوٹیلٹی کارپوریشن کے ساتھ منسلک ہے اور گاؤں میں رہائش پذیر ہے۔

شاہی زمان خان کا تیسرا بیٹا مدثر خان تھا۔ میٹرک تک تعلیم یافتہ تھا اور کٹہ خٹ کی بی ایچ یو (ہسپتال) میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ مدثر خان کے ہاں کوئی نارینہ اولاد نہیں تھا۔ بڑا ہی محنتی اور بے لوث کارکن تھا۔ ہمیشہ گاؤں کی مفاد کے لیے دوڑ دھوپ کرتا رہتا تھا اور اُس کے لیے بڑی مشقتیں اُٹھاتا تھا۔ اُس نے مقام خوڑ پر پل کی تعمیر میں مثالی کردار ادا کیا تھا اور اپنی دوڑ دھوپ اور بے لوث خدمات کی وجہ سے وہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر گیا تھا۔

شاہی زمان خان کا چوتھا بیٹا محبّ خان تھا۔ محبّ خان بھی بہت زیادہ دُور اندیش اور قابل اعتماد انسان تھا۔ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ لوگوں کے درمیان تنازعات کو حل کرنے میں دل و جان سے زور لگاتا تھا اور ہمیشہ کامیاب رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک سخت طبیعت کا بھی مالک تھا بہت زیادہ غصہ ناک تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کی ساری خوبیاں اُس کے غصیلے مزاج کے پیچھے چھپ گئی تھیں۔ محبّ خان کے تین بیٹے شہریار خان، محبوب خان اور جنید خان ہیں جو ہم میں موجود ہیں۔ شہریا خان اور محبوب خان تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہیں اور علم کی روشنی پھیلا رہے ہیں جبکہ جنید خان کئی سال تک بیرون ملک خدمات انجام دینے کے بعد آج کل گاؤں میں اپنا کاروبار کر رہا ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد شاہی زمان خان

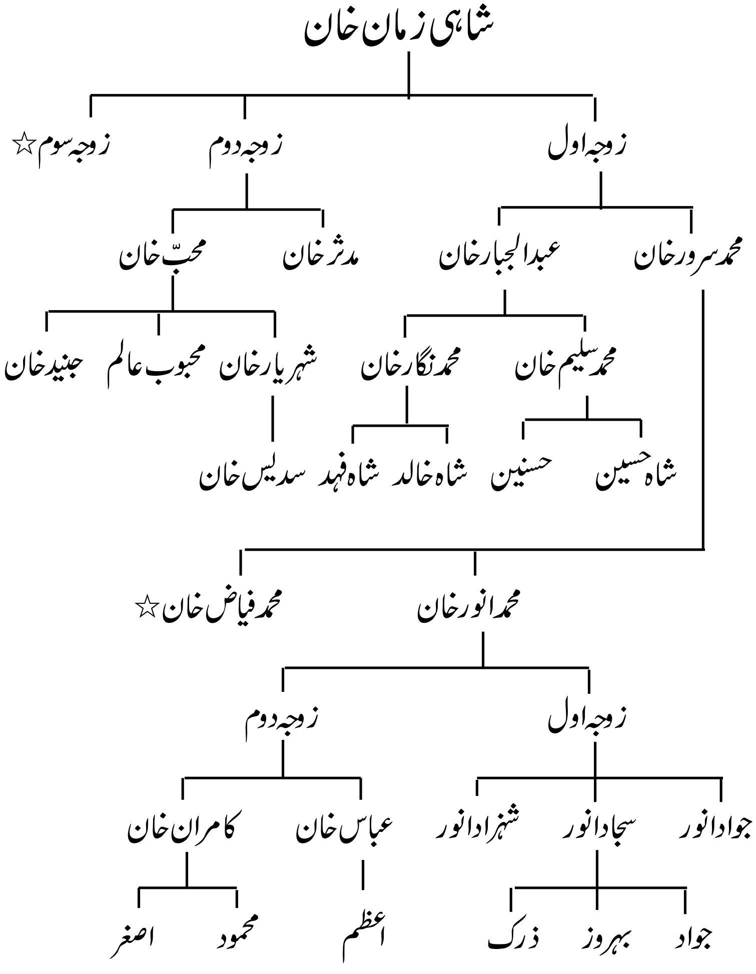

ہمایون خان اور اُس کی اولاد

ہمایون خان عمر خان کی تیسری بیوی کا چوتھا بیٹا تھا۔ بڑا ہی نیک خصلت اور دیندار شخص تھا۔ نہایت ہی خوش اخلاق اور ملنسار تھا۔ ہمایون خان نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے اُس کے چھ بیٹے محمد کشور خان ،شاہی روم خان، عبدالمناف خان ، مراد علی خان، عبدالرؤف خان اور اکبر علی خان تھے جبکہ دوسری بیوی سے اُس کا کوئی نارینہ اولاد نہیں تھا۔

ہمایون خان کے بڑا بیٹے کشور خان نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد پریمیر شوگر مل مردان میں بطور کین منیجر ملازمت اختیار کی تھی اور ریٹائرمنٹ تک وہیں پر خدمات انجام دیتا رہا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد گاؤں منتقل ہوا اور باقی وقت اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرتا رہا اور ساتھ ساتھ یونین کونسل کی سطح تک کے انتخابات میں حصہ بھی لیتا رہا۔ وہ ایک دفعہ یونین کونسل کٹہ خٹ کے انتخاب میں کونسلر بھی منتخب ہوا تھا۔ کشور خان کے دو بیٹے ہدایت اللہ خان اور کفایت اللہ خان ہیں۔ ان میں ہدایت اللہ خان تعلیم حاصل کرنے کے بعد سعودی عرب چلا گیا اور وہاں پر تقریباً بیس سال تک خدمات انجام دینے کے بعد واپس آ گیا۔ ہدایت اللہ خان کے دو بیٹے محمد عامر اور محمد حمزہ ہیں۔ محمد عامر تعلیم مکمل کرنے کے بعد بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے جبکہ محمد حمزہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد گاؤں میں اپنے والد کا ہاتھ بٹا رہا ہے۔ کشور خان کا دوسرا بیٹا کفایت اللہ خان واپڈا میں بطور لائن مین بھرتی ہوا تھا اور ریٹائرمنٹ تک وہاں خدمات انجام دیتا رہا۔ حال ہی میں دل کا جان لیوا دورہ پڑنے کی وجہ سے اس دار فانی سے کوچ کر گیا ہے۔ کفایت اللہ خان کے دو بیٹے محمد آصف اور محمد یاسین ہیں ۔ محمد آصف میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد پاکستان ائیر فورس میں بطور ائیر مین بھرتی ہو گیا ہے جبکہ محمد یاسین خان سروے آف پاکستان سے منسلک ہو چکا ہے۔

ہمایون خان کا دوسرا بیٹا شاہی روم خان تھا۔ شاہی روم خان زیادہ تر وقت زمینداری

کے کام میں مشغول رہتا تھا۔ پیر فقیروں کی صحبت میں جانے کا شوقین تھا اور انہی لوگوں کی صحبت کی وجہ سے بہت سے امراض کے دم کرنے کی اجازت نامے بھی حاصل کیے تھے۔ جس کے ذریعے لوگوں کو دم کرتا تھا۔ شاہی روم خان کے دو بیٹے فواد خان اور عسکر خان ہیں جو ہم میں موجود ہیں۔ فواد خان میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے جبکہ عسکر خان تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم سے منسلک ہو گیا ہے۔

ہمایون خان کا تیسرا بیٹا عبدالمناف خان تھا۔ عبدالمناف خان اپنا زیادہ تر وقت زمیندارہ کرنے اور چھوٹا موٹا کاروبار کرنے میں گزارتا تھا۔ عبدالمناف خان کے چار بیٹے محمد حامد خان، محمد حنیف خان، محمد اعجاز خان اور محمد لطیف خان ہیں جو ہم میں موجود ہیں۔ ان میں محمد حامد خان محکمہ وائلڈ لائف سے منسلک ہے، محمد حنیف خان زمینوں کی نگہداشت کا کام کر رہا ہے، محمد اعجاز خان ملیشیا میں رہائش پذیر ہے اور وہاں کی شہریت حاصل کی ہوئی ہے۔ جبکہ محمد لطیف خان محکمہ سپیشل چائلڈ میں خدمات انجام دے رہا ہے۔

ہمایون خان کا چوتھا بیٹا مراد علی خان تھا۔ مراد علی خان میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد گاؤں میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاتا تھا اور زمین کی نگرانی میں مصروف نظر آتا تھا۔ مراد علی خان کے تین بیٹے محمد آیاز خان، محمد عارف خان اور عبدالولی خان ہیں جو ہم میں موجود ہیں۔ ان میں محمد آیاز خان محکمہ برقیات میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ محمد عارف خان محکمہ صحت سے منسلک ہے اور بی ایچ یو کٹہ خٹ میں ڈیوٹی انجام دے رہا ہے۔ جبکہ عبدالولی خان چھوٹے موٹے کاروبار کے ساتھ یونین کونسل کی سطح تک سیاست میں حصہ بھی لے رہا ہے اور ایک دفعہ کٹہ خٹ یونین کونسل کے لیے کسان کونسلر بھی منتخب ہوا تھا۔

ہمایون خان کا پانچواں بیٹا عبدالرؤف خان تھا۔ عبدالرؤف خان بڑا ہی نیک اور دیندار قسم کا آدمی تھا۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ بلدیات میں یونین کونسل سیکرٹری کی ملازمت اختیار کی تھی اور بڑی خلوص اور دیانتداری کے ساتھ اپنی ڈیوٹی انجام دینے

کے بعد جب ریٹائرڈ ہو گیا تو پھر گاؤں میں چھوٹا موٹا کاروبار کرنے لگا۔عبدالرؤف خان کے چھ بیٹے ذولفقار علی، حیدر علی، حسن علی، عاکہف خان، عرفان خان اور باسط خان ہیں جو آج کل ہم میں موجود ہیں۔ان میں ذولفقار علی خان بیرون ملک خدمات انجام دینے کے بعد وطن واپس آیا ہوا ہے جبکہ عرفان خان اور عاکہف خان اب بھی بیرون ملک خدمات انجام دے رہے ہیں۔عبدالرؤف خان کے باقی بیٹے چھوٹا موٹا کاروبار کر کے وقت گزار رہے ہیں۔

ہمایون خان کا چھٹا بیٹا اکبر علی خان تھا۔اکبر علی خان نے میٹرک تک تعلیم حاصل کیا تھا اُس کے بعد وہ اپنی زمین کی نگہداشت کے ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار کر کے وقت گزارنے لگا تھا۔اکبر علی خان کے دل میں اپنی قوم اور اپنے قبیلے کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو یکجا کرنے اور ان اتفاق واتحاد پیدا کرنے کے لیے کوشاں رہتا تھا۔اپنی کوششوں سے کئی دوسرے نوجوان ساتھیوں کو ساتھ ملا کر اپنے پردادا میر بابو کے نام سے ایک ٹرسٹ بھی بنایا تھا، تا کہ کم از کم سودھم کی سطح تک تمام یوسف زئی جو میر بابو کی اولاد ہیں کو یکجا کیا جائے۔

اکبر علی خان کے تین بیٹے عالمگیر خان، امیرالملک خان اور عباس خان ہیں۔ جو ہم میں موجود ہیں۔ تینوں بھائی اپنے زمینوں کی نگرانی کے ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی کر رہے ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد ہمایون خان

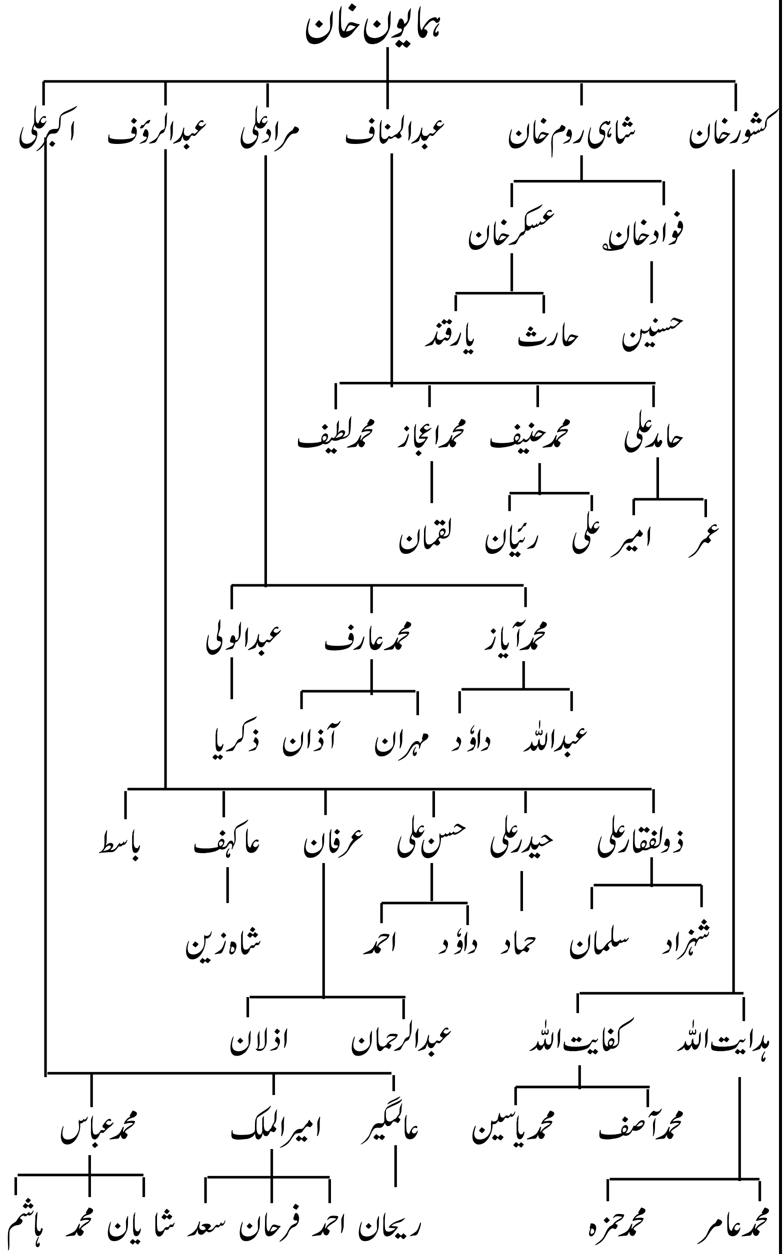

دُرانے خان اور اُس کی اولاد

درانے خان ولد یار محمد خان باریکاب کا رہنے والا تھا اور میر بابو کے بیٹے حبیب خان کا نواسا تھا۔ درانے خان ایک عیاش قسم کا انسان واقع ہوا تھا۔ اور اُس نے اپنی ساری جائیداد اپنی عیاشیوں کی نظر کر دی تھی۔ جب اُس نے اپنی جائیداد ختم کر دی تو وہ باریکاب سے کٹہ خٹ جہاں اُس کے مکرم خان کی اولاد سے رشتہ داری تھی منتقل ہو گیا تھا اور مکرم خان کے بیٹے محمد یعقوب خان کے ہاں رہنے لگا تھا اور یہیں پر وفات ہو کر مقبرہ کٹہ خٹ میں اُس کی تدفین کر دی گئی تھی۔

درانے خان کے چار بیٹے محمد سرور خان، شاد علی خان، سعد اللہ خان اور زرنوش خان تھے۔ جن میں سے سعد اللہ خان اور زرنوش خان والد کی زندگی میں موضع باریکاب ہی میں وفات پا چکے تھے۔ جبکہ محمد سرور خان اور شاد علی خان برٹش آرمی میں بھرتی ہوئے تھے۔ جن میں شاد علی خان جنگ عظیم دوم میں برطانیہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا تھا جبکہ محمد سرور خان جرمنی میں قید ہوا تھا اور پھر قید سے فرار ہو کر جرمنی ہی میں کسی کے ہاں پناہ لیا ہوا تھا۔ اس طرح وہ آٹھ سال تک جرمنی میں جلا وطنی کی زندگی گزارنے کے بعد واپس وطن آیا اور نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کر دیا۔ اُس کی ماں اُس کی غیر موجودگی میں اُس کی زندگی سے مایوس ہو چکی تھی اور اپنے رشتہ داروں کے ہاں زندگی بسر کر رہی تھی۔ محمد سرور خان کے زندہ واپس آنے پر اُس کو نئی زندگی مل گئی اور وہ خوشی خوشی اپنے بیٹے کے ساتھ رہنے لگی۔

محمد سرور خان ایک باہمت انسان تھا۔ سب کچھ لٹنے کے بعد اُس نے اپنی نئی زندگی کا آغاز بڑے باہمت طریقے سے کیا۔ چھوٹا موٹا تجارت کر کے اور دوسروں کے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتے پڑھاتے اپنی زندگی کے دن بسر کرنے لگا۔ محمد سرور خان کے تین بیٹے محمد نواز خان، محمد عارف خان اور محمد حامد خان ہیں جو بقید حیات ہیں۔ محمد سرور خان نے تینوں کو تعلیم کے زیور

سے آراستہ کیا اور تینوں مختلف شعبوں میں خدمات انجام دینے لگے ہیں۔

محمد سرور خان کا بڑا بیٹا محمد نواز خان ہے۔ جس نے میٹرک تک تعلیم حاصل کیا اور پھر محکمہ ریوینو میں بطور پٹواری بھرتی ہوا تھا اور تحصیلدار کے عہدتک ترقی کر کے ریٹائرڈ ہوا۔ بہت ہی نفیس انسان ہے اور ہر ایک سے پیار و محبت سے ملتا ہے۔ محمد نواز خان اپنے نوکری اور بچوں کی تعلیم کے سبب کٹہ خٹ سے مردان منتقل ہو گیا ہے اور وہیں پر مستقل سکونت اختیار کر چکا ہے۔ محمد نواز خان کے چار بیٹے محمد خلیق خان، اختشام خان، انضمام خان اور محمد حارث خان ہیں۔ اُس نے بھی اپنے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا اور وہ بھی مختلف شعبوں سے منسلک ہو کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

محمد نواز خان کا بڑا بیٹا محمد خلیق خان ہے جس نے چارٹر اکاونٹنٹ کی ڈگری (ACCA) حاصل کی اور اب مختلف فرموں کے ساتھ منسلک ہے اور ساتھ ساتھ اپنا کاروبار بھی کر رہا ہے۔ محمد نواز خان کے دوسرے دو بیٹے اختشام خان اور انضمام خان فرنیچر کے کاروبار سے منسلک ہوگئے ہیں اور راولپنڈی میں اپنا کاروبار کر رہے ہیں۔ جبکہ محمد نواز کا چوتھا بیٹا محمد حارث خان وکالت کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس شعبے میں خدمات انجام دے رہا ہے۔

محمد سرور خان کا دوسرا بیٹا محمد عارف خان ہے جو تعلیم مکمل کرنے کے بعد محکمہ برقیات میں بطور سپرنٹنڈنٹ بھرتی ہوا تھا اور سب ڈویژن آفیسر (SDO) کے عہدے تک ترقی کرتا ہوا ریٹائرڈ ہو گیا ہے۔ محمد عارف خان بھی کٹہ خٹ سے مردان منتقل ہو گیا۔ محمد عارف خان کے دو بیٹے محمد کمال خان اور محمد جمال خان ہیں جو کہ ابھی زیر تعلیم ہیں۔

محمد سرور خان کا تیسرا بیٹا محمد حامد خان ہے۔ جس کا کوئی نارینہ اولاد نہیں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد پہلے بیرون ملک خدمات انجام دیتا رہا۔ لیکن اب واپس آکر راولپنڈی میں فرنیچر کا کاروبار کر رہا ہے اور وہیں پر رہائش پذیر ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد دُرانے خان

یار محمد خان

- وزیر خان (باریکاب)
  - محمد اسد
    - قادر خان
    - اکبر خان
  - محمد آصف
    - حارث
    - خذیفہ
    - عبیداللہ
  - محمد انعام
    - وقاص
    - یحییٰ
- گوجر خان ☆
- درانے خان
  - سعداللہ خان ☆
  - محمد سرور خان
    - محمد نواز خان
      - محمد خلیق
        - محمد مصطفیٰ
      - اختشام خان
      - انضمام خان
      - محمد حارث
    - محمد عارف خان
      - محمد کمال خان
      - محمد جمال خان
    - محمد حامد خان ☆
  - شاد علی خان ☆
  - زرنوش خان ☆
- عبدالقادر خان ☆

مبین خیل خاندان

مبین خان ولد خوشحاب خان آمان زئی کی اولاد جو مبین خیل سے موسوم ہیں۔ ضلع مردان کے مواضعات پلوڈھیری، نواں کلی اور چار گلی میں مالکانہ حیثیت سے رہائش پذیر ہیں۔ انہی مبین خیل خاندان کا ایک خانوادہ سرفراز خان ولد مقرب خان جو پلوڈھیری کا رہائشی تھا اپنے وقت میں برٹش آرمی میں بھرتی ہوا تھا اور اپنی قابلیت اور کارکردگی کی بدولت ترقی کرتا ہوا صوبیدار میجر کے عہدے تک پہنچ گیا تھا۔ آرمی سے ریٹائرمنٹ کے بعد اُس نے کٹہ خٹ کے خراسان خان سے کٹہ خٹ کی جائیداد میں ایک سو بیس جریب زرعی اراضی خریدی اور پلوڈھیری سے کٹہ خٹ میں اپنی جائیداد کو منتقل ہو گیا۔ یہاں پر اُس نے اپنے لیے اور اپنے مزارعین کے لیے مکانات بنوائے وراس طرح ایک چھوٹا سا بانڈہ بسالیا۔ بعد میں یہ بانڈہ اُس کے بیٹے گل محمد خان کے نام کی نسبت سے ''گل آباد'' سے موسوم ہو گیا۔

سرفراز خان کے چار بیٹے ملک آمان خان، خانی زمان خان، محمد اکرم خان اور گل محمد خان تھے۔ چاروں بیٹوں کو اس نے پنی زندگی میں اچھی تعلیم سے آراستہ کیا۔ اور معاشرے میں عزت سے رہنے کا ڈھنگ سکھایا۔

سرفراز خان کا بڑا بیٹا ملک آمان خان تھا جس نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی زمینوں کی دیکھ بھال شروع کی، لیکن اس سے زندگی نے وفا نہ کیا اور جلد ہی اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کا ایک بیٹا محبوب الٰہی تھا جو کہ بڑا ہی نیک سیرت انسان تھا۔ اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ اس نے دین کی اشاعت کے لیے وقف کر رکھا تھا اور دین کی تبلیغ کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا تھا۔ اُس کے دو بیٹے محمد بلال اور محمد ھلال ہیں جو کہ بقید حیات ہیں۔ محمد بلال زمینداری کے ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرتا ہے جبکہ محمد ھلال دینی علوم میں سند یافتہ ہے اور ایک دینی مدرسے میں طالب علموں کو پڑھا رہا ہے۔

سرفراز خان کا دوسرا بیٹا خانی زمان خان تھا جو کہ اپنی سخت گیر طبیعت کی وجہ سے مشہور تھا۔ والد کی وفات کے بعد اپنے حصے کی زمینوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اُس کے تین بیٹے بھادر شیر خان، لیاقت زمان اور محمد علی خان تھے۔ جن میں بھادر شیر خان کھوٹہ ریسرچ لیبارٹیری راولپنڈی میں بطور ڈرائیور خدمات انجام دے کر ریٹائرڈ ہو چکا ہے۔ بھادر شیر خان کے دو بیٹے ظفرین احمد اور شاہ زیب ہیں جو کہ بقید حیات ہیں۔ بھادر شیر خان ملازمت کی وجہ سے گاؤں سے راولپنڈی منتقل ہو چکا ہے۔ اس کا بڑا بیٹا کھوٹہ ریسرچ لیبارٹیری میں بطور ٹیکنیشن خدمات انجام دے رہا ہے جبکہ دوسرا بیٹا بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے۔

خانی زمان خان کا دوسرا بیٹا لیاقت زمان گاؤں میں اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا اور کئی سال پہلے بقضائے الٰہی وفات پا چکا ہے۔ لیاقت زمان کے دو بیٹے محمد آصف اور محمد کاشف ہیں جو کہ بقید حیات ہیں۔ ان میں محمد آصف لاہور ڈیولپمنٹ آتھارٹی میں خدمات انجام دے رہا ہے جبکہ محمد کاشف گاؤں میں اپنا چھوٹا موٹا کاروبار کر رہا ہے۔

خانی زمان خان کا تیسرا بیٹا محمد علی خان ہے جو کہ کھوٹہ ریسرچ لیبارٹری میں بطور ٹیکنیشن خدمات انجام دے کر ریٹائرڈ ہو چکا ہے اور آج کل اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہے۔ محمد علی خان کے چار بیٹے محمد حارث، محمد خضر، محمد عادل اور سرفراز خان ہیں۔ چاروں بیٹے ابھی زیر تعلیم ہیں۔

سرفراز خان کا تیسرا بیٹا محمد اکرم خان تھا۔ جو پاک آرمی میں کمیشنڈ آفیسر کے طور پر بھرتی ہوا تھا اور کرنل کے عہدے پر جا کر ریٹائرڈ ہو گیا تھا۔ وہ 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں مشرقی پاکستان کے محاذ پر کارہائے نمایاں انجام دے چکا تھا۔ بڑا ہی نڈر آفیسر تھا اور ہر معرکہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ مشرقی پاکستان کا بھارت کے قبضے میں چلے جانے کے بعد وہ پاک آرمی کے دوسرے افسروں اور جوانوں کی طرح دو سال تک ہندوستان کی قید میں رہا۔ قید سے رہائی کے بعد پاک آرمی سے ریٹائرڈ ہو گیا اور گاؤں آ کر اپنے زمینوں کی دیکھ بھال

کے ساتھ ساتھ لوگوں کی خدمت بھی کرتا تھا۔ساتھ ساتھ وہ سیاست میں بھی حصہ لیتا رہتا تھا۔ وہ یونین کونسل ،ڈسٹرکٹ کونسل اورقومی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لے چکا تھا لیکن ان سب قربانیوں اورخدمات کے باوجود اُس کو کسی بھی الیکشن میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی ۔ بڑا ہی ہنس مک انسان تھا اور دوست دشمن سب کے ساتھ بڑی ملنساری سے ملتا تھا۔محمد اکرم خان کے دو بیٹے محمد وقار خان اور محمد ہارون خان ہیں جو کہ بقید حیات ہیں ۔ان میں محمد وقار خان نے ایئر ٹریول ایجنسی کھول رکھی ہے اوراس کاروبار میں وقت گزار رہا ہے۔محمد وقار خان کے تین بیٹے احمد، فہداور شاکر ہیں ۔ان میں احمد ایئر ٹریول ایجنسی میں اپنے والد کی طرح کام کر رہا ہے جبکہ باقی دونوں ابھی زیر تعلیم ہیں۔

محمد اکرم خان کا دوسرا بیٹا محمد ہارون خان ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنا چھوٹا موٹا کاروبار کرتا تھا لیکن بُری صحبت کا شکار ہو گیا اور سارے کاروبار کو ختم کیا اور ساتھ ساتھ ساری جائیداد کو بھی فروخت کر کے عیاشیوں کی نظر کر گیا اور آج کل در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔محمد ہارون خان کا ایک بیٹا مبین خان ہے جو کہ اپنی ماں کے ساتھ پشاور میں رہائش پذیر ہے اور تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

سرفراز خان کا چوتھا بیٹا گل محمد خان تھا جو کہ بہت ہی منفرد شخصیت کا مالک تھا۔فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا اور لوگوں کے درمیان تنازعات کے حل کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا تھا۔وہ جوانی ہی میں سرطان کے موذی مرض کا شکار ہو کر اس دارفانی سے کوچ کر گیا ہے۔گل محمد خان کے چار بیٹے ولی محمد خان، فاروق خان، طارق خان اور خالد خان ہیں جو کہ بقید حیات ہیں ۔ان میں ولی محمد ایک دہائی تک بیرون ملک خدمات انجام دے کر واپس آیا ہے اور آج کل اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہے۔

گل محمد خان کا دوسرا بیٹا فاروق خان ہے جو بڑے شوق سے زمینداری کے کام کی نگرانی کر رہا ہے۔ وہ مختلف قسم کے فصلوں اور سبزیوں کے تجربے کرنے میں اپنا ثانی نہیں

رکھتا۔ وہ زمینداری کو ایک منافع بخش کاروبار بنانے کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہے اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے بڑی تندہی سے کام کر رہا ہے۔ فاروق خان کے تین بیٹے اشتیاق خان، ارشد خان اور عباس خان ہیں۔ ان میں اشتیاق خان نے ایئر ٹریول ایجنسی کھول رکھی ہے اور ساتھ ساتھ بلدیاتی الیکشن میں حصہ بھی لیتا رہتا ہے اور اب تک دو بار ویلیج کونسل کٹہ خٹ کا ممبر (کونسلر) منتخب ہو گیا ہے۔ ارشد خان بیرون ملک خدمات انجام دے کر واپس آ گیا ہے جبکہ عباس خان تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد کا ہاتھ بٹا رہا ہے۔

گل محمد خان کا تیسرا بیٹا طارق خان ہے جو کہ کمپیوٹر کے شعبے میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملازمت کے سلسلے میں اسٹریلیا چلا گیا تھا۔ وہاں کی شہریت بھی حاصل کی اور ایک دہائی تک وہاں پر کمپیوٹر کے شعبے میں خدمات انجام دینے کے بعد واپس پاکستان آیا ہے اور آجکل بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں اسلام آباد میں مقیم ہے۔ طارق خان کے تین بیٹے فیضان، شایان اور مصطفیٰ ہیں جو کہ ابھی زیر تعلیم ہیں۔

گل محمد خان کا چوتھا بیٹا خالد خان ہے جو کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کہوٹہ ریسرچ لیبارٹری سے منسلک ہو گیا تھا اور آج تک وہی پر خدمات انجام دے رہا ہے۔ خالد خان اپنی نوکری کی وجہ سے کہوٹہ (راولپنڈی) منتقل ہو چکا ہے اور اپنے بال بچوں کے ساتھ وہیں پر رہائش پذیر ہے۔ خالد خان کے تین بیٹے محمد حمزہ، محمد حماد اور محمد حاشر ہیں تینوں ابھی زیر تعلیم ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد سرفراز خان مبین خیل

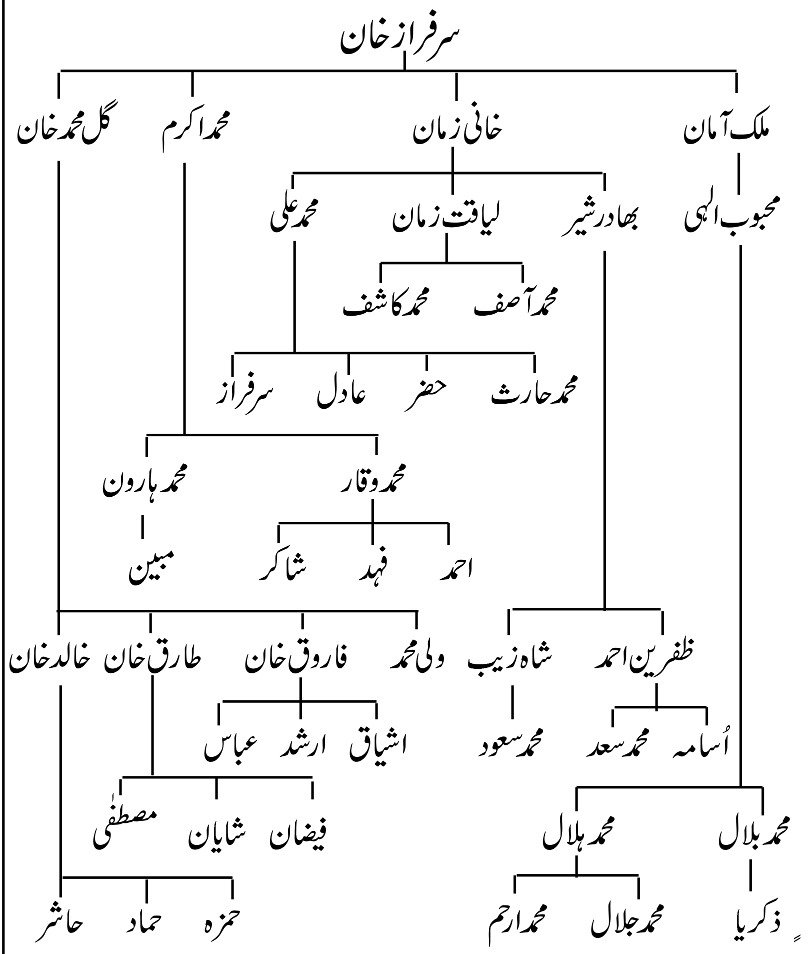

خیر دین خیل

موضع کٹہ خٹ میں آمان زئیوں کے علاوہ یوسف زئیوں کا ایک اور خاندان بھی آباد ہے۔ جو اپنے آپ کو خیر دین خیل کہتے ہیں۔ عرف عام میں اس خاندان کو گڑھی وال پٹھان کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ خاندان بنیادی طور پر موضع گڑھی کپورہ میں رہائش پذیر تھا۔ لیکن ان کے آبا و اجداد میں سے ایک شخص حبیب اللہ خان ولد سیف اللہ خان کا موجودہ آمان زئیوں کے پردادا جناب افضل خان سے تعلق ہونے کی بناء پر وہ موضع گڑھی کپورہ سے موضع کٹہ خٹ منتقل ہوا تھا۔ افضل خان نے اُس کو اپنی حفاظتی دستے کا سربراہ بنایا تھا۔ بڑا ہی وفادار شخص تھا۔ سفر اور خضر ہر مقام پر افضل خان کے ساتھ ہوتا تھا اور ہر قسم کی دشمنوں سے اُس کی حفاظت کی ذمہ داری بڑے احسن طریقے سے نبھاتا تھا۔ اُس کے بعد اُس کی اولاد بھی یہاں پر رہائش پذیر ہوگئی اور بڑھتے بڑھتے ایک بڑے خاندان کی شکل اختیار کرگئی ہے۔ یہ لوگ مختلف شعبوں میں یہاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہاں پر انہوں نے اپنے لیے پلاٹ خریدے ہیں، گھر بنائے ہیں اور یہاں کے یوسف زئیوں کے ساتھ دوستی ہونے کی وجہ سے اُن کے دکھ درد میں باقاعدگی کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اگر چہ یہ خاندان موضع کٹہ خٹ میں صاحب جائیداد نہیں ہے لیکن بڑے ہی وفادار لوگ ہیں اور ان پر ہر طرح کا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ موضع کٹہ خٹ کی ترقی میں امان زئیوں کے دوش بدوش اپنا کردار بھی ادا کرتے رہتے ہیں۔

حبیب اللہ خان کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی سے اُس ایک بیٹا حمز اللہ خان اور ایک بیٹی تھی جبکہ دوسری بیوی سے تین بیٹے عظیم اللہ، خنیم اللہ اور امیر اللہ تھے۔ چاروں بیٹے اپنے والد کی طرح بڑے نیک اور ایماندار تھے۔ چاروں اپنے وقت میں امان زئی خاندان کے ساتھ وفاداری کے ساتھ وقت گزارتے رہے اور اُن کی ہر حکم کو بلا چوں و چرا مانتے رہتے تھے اور اس طرح موضع کٹہ خٹ میں ایک خوشگوار زندگی گزارنے کے بعد راہی عدم ہوگئے۔

حبیب اللہ خان کی پہلی بیوی سے ایک بیٹا حمز اللہ خان اور ایک بیٹی تھی۔ حمز اللہ خان ایک خودار انسان تھا اور اس میں خوداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اتفاق سے حمز اللہ خان کا اامان زئی خاندان کے ایک نوجوان سے کسی بات پر تکرار ہوگئی اور بات بڑھتے بڑھتے لڑائی جھگڑے تک پہنچ گئی۔ حمز اللہ خان کے باپ حبیب اللہ خان کا چونکہ آمان زئی خاندان سے دوستی اور اعتماد کا رشتہ تھا اس لیے اُس نے معاملے کو رفع دفع کرنے کی خاطر اپنے بیٹے کو مذکورہ نوجوان سے صلح کرنے اور معافی مانگنے کا حکم دیا لیکن حمز اللہ خان کی خوداری نے یہ گوارہ نہ کیا اور اُس نے ا پنے باپ کے اس حکم کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر طیش میں آ کر حبیب اللہ خان نے اپنے بیٹے حمز اللہ خان کو عاق کر دیا۔ باپ کی طرف سے عاق ہونے کے بعد حمز اللہ خان نے کٹہ خٹ کی رہائش ترک کی اور واپس گڑھی کپورہ چلا گیا۔

اس دوران حبیب اللہ خان نے اپنی بیٹی (حمز اللہ خان کی بڑی بہن) کی شادی کٹہ خٹ کے امان زئی خاندان کے سربراہ اور اپنے دوست افضل خان کے بھتیجے جعفر خان ولد نسیم خان کے ساتھ کر دی جس کی وجہ سے اُن میں ایک دوسرے پر عتماد مزید بڑھ گیا اور حبیب اللہ خان کی قدر افضل خان کے ہاں مزید بڑھ گئی۔ افضل خان کا بھتیجا اور حبیب اللہ خان کا داماد جعفر خان ولد نسیم خان بھی ایک اعلیٰ درجے کا ملن سار انسان تھا ہر ایک کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آتا تھا۔ وہ موضع کوترپان میں مالکانہ حیثیت سے آباد تھا اور تقریباً تین سو ایکڑ زمین کا مالک تھا۔ جعفر خان کا ایک ہی بیٹا میر زمان تھا۔ اس کے علاوہ جعفر خان کا ایک بھائی شامدار بھی تھا۔ شاہ مدار بھی موضع کوترپان میں تین سو ایکڑ زمین کا مالک تھا۔ دونوں بھائی موضع کوترپان میں بڑے پیار و محبت اور اتفاق واتحاد سے رہتے تھے اور خوشی اور مصیبت کے ہر موقع ایک دوسرے کا بھرپور ساتھ دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں اُن کی بڑی قدر ومنزلت تھی۔ اُن کی یہ حیثیت اُن کے دوسرے عزیز و اقارب کو ایک آنکھ بھی نہیں بھاتی تھی لیکن وہ تمام ان دونوں بھائیوں کی ایک دوسرے کے ساتھ پیار و محبت اور اتفاق واتحاد کے

سامنے بے بس تھے۔

پھر زمانے نے کروٹ بدلی جعفر خان کا انتقال ہو گیا۔جس کی وجہ سے دونوں بھائیوں کی پیار و محبت والی جوڑی ٹوٹ گئی اور اغیار کو اُن کے درمیان رخنہ ڈالنے کا موقع ملا۔ اُن کے عزیز و اقارب اب برابر شاہ مدار اور اُس کے بھتیجے میر زمان ولد جعفر خان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرتے رہے اور رخنہ ڈالتے رہے۔

شاہ مدار تو اپنی طرف سے لوگوں کی باتوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتا تھا لیکن چونکہ میر زمان نوجوان تھا اس لیے وہ جلدی لوگوں کی باتوں میں آ گیا۔جس کی وجہ دونوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں اور بات بڑھتے بڑھتے دشمنی کی حد تک چلی گئی اور دونوں ایک دوسرے کے درپے آزار ہو گئے۔ان کشیدہ حالات کی وجہ سے ایک دن شاہ مدار نے اپنے بھتیجے میر زمان کو قتل کر دیا۔اُس وقت ہندوستان پر انگریزوں کی حکمرانی تھی۔شاہ مدار کو گرفتار کیا گیا۔اُس کے خلاف کیس چلا۔جس کے نتیجے میں شاہ مدار کو سزائے موت ہوگئی اور اُس کی ساری جائیداد بحق سرکار ضبط ہوگئی۔شاہ مدار کا ایک ہی چھوٹا بیٹا شیرین خان تھا۔شیرین خان کی ماں اپنے بیٹے کو لیکر اپنے میکے دوبیان (ضلع صوابی) چلی گئی۔جہاں پر اُس نے شیرین خان کو پال پوس کر بڑا کر دیا۔

دوسری طرف میر زمان کی والدہ جو حمز اللہ خان کی بڑی بہن تھی اکیلی رہ گئی۔جس کی وجہ سے حمز اللہ خان نے اپنی گڑھی کپورہ کی رہائش ترک کی اور کوتر پان آ کر اپنی بہن کے ساتھ رہنے لگا اور اُس کی جائیداد کی نگرانی کرنے لگا۔کئی سال تک کوتر پان میں رہنے اور جائیداد کی نگرانی کرنے کے بعد جب اُس کی بہن انتقال کر گئی تو اُس وقت کوتر پان میں آمان زئی خان شیر بھادر خان کا طوطی بول رہا تھا۔وہ بڑے رعب اور دبدبے سے کوتر پان میں خانی کر رہا تھا۔ اُس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں تھی۔شیر بھادر خان جو اس سے پہلے شاہ مدار کی تمام جائیداد جو بحق سرکار ضبط ہوگئی تھی، کو معمولی معاوضہ کے بدلے اپنے نام کر چکے تھے، کی

للچائی نظریں میر زمان کی جائیداد پر لگی ہوئیں تھی اور وہ اس جائیداد کو ہتھیانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھا۔ جونہی حمزاللہ خان کی بہن (والدہ میر زمان) کا انتقال ہوا، تو اُس نے اُن کی ساری جائیداد پر بزور شمشیر قبضہ کرلیا اور حمزاللہ خان کو کوتر پان سے دربدر کر دیا۔ حمزاللہ خان بہ حالت مجبوری کوتر پان سے کٹہ خٹ آ گیا۔ یہاں پر شیر بھادر خان کے دوسرے بھائیوں نے اُس پر ترس کھا کر اُس کو رہنے کے لیے مکان دیا اور زمینداری کے لیے کچھ زمین بھی عنایت کی۔

حمزاللہ خان کچھ عرصہ کٹہ خٹ میں کسمپرسی کی زندگی گزارنے کے بعد وفات پا گیا اور یہیں پر اُس کی تدفین کر دی گئی۔ حمزاللہ خان کا ایک ہی بیٹا شیر زادہ خان تھا۔ شیر زادہ خان بڑا نیک اور پارسا شخص تھا۔ سب لوگوں سے بنا کے رکھتا تھا اور ہر ایک کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ کٹہ خٹ کے لوگ بھی اُس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ جب سال 1982ء میں حکومت کی طرف ناظمین صلوٰۃ مقرر کرنے کا عمل شروع ہوا تو کٹہ خٹ کے تمام لوگوں نے متفقہ طور پر شیر زادہ خان کو کٹہ خٹ کے لیے ناظم صلوٰۃ منتخب کر لیا اور وہ مرتے دم تک اس خدمت کو خوش اسلوبی سے انجام دیتا رہا

شیر زادہ خان کا ایک ہی بیٹا شیر اکبر خان تھا جو تعلیم مکمل کرنے کے واپڈا میں بطور لائن میں بھرتی ہو گیا تھا اور مرتے دم تک وہی پر خدمات انجام دیتا رہا۔ شیر اکبر خان کے تین بیٹے سعید اللہ، شفیع اللہ اور رفیق اللہ ہیں جو کہ ہم میں موجود ہیں۔ تینوں بڑے ملن سار اور محنتی انسان ہیں۔ تینوں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کیا ہے اور اس کے بعد اسلام آباد واپڈا میں بطور لائن مین بھرتی ہوئے ہیں اور تینوں وہیں پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ تینوں موضع کٹہ خٹ سے نوکری کی وجہ سے اسلام آباد منتقل ہو گئے ہیں اور وہیں رہائش پذیر ہیں۔

حبیب اللہ خان کی دوسری بیوی کے تین بیٹے عظیم اللہ، خنیم اللہ اور امیر اللہ تھے۔ جن میں عظیم اللہ خان کے دو بیٹے معز اللہ اور جابر اللہ تھے۔ دونوں نے محنت مزدوری سے اپنے لیے گھر بنائے اور زمینداری لیے کچھ زمین بھی خریدی جس میں وہ اپنا گزر اوقات بھی کرتے رہے۔

معزاللہ خان کے پانچ بیٹے احسان اللہ، امین اللہ، ہدایت اللہ، عمران اللہ اورفہیم اللہ ہیں جو بقید حیات ہیں۔ان میں احسان اللہ، عمران اللہ اورفہیم اللہ اپنا چھوٹا موٹا کاروبار کرتے ہیں جبکہ آمین اللہ واپڈا میں اور ہدایت اللہ پاک آرمی میں خدمات انجام دیتے ہوئے ابھی ریٹائرڈ ہو گئے ہیں عظیم اللہ کے دوسرے بیٹے جابراللہ کے تین بیٹے فرمان اللہ، رحمان اللہ اور صابر علی ہیں ۔جن میں فرمان اللہ اور رحمان اللہ پاک آرمی میں خدمات انجام دے کر ریٹائرڈ ہو چکے ہیں جبکہ صابر علی بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے۔

حبیب اللہ خان کا دوسرا بیٹا خنیم اللہ تھا جس کے پانچ بیٹے شیر محمد، عبدالقادر، غلام حیدر، محمد اللہ اور وحید اللہ تھے۔ان میں شیر محمد کچھ مدت تک موضع کٹھ خٹ میں زمینداری کرتا رہا اس کے بعد اپنے بھائیوں سے اختلافات کی وجہ سے واپس گڑھی کپورہ چلا گیا۔آج کل اُس کی اولاد موضع بوٹ سیری (گڑھی کپورہ) میں آباد ہیں۔

خنیم اللہ کے تین بیٹے عبدالقادر، غلام حیدر اور محمد اللہ زمیندارہ کا کام کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں جبکہ وحید اللہ بقید حیات ہے۔وہ کچھ مدت تک پاک آرمی میں خدمات انجام دیتے رہے اور ریٹائرمنٹ کے بعد گاؤں میں زمیندارہ کا کام کرتا ہے۔

حبیب اللہ خان کا تیسرا بیٹا امیر اللہ تھا۔جس نے دو شادیاں کی تھیں۔پہلی بیوی سے اُس کے دو بیٹے محمد یعقوب اور محمد ایوب تھے۔دونوں بیٹے بقضائے الٰہی فوت ہو چکے ہیں جبکہ دوسری بیوی سے اُس کے چار بیٹے محمد دیار، محمد رشید، محمد اسلم اور محمد زاہد ہیں جو بقید حیات ہیں۔ان میں محمد دیار گدون انڈسٹری میں ملازم تھا اور قرعہ اندازی میں نام آنے کی وجہ سے حج کی سعادت بھی حاصل کر چکا ہے۔محمد رشید، محمد اسلم اور محمد زاہد پاک آرمی میں خدمات انجام دے چکے ہیں اور آج کل گاؤں میں زمیندارہ وغیرہ سے وقت گزار رہے ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد حبیب اللہ خان

حبیب اللہ خان

- زوجہ اول
  - حمز اللہ خان
    - شیرزادہ خان
      - شیر اکبر خان
        - سعید اللہ
        - شفیع اللہ
          - خیام
          - حسام
          - سعود
        - رفیق اللہ
- زوجہ دوم صفحہ 293
  - عظیم اللہ
  - امیر اللہ
    - زوجہ اول
      - محمد یعقوب
        - محمد یوسف
          - آصف
            - محمد
          - حماد
          - ابوذر
          - ایمل
          - جنید
        - محمد خالد
      - محمد ایوب
        - محمد نظار
          - اعزاز
          - حمزہ
    - زوجہ دوم
      - محمد دیار
        - محمد حسن
      - محمد رشید
        - کاشف
        - رمضان
      - محمد اسلم
      - محمد زاہد
  - حنیم اللہ

ازصفحہ 292

حبیب اللہ خان

زوجہ دوم

- عظیم اللہ
  - معز اللہ
    - احسان اللہ
      - ثمین اللہ
        - انعام اللہ
      - ذاکر اللہ
      - عنایت اللہ
      - ناصر اللہ
      - ارحم
    - امین اللہ
      - کامران اللہ
        - محمد ریحان
      - اکرام اللہ
        - محمد شامیر
    - ہدایت اللہ
      - عبداللہ
      - بلال
      - ہلال
    - عمران اللہ
      - ابوبکر
      - طلحہ
    - فہیم اللہ
      - داؤد
      - عمر
      - عظیم
  - جابر اللہ
    - فرمان اللہ
      - ماجد
      - ساجد
      - امجد
    - رحمان اللہ
      - ثناء اللہ
      - انعام اللہ
    - محمد صابر
      - ولید
      - محمد سعد
- خنیم اللہ
  - شیر محمد
    - محمد استخار
    - فرزند علی
    - محمد سفید
  - عبدالقادر☆
  - غلام حیدر
    - محمد حیات
      - عبداللہ
      - کاشف
    - استفار علی
      - طفیل
      - روحیل
    - نیاز علی
      - سیف اللہ
      - مصطفیٰ
    - ولایت علی
      - مرتضیٰ
  - محمد اللہ☆
  - وحید اللہ
    - داجد علی
      - اختشام
      - فیروز
      - افضال
    - محمد ندیم
    - عبدالصمد
      - سعد
      - موسیٰ
- امیر اللہ

باغبان خاندان۔1

پاکستان بننے سے پہلے اس خاندان کا ایک بزرگ گل دالی بابا نوشہرہ کے علاقے سے نقل مکانی کر کے موضع کٹہ خٹ میں آ کر میں آباد ہوا۔ وہ انتہائی محنت کش انسان تھے اور یہاں پر آتے ہی زمینداری کے پیشے کو اختیار کیا۔ اُس کی اولاد آج بھی زمینداری کا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ گل دالی بابا کے تین بیٹے ممدالی، شاہ ولی اور ہاشم علی تھے۔ اُن تینوں نے بھی زمینداری کے پیشے کو اختیار کیا تھا اور مختلف خوانین کی زمینوں میں محنت مزدوری کر کے وقت گزار دیتے تھے۔

ممدالی بابا کے تین بیٹے رحمت اللہ، عبداللہ اور احمد تھے۔ وہ بھی نہایت جفاکش انسان تھے اور انہوں نے بھی زمینداری کے پیشے کو اختیار کیا ہوا تھے۔ جن خوانین کی زمینوں پر زمینداری کرتے تھے، وہ ان کے بہت زیادہ وفادار ہوتے تھے اور اسی وجہ سے وہ خوانین بھی اُن کے ساتھ دل و جان سے پیار کرتے تھے اور اُن کی ہر مصیبت اور تکلیف میں اُن کی مدد کرتے تھے۔

رحمت اللہ بابا کے چار بیٹے نعمت اللہ، سعد اللہ، محمد ثاقب اور ہدایت اللہ ہیں جو کہ بقید حیات ہیں۔ ان میں نعمت اللہ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد پاک آرمی میں بھرتی ہوا تھا۔ آٹھارہ سال میں بھرتی ہونے والا یہ نوجوان پاک آرمی میں ابتدائی تربیت حاصل کرنے کے بعد ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں برکی سیکٹر لاہور میں دشمن کے خلاف بہادری سے لڑتا ہوا زخمی ہو گیا تھا۔ وہ چند دن ہسپتال میں گزارنے کے بعد دوبارہ اپنے جنگی محاذ پر چلا گیا تھے اور اس محاذ پر دشمن کو عبرتناک شکست دی تھی۔ جبکہ دسمبر 1971ء کی جنگ میں مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں کھلنا روڈ پر جیسور سیکٹر میں ملک وقوم کا دفاع کرتے ہوئے مارٹر کے گولے سے شدید زخمی ہوا تھا۔ جس کو پہلے علاج کے کیلئے سی ایم ایچ جیسور میں داخل کیا گیا،

پھر بذریعہ ہیلی کاپٹر ڈھاکہ کے سی ایم ایچ ہسپتال میں لایا گیا اور پھر بذریعہ جہاز کراچی (مغربی پاکستان) کے سی ایم ایچ ہسپتال منتقل کیا گیا۔ جہاں پر کئی ماہ تک زیرِعلاج رہا۔ بعد میں پاک آرمی نے اُس کی شاندار کارکردگی اور بے مثال بہادری پر اُس کو تمغہ جنگ اور تمغہ بہادری سے نوازا اور پشاور کینٹ میں اُس کو ایک عدد تیار مکان دے دیا۔ نعمت اللہ اس علاقے کا واحد غازی ہے جو دو جنگوں میں حصہ لے چکا ہے۔ پاک آرمی سے ریٹائرمنٹ کے بعد اُس نے پاکستان پوسٹ آفس کو بطور سب پوسٹ ماسٹر جائن کیا اور ساتھ ساتھ وہ کچھ عرصہ تک ریٹائرڈ فورس کے علاقہ ویلفیئر آفیسر کے طور پر بھی خدمات انجام دیتے رہے۔

پاکستان پوسٹ آفس سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لئے پشاور منتقل ہو گئے۔ جہاں پر اُس کے بچوں نے نہ صرف اعلیٰ تعلیم حاصل کی بلکہ اُس کے بچے مختلف محکموں میں اچھے اچھے عہدوں پر بھی فائز ہو گئے۔ اُس کا بڑا بیٹا نوید احمد پاکستان پوسٹ میں بطور پوسٹ ماسٹر جبکہ دوسرا بیٹا تنویر احمد محکمہ پولیس میں بطور پولیس آفیسر، تیسرا بیٹا شاہ فیصل محکمہ خوراک میں بطور ایڈمن آفیسر اور چوتھا بیٹا تیمور احمد GHQ کے کوٹے پر کوئٹہ میڈیکل انسٹیٹیوٹ میں ایم بی بی ایس میں داخل ہو چکا ہے اور عنقریب بطور ڈاکٹر فارغ ہونے والا ہے۔ جبکہ رحمت اللہ بابا کے باقی تین بیٹوں نے زمینداری کے پیشے کو اختیار کیا ہوا ہے اور ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرتے ہیں۔

ممدالی بابا کا دوسرا بیٹا عبداللہ تھا جبکہ عبداللہ کا ایک بیٹا ہدایت اللہ ہے جو کہ بقید حیات ہے۔ ہدایت اللہ نے بھی اپنے والد کی طرح زمینداری کے پیشے کو اختیار کیا ہوا ہے۔

ممدالی کا تیسرا بیٹا احمد تھا جبکہ احمد کے دو بیٹے محبّ اور امراد ہیں جو کہ بقید حیات ہیں محبّ نے اپنے والد کی طرح زمینداری کے پیشے کو اختیار کیا ہوا ہے جبکہ امراد پہلے پاک آرمی میں بھرتی ہوا تھا اور وہاں پر خدمات انجام دینے کے بعد ریٹائر ہو گیا ہے اور وہ بھی زمینداری کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

گل دالی بابا کا دوسرا بیٹا شاہ ولی تھا۔جس کا دو بیٹے مرزا علی اور حضرت ولی تھے۔ دونوں نے زمینداری کے پیشے کو اختیار کیا ہوا تھا۔حضرت ولی لاولد تھا جبکہ مرزا علی کا ایک بیٹا سید نواب تھا۔سید نواب بھی اپنے والد کی طرح زمینداری کا کام کرتا تھا۔سید نواب کا ایک بیٹا عیسیٰ خان ہے۔عیسیٰ خان بقید حیات ہے اور وہ بھی اپنے بیٹوں سمیت زمینداری کا کام کرتا ہے۔

گل دالی بابا کا تیسرا بیٹا ہاشم علی تھا۔ جو کہ اپنے باپ کی طرح زمینداری کا کام کرتا تھا۔ ہاشم علی کے تین بیٹے محمد ولی، کامران علی اور اضعر علی تھے۔ یہ تینوں بھی زمینداری کا کام کرتے تھے۔محمد ولی کے دو بیٹے عبدالغنی اور عبدالعفار تھے۔جن میں عبدالعفار جوانی میں لاولد فوت ہو گیا تھا۔جبکہ عبدالغنی کے پانچ بیٹے خان سید، ممتاز علی، خان زادہ، محسن اور سردار حسین ہیں۔ یہ پانچوں بھائی بقید حیات ہیں۔ان میں سے پہلے چار بھائیوں نے زمینداری کے پیشے کو اختیار کیا ہوا ہے جبکہ سردار حسین پولیس میں بھرتی ہوا تھا اور وہاں پر خدمات انجام دے کر ریٹائر ہو گیا ہے اور آج کل گاؤں میں زندگی کے بقیہ دن پورے کر رہا ہے۔

ہاشم علی کا دوسر بیٹا کامران علی تھا۔کامران علی کے تین بیٹے میر ولی، صاحب ولی اور گل زادہ ہیں۔ان میں میر ولی بقضائے الٰہی فوت ہو چکا ہے جبکہ صاحب ولی اور گل زادہ بقید حیات ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔

میر ولی نے دو شادیاں کی تھیں۔پہلی بیوی سے دو بیٹے ریاض علی اور رحمان علی ہیں۔ جن میں ریاض علی فوت ہو چکا ہے اور اُس کے بیٹے لکڑیوں کے خرید و فروخت کا کام کرتے ہیں۔ جبکہ رحمان علی ہم میں موجود ہے۔اُس کے تین بیٹے محمد علی، حامد علی اور حمزاللہ ہیں۔محمد علی پاک آرمی میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ حامد علی عمارات کی رنگ و روغن کا کام کرتا ہے جبکہ حمزاللہ نے قرآن شریف حفظ کیا ہوا ہے اور دینی علوم کی حصول کے لیے مدرسہ میں زیر تعلیم ہے۔

میر ولی کے دوسرے بیوی کے چار بیٹے جہاں علی ، امجد علی ، واجد علی اور اختر علی ہیں ان چاروں نے زمینداری کے پیشے کو اختیار کیا ہوا ہے۔ بڑے جفاکش ہیں اور محنت مزدوری کر کے زندگی کے ایام گزارر ہے ہیں۔

کامران علی کے دوسرے بیٹے صاحب ولی کے پانچ بیٹے محمد نواز، محمد نہار، مختیار علی، ثناءاللہ اور لعل سید ہیں۔ یہ پانچوں بھائی زمینداری کا کام کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرتے ہیں۔ جبکہ کامران علی کے تیسرے بیٹے گل زادہ کے ہاں کوئی نارینہ اولاد نہیں ہے اور وہ بھی زمینداری کے ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار اختیار کیئے ہوئے ہے۔

ہاشم علی کا تیسرا بیٹا اضعر علی تھا جو کہ بڑا ہی رنگین مزاج واقع ہوا تھا۔ وہ موسیقی کا دلدادہ تھا اور جوانی میں زمینداری کے ساتھ ساتھ بڑے ہی خوبصورت انداز میں ٹنگ ٹکور کے محفلوں میں شرکت کرتا تھا۔ وہ ان محفلوں میں ہارمونیم بجانے کے ساتھ ساتھ بڑی سریلی آواز سے گانا بھی گاتا تھا۔ اُس کے دو بیٹے شیر ولی اور میراد علی ہیں جو کہ آج کل ہم میں موجود ہیں۔ دونوں بھائی اپنے بیٹوں سمیت اباواجداد کی طرح زمینداری کے پیشے کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد گل دالی

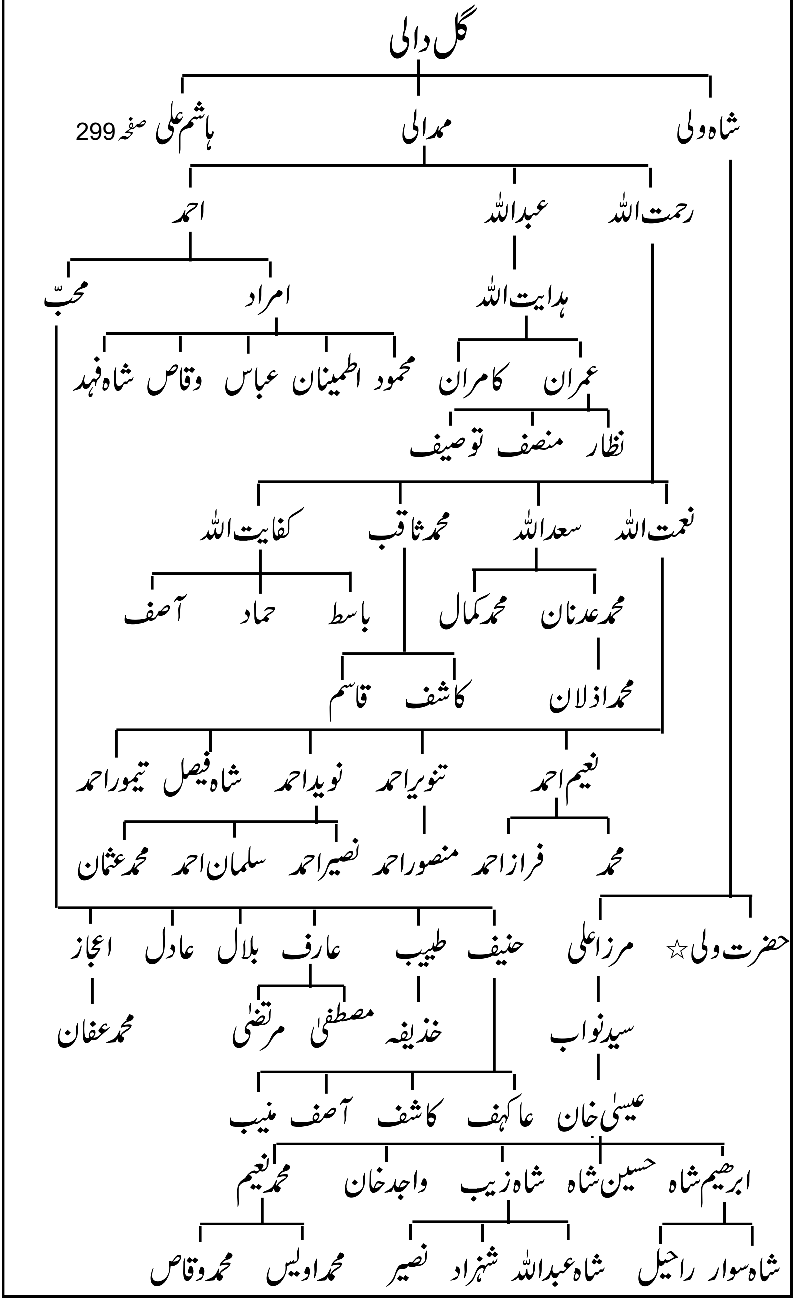

نقشہ شجرہ اولاد ہاشم علی

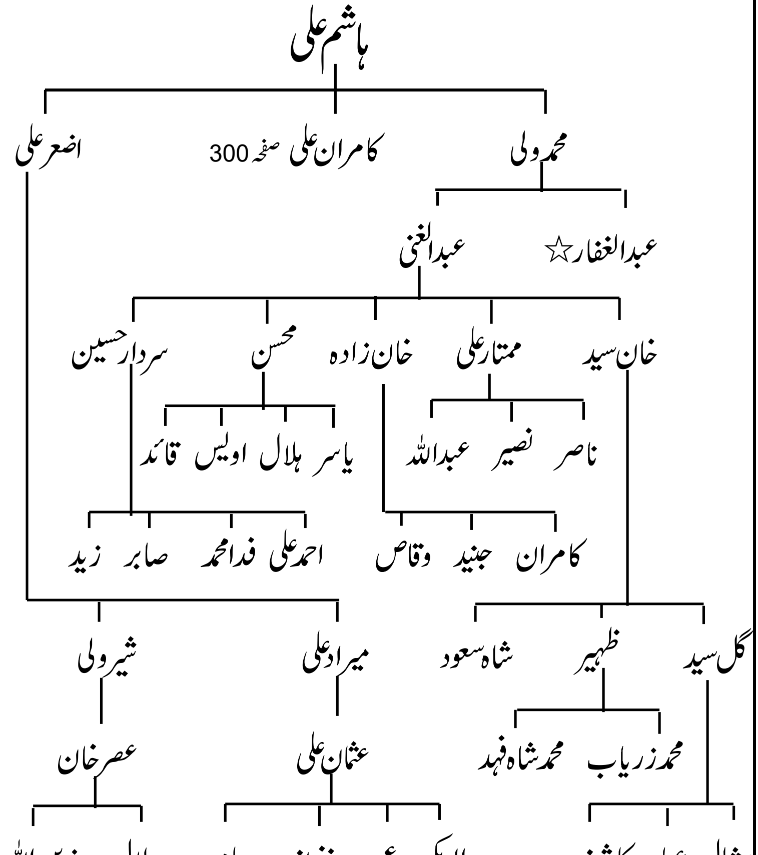

نقشہ شجرہ اولاد کامران علی

از صفحہ 299

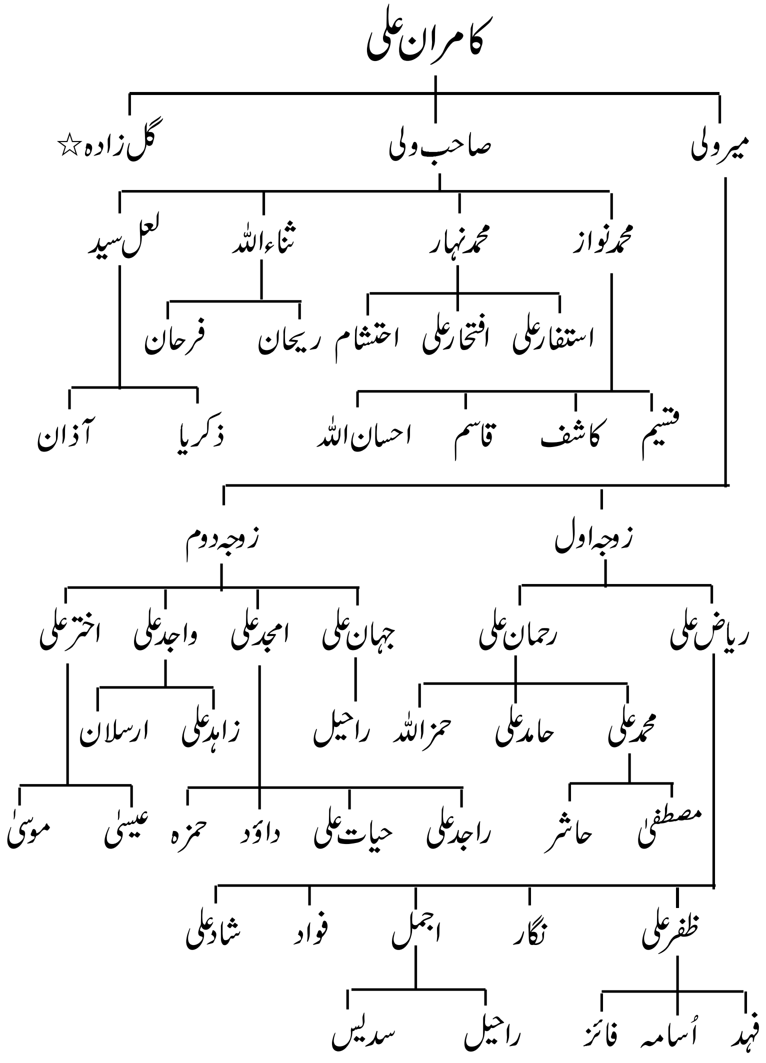

باغبان خاندان ۔2

پاکستان بننے سے پہلے اس خاندان کا ایک بزرگ معتمر بابا جوانی میں روزگار کی تلاش میں صوابی کے علاقے سے یہاں پر آ کر آباد ہوا تھا اور اس نے زمینداری کا پیشہ اختیار کیا۔ یہاں پر اس نے شادی کی اور اس کے تین بیٹے فیض اللہ، خنیم اللہ اور معزاللہ پیدا ہوئے۔ تینوں بیٹے جوانی کی دہلیز پار کرنے کے بعد زمینداری کے شعبے میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹانے لگے اور یوں یہ گھرانہ ایک مستقل باغبان خاندان کی صورت اختیار کر گیا۔

معتمر بابا کے بڑے بیٹے فیض اللہ کا ایک بیٹا ذرواللہ تھا جو باپ کی طرح زمینداری کرتا تھا۔ ذرواللہ کے دو بیٹے زرداللہ اور خان بھادر تھے جن میں زرداللہ حال ہی میں وفات پا چکا ہے جبکہ خان بھادر بقید حیات ہے۔ دونوں بھائی مستری تھے اور مکانات کے تعمیر کا کام کرتے تھے۔ زرداللہ کے چار بیٹے محمد عارف، محمد اقبال، محمد ارشد اور محمد اسماعیل ہیں جو کہ ہم میں موجود ہیں۔ ان میں محمد عارف اور محمد اقبال پاک فوج میں بھرتی ہوئے ہیں اور وہاں پر خدمات انجام دے رہے ہیں جبکہ محمد ارشد اور محمد اسماعیل زمینداری کا کام کرتے ہیں۔

ذرواللہ کے دوسرے بیٹے خان بھادر کے دو بیٹے محمد فیاض اور ابوبکر ہیں جو کہ ابھی زیر تعلیم ہیں اور بڑے ہو کر ملک وقوم کی خدمت کا ارادہ رکھتے ہوئے پاک فوج میں بھرتی ہونے کے خواہش مند ہیں۔

معتمر بابا کے دوسرے بیٹے خنیم اللہ کے دو بیٹے محمد یوسف اور شاد محمد تھے۔ دونوں نے اپنے والد کی طرح زمینداری کا پیشہ اپنایا ہوا تھا۔ ان میں محمد یوسف کے پانچ بیٹے تاج محمد ،فقیر محمد ،زرین خان، مثل خان اور حیدر خان ہیں ۔جن میں فقیر محمد بوجہ علالت وفات پا چکا ہے جبکہ باقی چار بھائی بقید حیات ہیں اور زمینداری کے پیشے کو اپنائے ہوئے ہیں۔

تاج محمد کے دو بیٹے محمد خالد اور محمد شفیق ہیں جو زمینداری کے ساتھ ساتھ اپنا چھوٹا

موٹا کاروبار بھی کرتے ہیں۔فقیر محمد کے دو بیٹے انور علی اور وقار علی ہیں ۔ان میں انور علی پاک فوج میں خدمات انجام دے رہا ہے جبکہ وقار علی زمینداری کرر ہا ہے۔

محمد یوسف کے چوتھے بیٹے مثل خان کے دو بیٹے ہیں جو کہ اپنے والد کا زمینداری کے کا کام میں ہاتھ بٹا رہے ہیں ۔جبکہ حیدر خان کے چار بیٹے محمد قاسم، محمد یاسر، محمد آصف اور شایان ہیں ۔ حیدر خان خود گاؤں میں ایک چھوٹے سے فلور مل کو چلا رہا ہے۔اس کا بڑا بیٹا محمد قاسم فلورمل کے کام میں اس کی مدد کرر ہا ہے جبکہ باقی بیٹے ابھی زیر تعلیم ہیں۔

خنیم اللہ کا دوسرا بیٹا شاد محمد زمینداری کے پیشے کو اختیار کیا ہوا تھا۔اس کے پانچ بیٹے دیار خان، نوروز خان، جمروز خان، گل روز خان اور شیر محمد ہیں۔ان میں دیار خان نرسری کا کام کرتا ہے، نوروز خان مع اپنے اہل وعیال کے روزگار کی تلاش میں کراچی منتقل ہوا ہے اور وہاں پر ایک پرائیویٹ ادارے میں نوکری کرر ہا ہے، جمروز اور گل روز زمینداری کے پیشے کو اختیار کیے ہوئے ہیں جبکہ شیر محمد بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے۔

معتمر بابا کا تیسرا بیٹا معز اللہ خان تھا جو کہ زمینداری کا کام کرتا تھا اُس کا ایک بیٹا خان محمد تھا جو کہ اپنے باپ کی طرح زمینداری کو اختیار کیے ہوئے تھا۔خان محمد کے چار بیٹے گل محمد، زر محمد، شیر محمد اور پرویز خان ہیں۔ یہ چاروں بھائی اپنے والد کی طرح زمینداری کے شعبے میں محنت مزدوری کر کے وقت گزار رہے ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد معتمر بابا

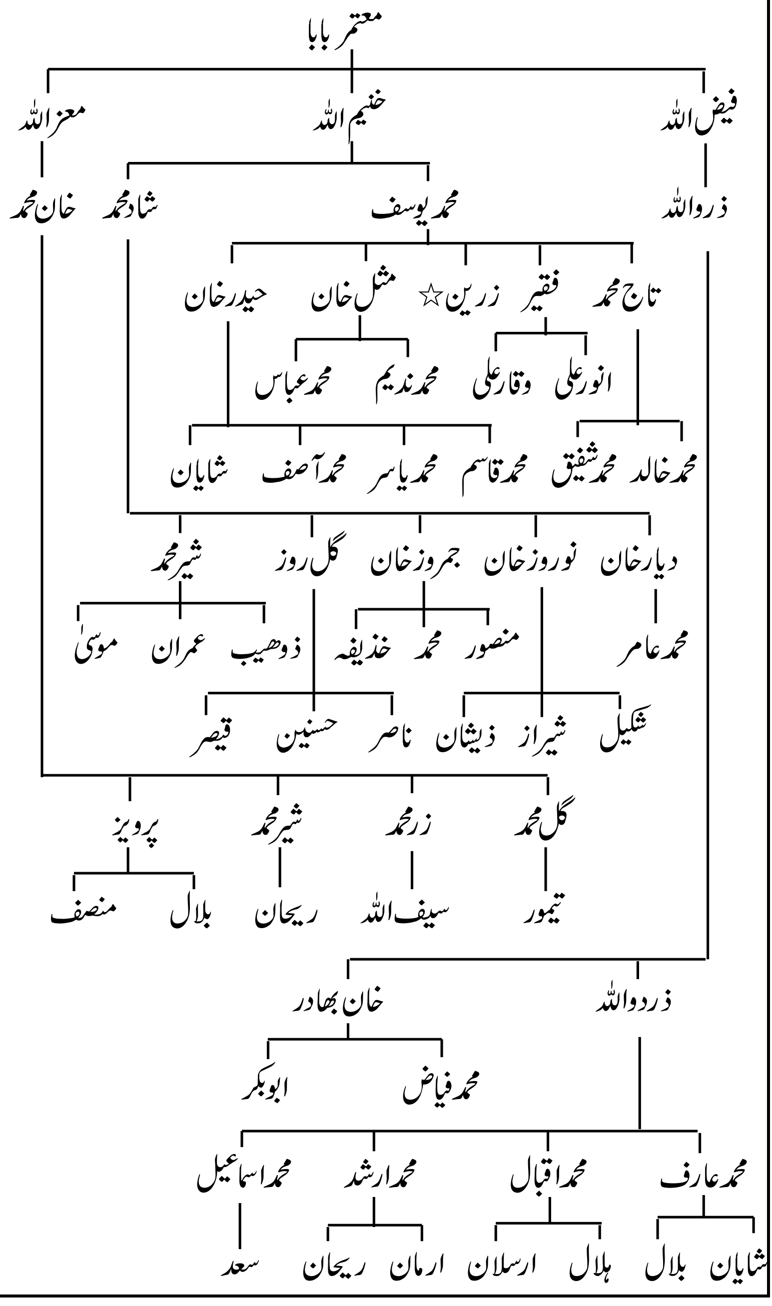

عبدالجبار خان اور اُس کی اولاد

عبدالجبار خان کا والد علاقہ سوات کا رہنے والا تھا۔ اُس کا تعلق قبیلہ یوسف زئی سے تھا۔ اُس نے سوات میں خاندانی رنجش کی بناء پر کسی کو قتل کیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ علاقہ سوات سے فرار ہو کر مردان آیا اور موضع فرمولی میں سکونت اختیار کیا۔ موضع فرمولی میں اُس کی وفات کے بعد عبدالجبار خان وہاں سے شہباز گڑھی کے موضع زنڈو منتقل ہوا اور پھر وہاں سے موضع کٹہ خٹ آ کر مستقل سکونت اختیار کیا۔

عبدالجبار خان کے پانچ بیٹے عبدالرحمٰن ،فضل الرحمٰن، گل رحمٰن، غنی الرحمٰن اور اکبر خان تھے۔ کٹہ خٹ میں آ کر انھوں نے اپنی گزر اوقات کے لیے زمینداری کے پیشے کو اپنا لیا اور یہاں پر علاقے کے دوسرے لوگوں کے ساتھ مل جل کر پُر امن طور پر زندگی گزارنے لگے۔ بعد میں جب وہ اپنی محنت کے بل بوتے پر آسودہ حال ہوئے تو انہوں نے رہنے کے لیے اپنے گھر بنائے اور یہاں کے لوگوں سے رشتہ داریاں قائم کیں۔

عبدالجبار خان کے بڑے بیٹے عبدالرحمٰن نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے اُس کے دو بیٹے فقیر گل اور باچا گل پیدا ہوئے تھے۔ فقیر گل کے سات بیٹے محمد قریش، زرداللہ، سعداللہ، امیر نوش، محمد ریاض، محمد نہار اور زرنوش ہیں جو کہ بقید حیات ہیں۔ فقیر گل نے اپنے رہنے کے لیے سیدان ڈھیری میں گھر بنایا تھا اور وہ وہاں پر اپنے بیٹوں سمیت زمینداری کرتے تھے۔ جبکہ باچا گل محکمہ سروسز اینڈ ورکس (c&w) میں ملازم تھا۔ باچا گل کے دو بیٹے زاہد علی اور فرزند علی ہیں جو کہ ہم میں موجود ہیں۔ دونوں آج کل متحدہ عرب آمارات میں ایک کمپنی کے ساتھ منسلک ہیں اور بال بچوں سمیت وہاں پر رہائش پذیر ہیں۔

عبدالرحمٰن کی دوسری بیوی سے چار بیٹے حبیب الرحمٰن، سیف الرحمٰن، گل بیش اور درویش تھے جن میں حبیب الرحمٰن اور درویش بقید حیات ہیں۔ حبیب الرحمٰن نے تین شادیاں

کیں تھیں ۔اُس کی پہلی بیوی سے کوئی نارینہ اولاد نہیں تھا جبکہ دوسری بیوی سے چار بیٹے واصل خان، محمد اعظم ،ارشد علی اور نہار علی ہیں جو کہ بقید حیات ہیں۔ واصل خان مال مویشیوں کے پالنے کا کام کرتا ہے اور ساتھ ساتھ زمینداری بھی کرتا ہے۔ واصل خان کے پانچ بیٹے احمد علی، جنید علی ، نظار علی ، حارث علی اور منصف علی ہیں ۔جن میں احمد علی، جنید علی اور نظار علی سعودی عرب میں محنت مزدوری کر کے زرمبادلہ کما رہے ہیں جبکہ حارث علی اور منصف علی اپنے والد کا مال مویشیوں کے پالنے میں ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ حبیب الرحمٰن کے باقی تین بیٹے محمد اعظم ،ارشد علی اور نہار علی کراچی میں بال بچوں سمیت رہائش پذیر ہیں اور وہاں پر فروٹ کا کاروبار کر رہے ہیں۔

حبیب الرحمٰن کی تیسری بیوی کے دو بیٹے محمد بلال اور محمد اشفاق ہیں ۔محمد بلال سعودی عرب میں محنت مزدوری کر کے زرمبادلہ کما رہا ہے جبکہ محمد اشفاق اپنے والد کا زمینداری اور مال مویشی پالنے میں ہاتھ بٹا رہا ہے

عبدالرحمٰن کا دوسرا بیٹا سیف الرحمٰن تھا جو فوت ہو چکا ہے اُس کے چار بیٹے محمد جاوید، محمد ساجد، محمد خالد اور محمد سلیم تھے ۔جن میں محمد سلیم فوت ہو چکا ہے جبکہ باقی تینوں بیٹے بقید حیات ہیں اور ہم میں موجود ہیں ۔تینوں نے اپنے اپنے الگ الگ گھر بنائے ہوئے ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن کا تیسرا بیٹا گل بیش تھا جو فوت ہو چکا ہے۔ اُس کے دو بیٹے سرتاج علی اور امجد علی ہیں جو کہ ہم میں موجود ہیں۔ سرتاج علی زمینداری کا کام کرتا ہے جبکہ امجد علی نے چھوٹا موٹا کاروبار سنبھالا ہوا ہے۔اس کے علاوہ وہ کٹہ خٹ میں ڈاک خانے کا انچارج بھی ہے۔

عبدالرحمٰن کا چوتھا بیٹا درویش ہم میں موجود ہے لیکن کافی کمزور ہو چکا ہے۔اس کا ایک بیٹا سرور خان ہے جو کہ زمینداری کا کام کرتا ہے۔سرور خان کا بھی ایک بیٹا موسیٰ خان ہے جو کہ ابھی زیر تعلیم ہے۔

عبدالجبار خان کا دوسرا بیٹا فضل الرحمٰن فوت ہو چکا ہے اُس کا ایک بیٹا ظاہر الرحمٰن ہے جو کہ بقید حیات ہے اور گلکاری کا کام کرتا ہے۔ ظاہر الرحمٰن اپنے کام کے سلسلے میں مردان شہر منتقل ہو چکا ہے اور وہیں پر رہائش پذیر ہے۔ ظاہر الرحمٰن کا ایک بیٹا اسد الرحمٰن عرف خان ہے جو مردان شہر میں ٹیکسی چلاتا ہے اور زندگی کے دن گزار رہا ہے۔

عبدالجبار خان کا تیسرا بیٹا گل رحمٰن تھا۔ جس کا ایک بیٹا عفور الرحمٰن ہے جو آج کل ہم میں موجود ہے۔ عفور الرحمٰن کے تین بیٹے محمد آیاز، محمد سراج اور محمد استمراج ہیں۔ عفور الرحمٰن نے غریب آباد میں اپنے لیے گھر بنایا ہے اور وہ وہاں زمینداری کے کام میں مصروف نظر آتا ہے۔ اُس کا بڑا بیٹا محمد آیاز ایک لوڈر کے ذریعے محنت مزدوری کرتا ہے۔ دوسرا بیٹا محمد سراج اپنے والد کا زمینداری کے کام میں ہاتھ بٹاتا ہے جبکہ تیسرے بیٹے محمد استمراج نے راولپنڈی میں بیکری کا کاروبار شروع کیا ہوا ہے۔

عبدالجبار خان کا چوتھا بیٹا غنی الرحمٰن تھا۔ جو کہ محنت مزدوری کر کے راہی عدم ہو چکا ہے۔ اُس کا ایک بیٹا اختر علی ہے جو کہ بقید حیات ہے اور کاروبار کے سلسلے میں کراچی منتقل ہو گیا ہے اور وہیں پر رہائش پذیر ہے۔

عبدالجبار خان کا سب سے چھوٹا بیٹا اکبر خان تھا جو کہ بڑا ہی ملنسار اور محنتی آدمی تھا اُس نے بانڈہ چغرزو میں اپنے لیے گھر بنایا ہوا تھا۔ اُس کے دو بیٹے عیسیٰ خان اور ظفر علی ہیں۔ جو کہ بقید حیات ہیں اور ہم میں موجود ہیں۔ عیسیٰ خان محکمہ سی اینڈ ڈبلیو میں ملازم ہو گیا تھا اور وہیں خدمات انجام دینے کے بعد ریٹائرڈ ہو چکا ہے جبکہ ظفر علی روزگار کے سلسلے میں سعودی عرب منتقل ہو چکا ہے اور وہیں پر ایک کمپنی کے ساتھ منسلک ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد عبدالجبار خان

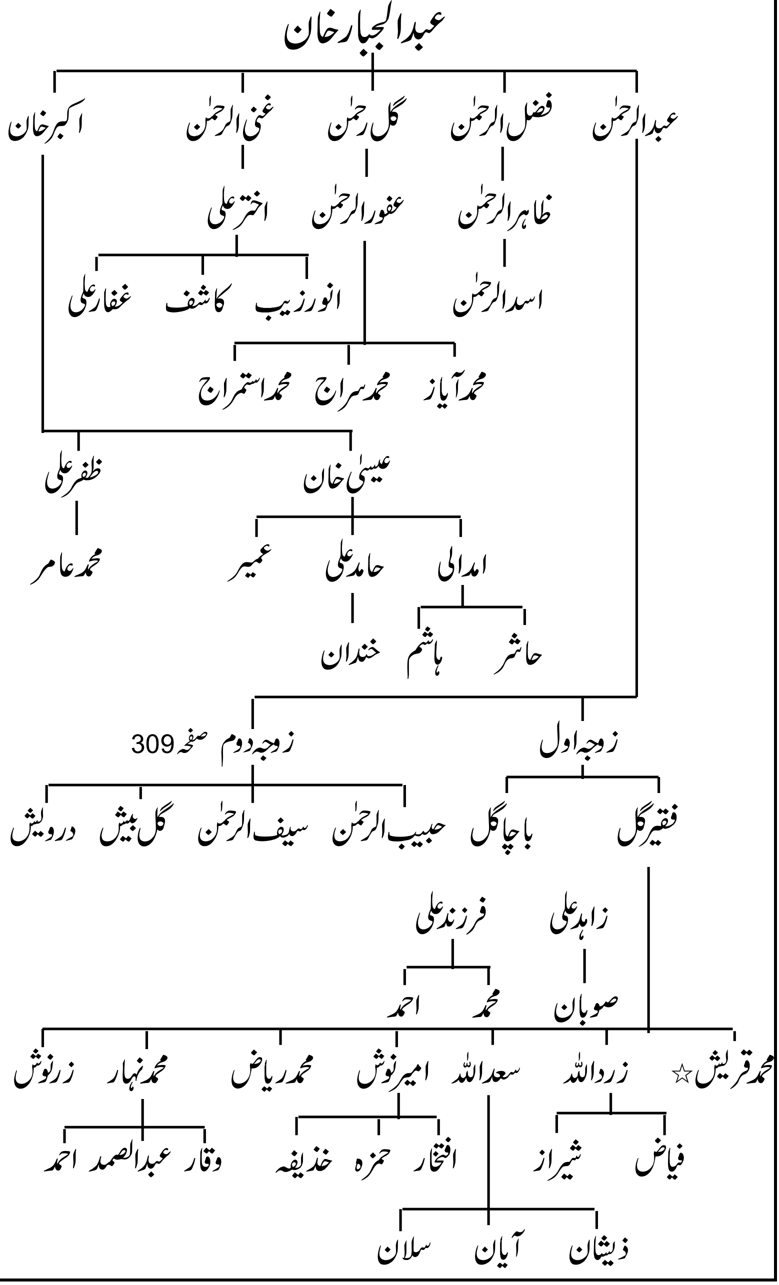

نقشہ شجرہ اولاد عبدالرحمٰن

- عبدالرحمٰن
  - زوجہ دوم
    - حبیب الرحمٰن
      - زوجہ اول
        - واصل خان
          - احمد علی
          - جنید علی
          - نظار علی
          - حارث علی
          - منصف علی
        - محمد اعظم
          - آنس علی
          - اویس علی
          - وقاص علی
        - ارشد علی
          - محمد
          - احمد
        - نہار علی
          - شہزاد علی
          - زید علی
      - زوجہ دوم
        - محمد بلال
          - حبیب اللہ
          - اُسامہ
        - محمد اشفاق
          - عبیداللہ
    - سیف الرحمٰن
      - محمد جاوید
        - ماجد
        - اسفندیار
      - محمد خالد
      - محمد ساجد
        - شایان
        - خلفان
      - محمد سلیم
    - گل بیش
      - سرتاج علی
        - شاہ زیب
      - امجد علی
        - تیمور
    - درویش
      - سرور خان
        - موسیٰ خان

نوارخیل خاندان

نوارخیل قبیلہ یوسف زئی کا ذیلی شاخ ہے۔نوارخیل ضلع صوابی کے موضع اسماعیلہ میں مالکانہ حیثیت سے آباد ہیں۔ان میں ایک شخص گل شید خان نے بہت سے مال مویشی پال رکھے تھے۔جب اس علاقے میں اُس کے مال مویشیوں کے لیے چراگاہیں کم پڑ گئیں تو اس کا ایک بیٹا قسیم خان اپنے حصے کے جانوروں کو لے کر مغرب کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوا اور سفر کرتے کرتے موضع کٹہ خٹ آ پہنچا۔یہاں چونکہ اُس زمانے میں چراگاہیں بہت تھیں۔اس لیے اُس نے اپنے مال مویشیوں کے ساتھ یہاں پر مستقل رہائش اختیار کی۔اور اب تک اُس کی اولاد یہاں پر رہائش پذیر ہے۔

قسیم خان کے تین بیٹے حکیم خان، اسیم خان اور نسیم خان تھے۔قسیم خان کی وفات کے بعد اُس کے بیٹوں نے مال مویشیوں کے پالنے کو ترک کیا اور یہاں پر زمینداری کو ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کیا۔

قسیم خان کے بڑے بیٹے حکیم خان کے چار بیٹے غلام حکیم، اجون خان، شہباز خان اور مواث خان تھے۔چاروں بیٹوں نے زمیندارہ شروع کیا تھا اور مرتے دم تک اس پیشے سے منسلک رہے۔

حکیم خان کے بڑے بیٹے غلام حکیم کے تین بیٹے محمد سید، شاہ افضل اور افتخار علی ہیں جو کہ ہم میں موجود ہیں۔ان میں افتخار علی کا فالج کی وجہ سے ایک ٹانگ معذور ہو چکا ہے اور وہ اپنے بھائی محمد سید کے ساتھ رہ رہا ہے۔جبکہ محمد سید اور شاہ افضل تجارت کا چھوٹا موٹا کاروبار کر کے وقت گزار رہے ہیں۔

حکیم خان کے دوسرے بیٹے اجون خان کے چار بیٹے مجاھد خان، جاوید خان، حامد خان اور عابد خان ہیں۔ان میں مجاہد خان اور حامد خان پاک آرمی میں بھرتی ہوئے تھے۔

مجاھد خان ترقی کرتے کرتے صوبیدار میجر کے عہدے تک پہنچ چکا ہے۔ جبکہ حامد خان مہمند ایجنسی میں دہشت گردوں کے خلاف لڑتے ہوئے مارٹر کا گولہ لگنے سے معذور ہو چکا ہے لیکن اب بھی پاک آرمی میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ جبکہ جاوید خان اور عابد خان بیرون ملک خدمات انجام دے رہے ہیں اور ملک وقوم کے لیے قیمتی زرمبادلہ کما رہے ہیں۔

حکیم خان کے تیسرے بیٹے شہباز خان کے پانچ بیٹے سرتاج خان، بختاج خان، غفور خان، عالم خان اور کامران خان ہیں۔ شہباز خان حال ہی میں وفات پا چکا ہے جبکہ اُس کے تمام بیٹے بقید حیات ہیں۔ شہباز خان کے بیٹوں میں غفور خان بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے جبکہ باقی بیٹے چھوٹا موٹا کاروبار کر کے وقت گزار رہے ہیں۔

حکیم خان کا چوتھا بیٹا مواث خان تھا۔ مواث خان زمینداری کو اختیار کیے ہوئے تھا۔ مواث خان کے پانچ بیٹے سوار خان، الیاس، دیار خان، سیار خان اور محمد زبیر ہیں جو کہ ہم میں موجود ہیں۔ ان میں سوار خان ٹریکٹر چلاتا تھا لیکن ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ایک ٹانگ سے معذور ہو چکا ہے۔ الیاس خان زمینداری کر رہا ہے، سیار خان بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے جبکہ دیار خان اور محمد زبیر بونیر میں بیکری کا کام کر رہے ہیں۔

حکیم خان کے چار بیٹوں کے علاوہ ایک بیٹی بھی تھی۔ جس کی شادی گجرات کے نور احمد کے ساتھ ہوئی تھی۔ جوانی میں فوت ہوگئی تھی۔ اس کے دو بیٹے فقیر محمد اور صالح محمد یہاں کٹھ خٹ میں اپنے ننیال میں پال پوس کر بڑے ہوگئے۔ دونوں بھائی بڑے باہمت انسان تھے۔ ان میں فقیر محمد مختلف قسم کے کاروبار کرتا تھا اور زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ آج مال مویشی پال رہا ہے۔ اس کے دو بیٹے بہار علی اور محمد عمیر ہیں، بہار علی بیرون ملک خدمات انجام دے رہا ہے جبکہ محمد عمیر یہاں پر کاروبار کر رہا ہے۔ فقیر محمد کا دوسرا بھائی صالح محمد چھوٹا موٹا کاروبار کرتا تھا اور وفات پا چکا ہے۔ اس کے چار بیٹے محمد قیصر، محمد ناصر، انضمام خان اور شایان خان ہم میں موجود ہیں۔

نقشہ شجرہ اولاد گل شید خان

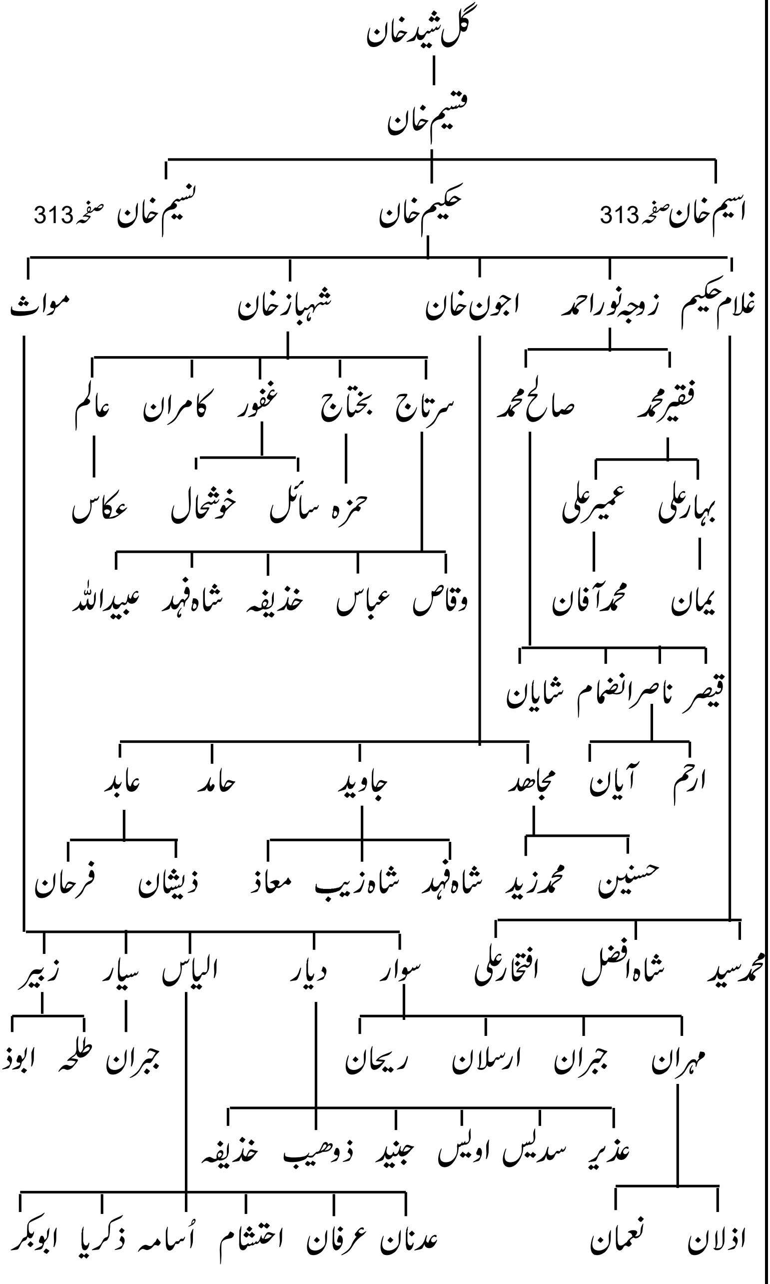

قسیم خان کا دوسرا بیٹا اسیم خان تھا۔اسیم خان نے زمینداری کے پیشے کو اختیار کیا تھا اور مرتے دم تک اُس کے ساتھ منسلک تھا۔اسیم خان کے دو بیٹے عبدالمنان اور عبدالحنان تھے عبدالمنان موضع کٹہ خٹ میں زمینداری اور ساتھ ساتھ کاروبار بھی کرتا تھا جبکہ عبدالحنان موضع بالاگڑھی منتقل ہوا تھااور وہاں پر زمینداری کے ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرتا تھا۔اُس کی اولاد اب تک موضع بالاگڑھی میں رہائش پذیر ہیں۔

عبدالمنان کے دو بیٹے بختی جہان اور بختیار تھے جن میں بختی جہاں فوت ہو چکا ہے اور بختیار ہم میں موجود ہے اور شہد کی مکھیاں پالنے کا کاروبار کررہا ہے۔بختیار کے تین بیٹے طلحہ، عبداللہ اور عبدالصمد ہیں جو بقید حیات ہیں اور اپنے والد کے ساتھ کاروبار میں شریک ہیں۔ بختی جہاں کے دو بیٹے مختیار علی اور قائد علی ہیں جو کہ ہم میں موجود ہیں اور انھوں نے ایک سپر سٹور کھول رکھا۔اور تجارت کا لین دین کررہے ہیں۔

قسیم خان کا تیسرا بیٹا نسیم خان تھا جس کے دو بیٹے محمد داؤد اور محمد رسان تھے۔ نسیم خان خود بھی اور اس کے بیٹے بھی زمینداری کرتے تھے اور بڑے محنتی انسان تھے۔محمد داؤد کے دو بیٹے عصر خان اور دراز خان تھے جو کہ زمینداری کرتے تھے۔عصر خان کے تین بیٹے خلیل الرحمٰن، عنایت الرحمٰن اور حبیب الرحمٰن ہیں جو کہ ہم میں موجود ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔ دراز خان کے دو بیٹے محمد شفیق اور محمد سعید ہیں جو کہ بقید حیات ہیں۔ دونوں کٹہ خٹ کے بانڈہ چغرزو میں رہائش پذیر ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔

نسیم خان کا دوسرا بیٹا محمد رسان یہاں سے موضع گجرات منتقل ہوا تھا۔اُس کے دو بیٹے محمد غفران اور محمد افضل تھے جو کہ زمینداری کا کام کرتے تھے۔محمد غفران کے ہاں کوئی نارینہ اولاد نہ تھا جبکہ محمد افضل کے چار بیٹے محمد سردار، محمد بلال، محمد جاوید اور محمد امجد ہیں جو کہ بقید حیات ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔

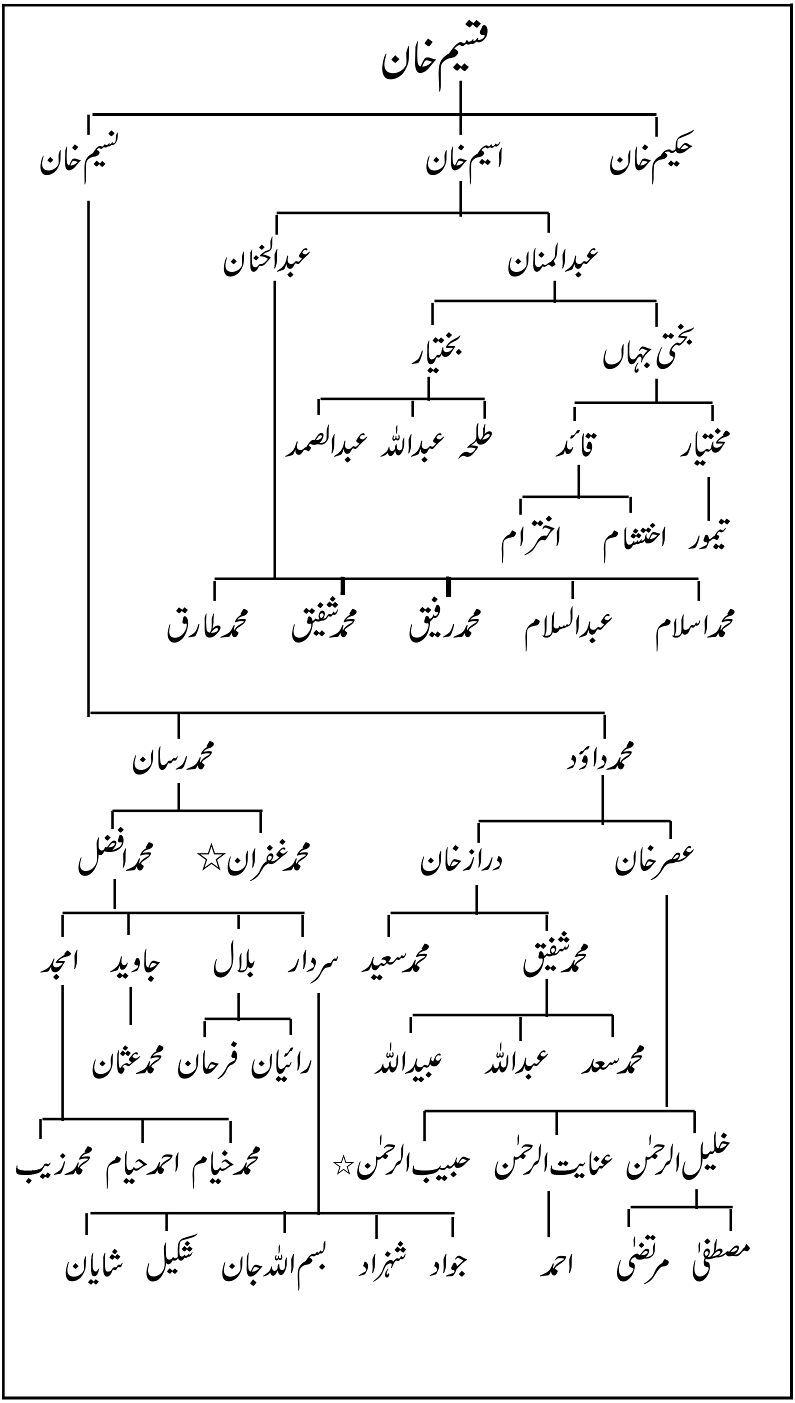
قسیم خان
حکیم خان
اسیم خان
نسیم خان
عبدالمنان
عبدالحنان
بختی جہاں
بختیار
مختیار
قائد
طلحہ
عبداللہ
عبدالصمد
تیمور
احتشام
احترام
محمد اسلام
عبدالسلام
محمد رفیق
محمد شفیق
محمد طارق
محمد داؤد
محمد رسان
عصر خان
دراز خان
محمد غفران☆
محمد افضل
محمد شفیق
محمد سعید
سردار
بلال
جاوید
امجد
محمد سعد
عبداللہ
عبیداللہ
رائیان
فرحان
محمد عثمان
خلیل الرحمٰن
عنایت الرحمٰن
حبیب الرحمٰن☆
محمد خیام
احمد حیام
محمد زیب
مصطفیٰ
مرتضیٰ
احمد
جواد
شہزاد
بسم اللہ جان
شکیل
شایان

غورغشت خاندان۔1

قبیلہ غورغشت کے لوگ پختونخواہ اور پنجاب کے مختلف علاقوں میں آباد ہیں۔ پختونخواہ میں ان کے بڑے گاؤں ضلع ہری پور میں حضرو کے قریب اور ضلع بونیر کے تحصیل خدوخیل میں طوطالئی کے قریب واقع ہیں۔ یہاں سے یہ لوگ ملک کے مختلف علاقوں میں معاش کی تلاش میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ضلع بونیر کے علاقہ خدوخیل سے کچھ خاندان اُنیسویں صدی میں ہجرت کر کے ضلع مردان کے گاؤں مچی آگئے اور یہاں پر بودوباش اختیار کی۔

موضع کٹہ خٹ کے امان زئی قبیلے کا ایک خان جناب افضل خان شکار کی غرض موضع مچی کے علاقے میں گیا ہوا تھا۔ جہاں پر اُس کو غورغشت خاندان کی ایک لڑکی پسند آئی۔ چنانچہ اُس نے لڑکی کے والدین سے لڑکی کا رشتہ مانگ لیا۔ جسے انہوں نے قبول کرلیا اور اس طرح وہ اس لڑکی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگیا۔ بعد میں وہ لڑکی کے والدین اور اُن کے عزیز واقارب کو موضع مچی سے کٹہ خٹ لے آیا۔ اُن کو یہاں رہنے کے لیے مکان دے دیئے اور زمینداری کرنے کے لیے زمین دے دی جس کی وجہ سے یہ لوگ کٹہ خٹ میں آباد ہو گئے اور آج تک اُن کے اولاد یہاں کٹہ خٹ میں رہائش پذیر ہے۔

ان لوگوں میں پہلا شخص شیر جنگ بابا تھا۔ شیر جنگ بابا کے تین بیٹے عبدالمجید، عبدالحمید اور نور احمد تھے۔ عبدالمجید کے تین بیٹے غلام حیدر، بشیر احمد اور سراج الاسلام تھے۔ غلام حیدر کے تین بیٹے امریز، امیر حیدر اور حاجی بھادر تھے۔ ان میں امریز فوت ہو چکا ہے اور امیر حیدر اور حاجی بھادر بقید حیات ہیں۔ امریز کا ایک بیٹا جمریز ہے۔ جبکہ امیر حیدر کے تین بیٹے عماد علی، منیر خان اور سلیم خان ہیں جو کہ بقید حیات ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔ عبدالمجید کے دوسرے بیٹے بشیر احمد کے چار بیٹے شیر محمد، نثار محمد معراج محمد اور جان محمد ہیں جو کہ

بقید حیات ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔

عبدالمجید کے تیسرے بیٹے سراج الاسلام کے پانچ بیٹے مجاھد خان، پرویز خان، محمد سراج، سجاد علی اور محمد اسرار ہیں۔ان میں مجاھد خان اور پرویز خان فوت ہو چکے ہیں جبکہ محمد سراج، سجاد علی اور محمد اسرار بقید حیات ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔مجاہد خان کا ایک بیٹا احمد علی پاک آرمی میں بھرتی ہوا تھا اور وہ دہشت گردوں کے ساتھ ایک جھڑپ میں شہید ہو چکا ہے۔

شیر جنگ بابا کے دوسرے بیٹے عبدالحمید کا ایک بیٹا ڈھیرانے تھا۔ڈھیرانی کے چار بیٹے امرود خان، امراد خان، خوش میر اور امروش ہیں۔جو کہ بقید حیات ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔ان میں امرود کے تین بیٹے عابد حسین، کامران حسین اور اختر حسین ہیں۔امراد کا ایک بیٹا شاہ فہد ہے،خوش میر کے تین بیٹے ساجد،فرزند اور ماجد ہیں۔جبکہ امروش کے دو بیٹے محمد شفیق اور محمد ناظر ہیں۔یہ سارے بقید حیات ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔

شیر جنگ بابا کے تیسرے بیٹے نور حمد کا ایک بیٹا محمود شاہ تھا۔محمود شاہ کے چھ بیٹے صادق شاہ، مسمر شاہ، ماریفت شاہ، ظاہر شاہ،غفور شاہ اور زرغون شاہ ہیں۔ان میں مسمر شاہ، ظاہر شاہ اور غفور شاہ فوت ہو چکے ہیں جبکہ صادق شاہ، ماریفت شاہ اور زرغون شاہ بقید حیات ہیں صادق شاہ اور ماریفت شاہ زمینداری کا کام کرتے ہیں جبکہ زرغون شاہ یہاں سے ٹیکسلا منتقل ہو چکا ہے اور وہ وہاں پر اپنے بیٹوں سمیت نرسری کا کاروبار کرتا ہے۔

صادق شاہ کے پانچ بیٹے لائق زمان، اختر زمان، محمد زوار،شوکت اور محمد سرادر ہیں جو کہ بقید حیات ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔ماریفت شاہ کے چار بیٹے افسر علی، گوہر علی،افتخار علی اور نیاز علی ہیں۔ان میں افسر علی خاندانی دشمنی کی بھینٹ چڑھ کر ہلاک ہو گیا ہے جبکہ باقی تین بیٹے زمینداری کا کام کرتے ہیں۔اس کے علاوہ زرغون شاہ کے چار بیٹے شاکر، شاد علی،محمد شہاب اور قاسم ہیں جو کہ ٹیکسلا میں اپنے والد کے ساتھ نرسری کا کاروبار کرتے ہیں۔

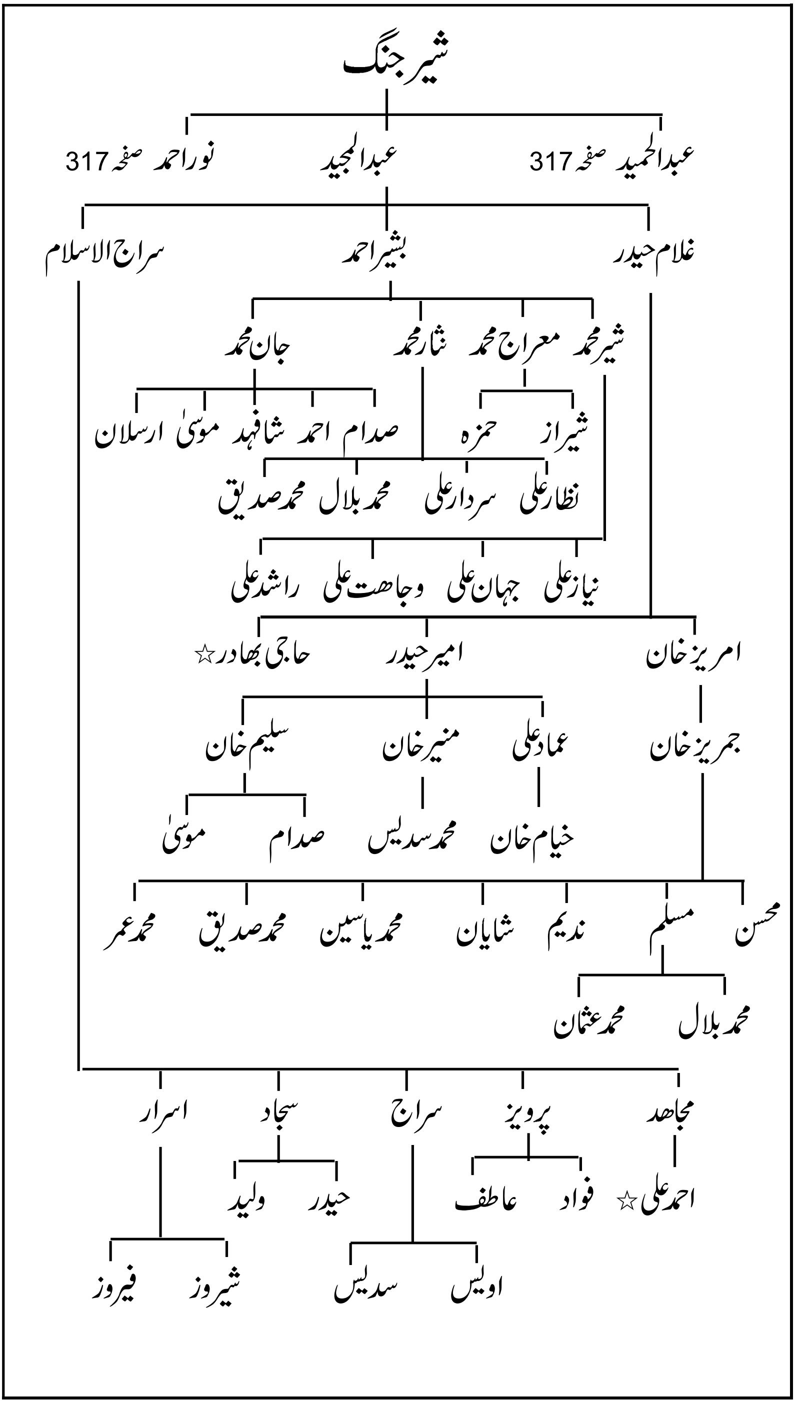
شیر جنگ
عبدالحمید صفحہ 317
عبدالمجید
نوراحمد صفحہ 317
غلام حیدر
بشیر احمد
سراج الاسلام
شیر محمد
معراج محمد
نثار محمد
جان محمد
شیراز
حمزہ
صدام
احمد
شافہد
موسیٰ
ارسلان
نظار علی
سردار علی
محمد بلال
محمد صدیق
نیاز علی
جہان علی
وجاہت علی
راشد علی
امریز خان
امیر حیدر
حاجی بھادر☆
جمریز خان
عماد علی
منیر خان
سلیم خان
خیام خان
محمد سدیس
صدام
موسیٰ
محسن
مسلم
ندیم
شایان
محمد یاسین
محمد صدیق
محمد عمر
محمد بلال
محمد عثمان
مجاھد
پرویز
سراج
سجاد
اسرار
احمد علی☆
فواد
عاطف
حیدر
ولید
اویس
سدیس
شیروز
فیروز

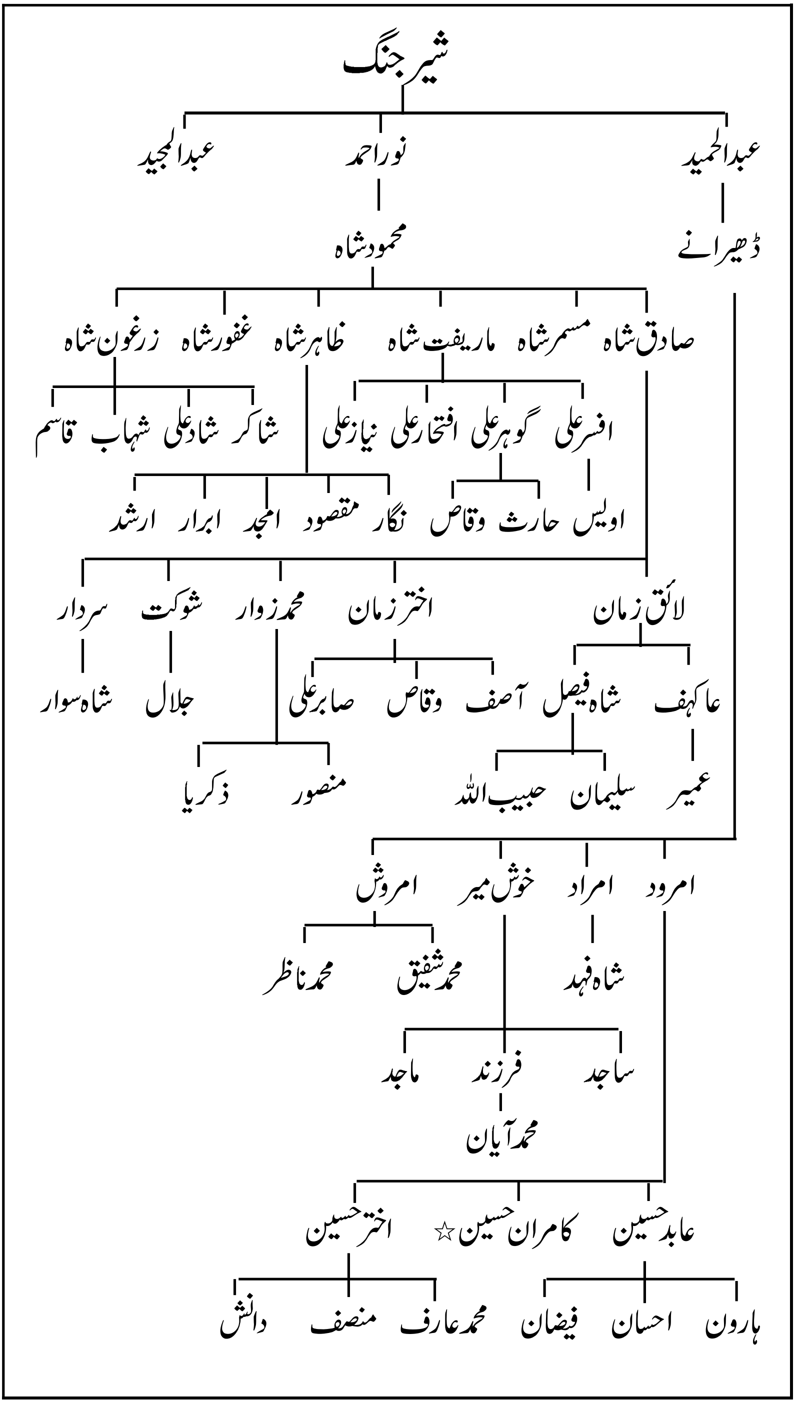
شیر جنگ
عبدالحمید
نوراحمد
عبدالمجید
ڈھیرانے
محمود شاہ
صادق شاہ
مسمر شاہ
ماریفت شاہ
طاہر شاہ
غفور شاہ
زرغون شاہ
افسر علی
گوہر علی
افتخار علی
نیاز علی
شاکر
شاد علی
شہاب
قاسم
اویس
حارث
وقاص
نگار
مقصود
امجد
ابرار
ارشد
لائق زمان
اختر زمان
محمد زوار
شوکت
سردار
عاکہف
شاہ فیصل
آصف
وقاص
صابر علی
جلال
شاہ سوار
عمیر
سلیمان
حبیب اللہ
منصور
ذکریا
امرود
امراد
خوش میر
امروش
شاہ فہد
محمد شفیق
محمد ناظر
ساجد
فرزند
ماجد
محمد آیان
عابد حسین
کامران حسین☆
اختر حسین
ہارون
احسان
فیضان
محمد عارف
منصف
دانش

غورغشت خاندان۔2

شیر جنگ بابا کا ایک رشتہ دار عمر خان بھی پچی سے کٹہ خٹ منتقل ہوا اور اُس کے ساتھ رہنے لگا۔عمر خان نے دوشادیاں کی تھیں۔پہلی بیوی سے اُس کے دو بیٹے خوائیداد اور شہداد تھے۔شہداد کے ہاں کوئی نارینہ اولاد نہیں تھا جبکہ خوائیداد کا ایک بیٹا محمد ایوب تھا۔ محمد ایوب کے دو بیٹے محمد قریش اور محبوب تھے دونوں بقید حیات ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔محمد قریش کے ہاں کوئی نارینہ اولاد نہیں ہے جبکہ محبوب کے دو بیٹے عبیداللہ اور عبدالباسط ہیں ۔

عمر خان کی دوسری بیوی سے دو بیٹے اللہ داد اور خلقداد تھے۔اللہ داد کے تین بیٹے پیرداد، محمد عثمان اور محمد سلیمان تھے۔یہ سارے زمینداری کا کام کرتے تھے۔پیرداد کے تین بیٹے شیر محمد، رحیم داد اور روئیداد تھے۔ان میں شیر محمد صحت کے لحاظ سے پہلوان تھا اور بڑا زور آور واقع ہوا تھا۔وہ جوانی میں خاندانی رنجش کی وجہ سے قتل ہوا تھا۔جبکہ رحیم داد اور روئیداد بقضائے الٰہی فوت ہو چکے ہیں۔شیر محمد کا کوئی نارینہ اولاد نہیں تھا جبکہ رحیم داد کے دو بیٹے امیر محمد اور نذیر محمد ہیں جو کہ بقید حیات ہیں۔اور زمینداری کا کام کرتے ہیں۔پیرداد کے تیسرے بیٹے روئیداد کے تین بیٹے ممتاز، محمد شاہد اور امیر زیب ہیں جو کہ بقید حیات ہیں اور زمینداری کا کام کرتے ہیں،

اللہ داد کے دوسرے بیٹے محمد عثمان کا ایک بیٹا زریداد تھا۔جو زمینداری کرتا تھا۔ زریداد کے پانچ بیٹے محمد یعقوب، عبداللہ، محمد عباس، ضیاء اللہ اور محمد ہارون ہیں جو کہ بقید حیات ہیں اور محنت مزدوری کر کے وقت گزار رہے ہیں۔ان میں محمد عباس ایف سی میں بھرتی ہوا ہے اور وہاں پر خدمات انجام دے رہا ہے جبکہ ضیاء اللہ نے قرآن شریف حفظ کیا ہوا ہے اور مدرسہ میں دینی علوم حاصل کر رہا ہے۔

اللہ داد کے تیسرے بیٹے محمد سلیمان کے دو بیٹے مرسلین اور شیر زمین ہیں جو کہ ہم موجود ہیں اور محنت مزدوری کرتے ہیں ۔مرسلین کے پانچ بیٹے علی رضا ،محمد مجتبیٰ ،محمد مصطفیٰ ،محمد داؤد اور محمد منیب ہیں۔ان میں علی رضا اور مجتبیٰ بیرون ملک خدمات انجام دے رہے ہیں جبکہ باقی زیر تعلیم ہیں۔

عمر خان کی دوسری بیوی کا دوسرا بیٹا خلقداد تھا۔خلقداد کے دو بیٹے زرداد اور نورداد تھے۔ان میں زرداد کے پانچ بیٹے تاج ولی شاہ، ولی داد، سردار علی، رحم داد اور انور علی ہیں جو کہ ہم میں موجود ہیں۔ان میں تاج ولی شاہ پاک آرمی میں خدمات انجام دے چکا ہے اور اُس کے تین بیٹے محمد علی ،مزمل شاہ اور صیاد علی ہیں ۔ان میں محمد علی محکمہ بلدیات میں خدمات انجام دے رہا ہے،مزمل شاہ پاک آرمی میں بھرتی ہوا ہے جبکہ صیاد علی زمینداری کرتا ہے۔تاج ولی شاہ کے باقی چار بھائی ولی داد، سردار علی، رحمداد اور انور علی زمینداری کا کام کرتے ہیں۔

خلقداد کا دوسرا بیٹا نورداد تھا جو کہ زمینداری کا کام کرتا تھا۔اُس کا بیٹا بہار علی ہے جو کہ ہم میں موجود ہے اور زمینداری کا کام کرتا ہے۔بہار علی کے چار بیٹے فواد علی ،افتخار علی ، ذولفقار علی اور محمد اُسامہ ہیں۔جو کہ ہم میں موجود ہیں اور مختلف شعبوں میں محنت مزدوری کر کے وقت گزار رہے ہیں۔

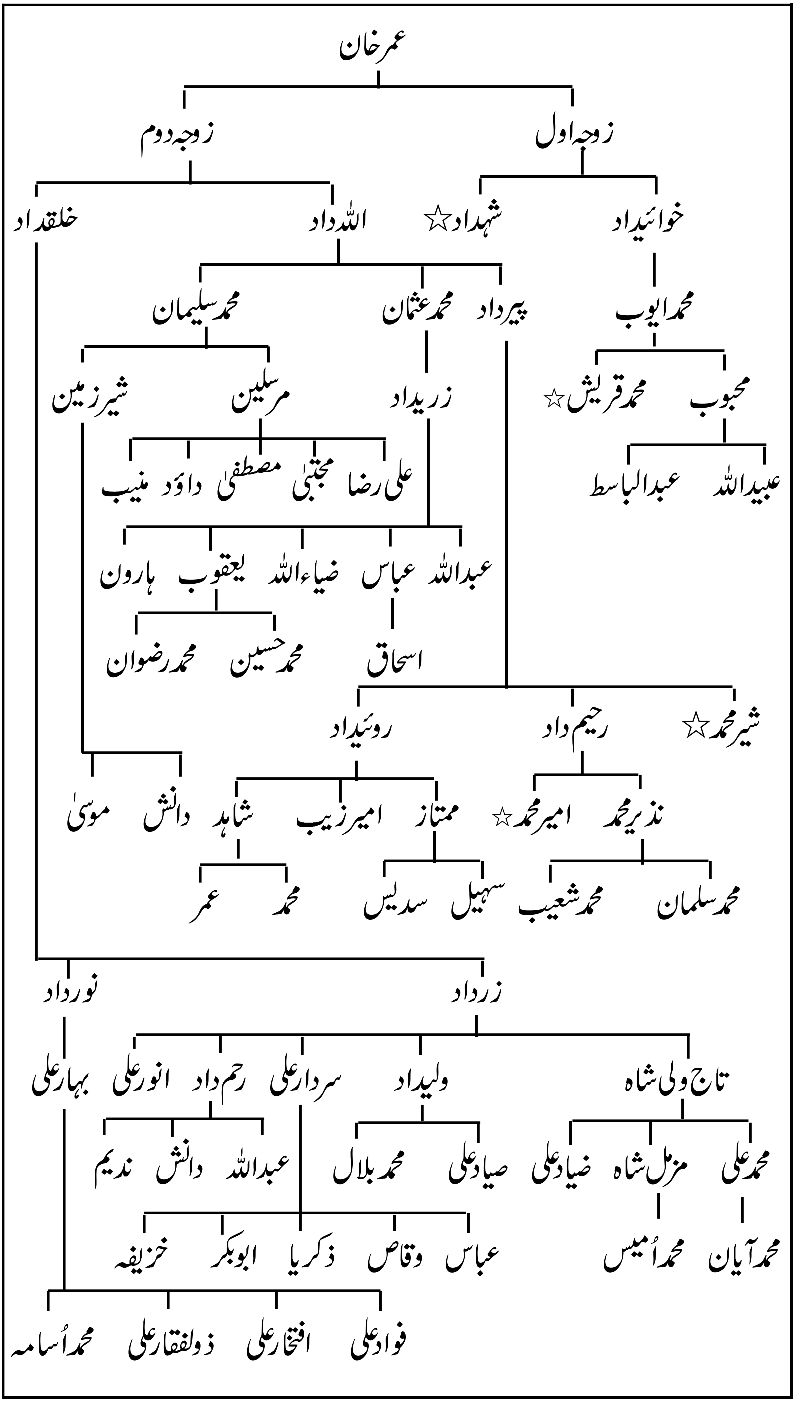
عمر خان
زوجہ اول
زوجہ دوم
خوائیداد
شہداد☆
اللہ داد
خلقداد
محمد ایوب
پیرداد
محمد عثمان
محمد سلیمان
محبوب
محمد قریش☆
زریداد
مرسلین
شیر زمین
عبید اللہ
عبدالباسط
علی رضا
مجتبیٰ
مصطفیٰ
داؤد
منیب
عبداللہ
عباس
ضیاءاللہ
یعقوب
ہارون
اسحاق
محمد حسین
محمد رضوان
شیر محمد☆
رحیم داد
روئیداد
نذیر محمد
امیر محمد☆
ممتاز
امیر زیب
شاہد
دانش
موسیٰ
محمد سلمان
محمد شعیب
سہیل
سدیس
محمد
عمر
زرداد
نورداد
تاج ولی شاہ
ولیداد
سردار علی
رحم داد
انور علی
بہار علی
محمد علی
مزمل شاہ
ضیاد علی
صیاد علی
محمد بلال
عبداللہ
دانش
ندیم
محمد آیان
محمد اُمیس
عباس
وقاص
ذکریا
ابوبکر
خزیفہ
فواد علی
افتخار علی
ذوالفقار علی
محمد اُسامہ

غورغشت خاندان۔3

شیر جنگ بابا کے رشتہ داروں میں ایک عجب خان بھی تھا جو موضع مچی سے یہاں آ کر آباد ہوا۔ عجب خان ایک محنتی انسان تھا۔ اس نے یہاں پر مستقل سکونت اختیار کی۔ اُس کے دو بیٹے عبداللہ اور سیار خان تھے۔ دونوں زمینداری کا کام کرتے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد بڑا بیٹا عبداللہ کٹہ خٹ سے بونیر چلا گیا اور وہاں پر رہائش اختیار کی۔ اُس کی اولاد آج بھی بونیر میں رہائش پذیر ہیں۔

عجب خان کا دوسرا بیٹا سیار خان تھا۔ جو اپنے باپ کے ساتھ زمینداری کرتا تھا۔ سیار خان کے دو بیٹے محمد سرور اور غلام سرور تھے۔ جو کہ دونوں بڑے ایماندار اور محنتی تھے اور زمینداری کا کام کرتے تھے۔ محمد سرور کے تین بیٹے سید کمال، محمد سعید اور حیدر زمان ہیں۔ تینوں اپنے باپ کی طرح نہایت محنتی تھے۔ ان میں سید کمال بقضائے الٰہی فوت ہو چکا ہے جبکہ محمد سعید اور حیدر زمان بقید حیات ہیں اور ہم میں موجود ہیں۔ دونوں زمینداری کا کام کرتے ہیں۔

سیار خان کا دوسرا بیٹا غلام سرور تھا جو کہ زمینداری کا کام کرتا تھا۔ غلام سرور کے چھ بیٹے محمد جاوید، خورشید احمد، بخت سید، محمد زرشید، محمد نذیر، اور حامد علی ہیں جو کہ بقید حیات ہیں اور ہم میں موجود ہیں۔ ان میں محمد جاوید اور خورشید احمد پاک آرمی میں بھرتی ہوئے تھے اور وہاں پر خدمات انجام دینے کے بعد ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔ جبکہ بخت سید، محمد زرشید اور محمد نذیر مختلف جگہوں پر محنت مزدوری کر کے وقت گزار رہے ہیں۔ غلام سرور کا چھٹا بیٹا حامد علی بیرون ملک چلا گیا تھا اور وہاں پر خدمات انجام دینے کے بعد واپس آیا ہے۔ وہ آج کل کٹہ خٹ سے موضع پیر ساہی منتقل ہو چکا ہے اور وہاں پر چھوٹا موٹا کاروبار کر کے وقت گزار رہا ہے۔

نقشہ شجرہ اولاد عجب خان غورغشت

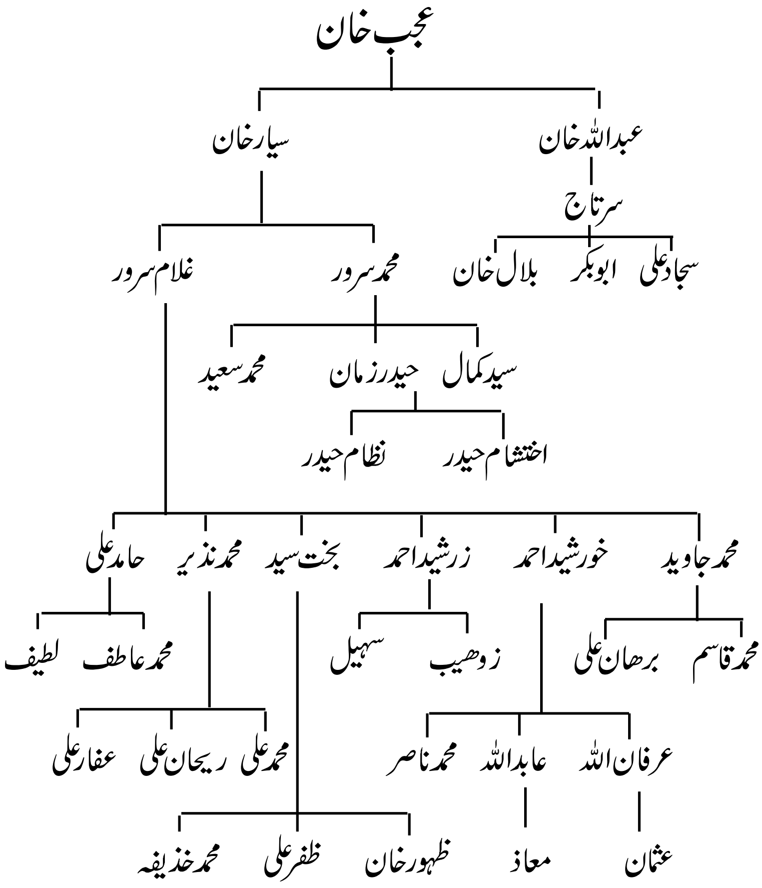

ترکھان خاندان

کسی گاؤں یا علاقے کی ترقی میں جہاں اُس علاقے کے صاحب حیثیت لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے وہاں پر پیشہ ور لوگ بھی کسی سے پیچھے نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان کے بغیر معاشرے کی تکمیل نہیں ہوتی اور جہاں معاشرہ نامکمل ہوتا ہے وہاں ترقی کا فقدان ہوتا ہے۔ ایسے ہی حالات موضع کٹہ خٹ میں بھی ہیں۔ جہاں اس گاؤں کے صاحب ثروت لوگ گاؤں کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں وہاں پر ترکھان لوگ بھی گاؤں کی تعمیر و ترقی میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔

پاکستان بننے سے پہلے اس خاندان کا جدامجد عبدالحنان بابا شیر درہ کے علاقے سے ہجرت کر کے موضع کٹہ خٹ آیا اور یہی پر رہائش پذیر ہو گیا۔ وہ ایک باہمت انسان تھا اور ترکھانی کا کام کر کے روزی کماتا تھا۔ اُس کے دو بیٹے ہاشم خان اور روشن خان تھے۔ ان میں ہاشم خان چھوٹا موٹا کاروبار کر کے وقت گزارتا تھا جبکہ روشن خان نے اپنے والد سے ترکھانی کا کام سیکھا اور وہ اس شعبے میں اپنے والد کا ہاتھ بٹانے لگا اور لوگوں کی خدمت کرنے لگا تھا۔

عبدالحنان بابا کے بڑے بیٹے ہاشم خان کے دو بیٹے فضل معبود اور محمود خان تھے۔ جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور مختلف سرکاری محکموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو گئے تھے۔ ہاشم خان نے موضع کٹہ خٹ میں ہی وفات پائی تھی اور یہی پر اُس کی تدفین کی گئی تھی جبکہ اُس کے بیٹے اُس کی وفات کے بعد یہاں سے موضع گدر کو منتقل ہو گئے اور آج تک وہاں پر رہائش پذیر ہے۔

عبدالحنان بابا کے دوسرے بیٹے روشن خان کے پانچ بیٹے عبدالجلیل، عبدالوکیل، عبدالقہار، عبدالجمیل اور عبدالباقی تھے۔ پانچوں بیٹوں نے تھوڑی بہت تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد اپنے والد سے ترکھانی کا کام سیکھ کر اس شعبے میں عوام کی خدمت کرنے لگے۔ وقت

گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے ترکھانی کے ساتھ ساتھ تعمیرات کا ہنر بھی سیکھ لیا اور چھوٹے پیمانے پر لوگوں کے مکانات تعمیر کرنے لگے۔

روشن خان کا بڑا بیٹا عبدالجلیل اپنی زندگی میں تعمیرات کا کام کرتے کرتے راہی عدن ہوگیا ہے۔اُس کے دو بیٹے محمد نثار اور محمد سیار ہیں جو کہ بقید حیات ہیں۔دونوں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی ہے اور دونوں تجارت کا کام کررہے ہیں۔

روشن بابا کا دوسرا بیٹا عبدلوکیل بھی اپنی زندگی میں تعمیرات کا کام کرتا تھا۔اُس کے چار بیٹے محمد طیب ،محمد جاوید محمد رشید اور محمد اکرام ہیں۔اان میں محمد طیب گڑھی کپورہ منتقل ہوگیا ہے اور وہی پر ترکھانی اور تعمیرات کا کام کررہا ہے۔محمد جاوید بونیر میں اپنا چھوٹا موٹا کاروبار سنبھالا ہوا ہے اور محمد رشید اور محمد اکرام بیرون ملک خدمات انجام دے رہے ہیں۔

روشن خان کا تیسرا بیٹا عبدالقہار اپنی زندگی میں تعمیرات کا کام کرتا تھا۔اُس کے تین بیٹے محمد اسد،محمد ارشد اور محمد عذیر ہیں ان میں محمد اسد پاک آرمی میں بھرتی ہوا تھا اور بہت ہی اعلیٰ کارکردگی کا حامل انسان تھا لیکن بدقسمتی سے اُس کو ٹٹنس (Titness) کا موذی مرض لاحق ہوگیا جس کی وجہ سے وہ جوانی ہی میں انتقال کرگیا جبکہ محمد ارشد اور محمد عذیر بقید حیات ہیں محمد ارشد تعمیرات کا کام کرتا ہے جبکہ محمد عذیر ایک پرائیویٹ ادارے میں محنت مزدوری کررہا ہے۔

روشن خان کا چوتھا بیٹا عبدالجمیل تھا جو ترکھانی کا کام کرتا تھا۔وہ اپنی زندگی میں کٹہ خٹ سے موضع گمبت منتقل ہوا تھا اور وہیں پر وفات پا گیا۔اُس کے دو بیٹے محمد خالد اور محمد طارق ہیں جو بقید حیات ہے اور وہیں گمبت میں محنت مزدوری کررہا ہے۔

روشن خان کا پانچواں بیٹا عبدالباقی تھا۔عبدالباقی اپنی زندگی میں تعمیرات کا کام کرتا تھا۔اُس کے تین بیٹے محمد اعجاز ،محمد ہلال اور محمد حارث ہیں جو کہ ہم میں موجود ہیں۔تینوں بھائیوں نے اپنے باپ دادا کے شعبے کو ترک کیا ہوا ہے اور دوسرے شعبوں میں محنت مزدوری کررہے ہیں۔

شجرہ ترکھان خاندان

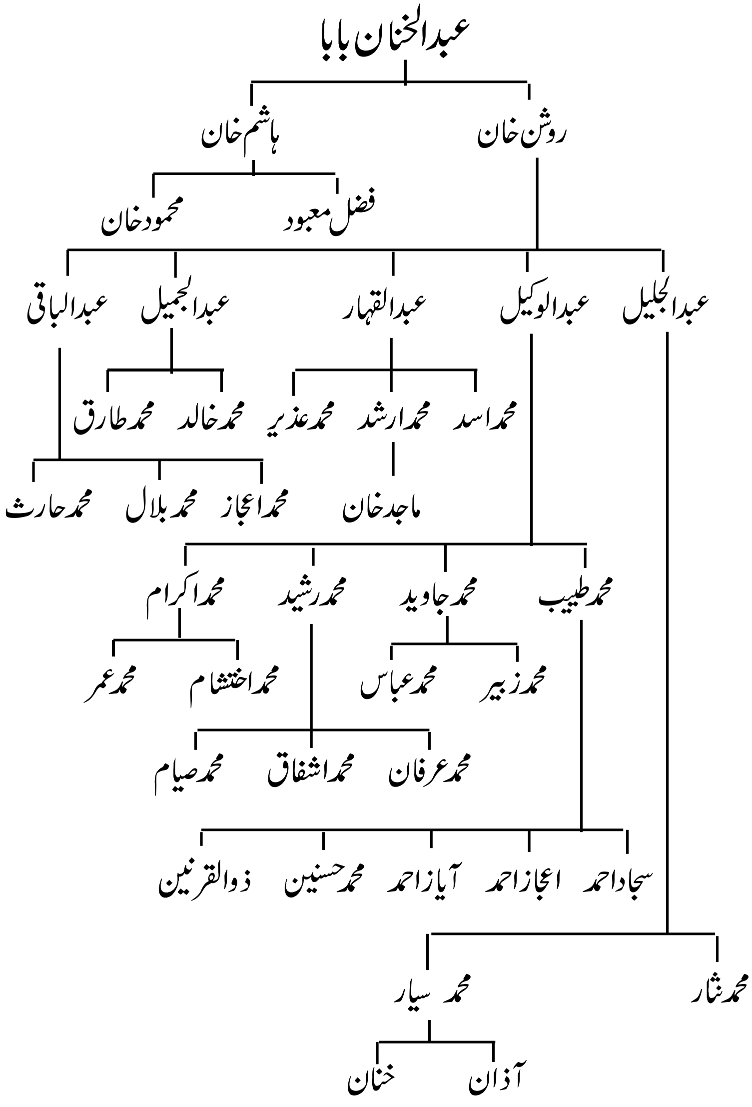

لوہار خاندان

موضع کٹہ خٹ میں لوہار خاندان کے دو چھوٹے چھوٹے گھرانے آباد ہیں۔ جو لوگوں کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ان میں ایک گھرانے کا ایک بزرگ سیدان شاہ بابا پاکستان بننے سے پہلے شیر درہ (صوابی) کے علاقے سے یہاں آ کر آباد ہوا اور لوہاری کے پیشے کو اختیار کیا۔سیدان شاہ بابا کا ایک بیٹا ریدی گل تھا۔جس نے بھی لوہاری کے پیشے کو اختیار کیا تھا۔ریدی گل کا ایک بیٹا عبدالحلیم ہے جو کہ ہم میں موجود ہے۔کافی ضعیف العمر ہے۔ اُس نے بھی اپنے دور میں لوہاری کے پیشے کو اختیار کیا۔اس کا ایک بیٹا محمد نعیم ہے جو لوہاری کا کام کرتا ہے۔اس کے علاوہ عبدالحلیم کے دو بھانجے عبداللہ اور وظیف اللہ بھی باپ کی وفات کے بعد موضع موسیٰ خٹ سے یہاں آ کر اپنے ننیال کے ساتھ رہنے لگے۔دونوں بھائیوں نے بھی لوہاری کے پیشے کو اختیار کیا۔ان میں عبداللہ نے بانڈہ چغرزئی میں اپنا دکان کھول رکھا ہے اور مختلف قسم کے لوہے کا سامان مثلاً دروازے، کھڑکیاں، چارپائیاں وغیرہ بنانے کا کام کرتا ہے۔جبکہ وظیف اللہ کسی ٹھیکیدار کے ساتھ منسلک ہے اور اس کے لیے لوہاری کا کام کرتا ہے۔ عبداللہ کے چار بیٹے سیف اللہ، خیر اللہ، نصر اللہ اور محمد زید ہیں۔جن میں سیف اللہ اپنے والد کے ساتھ دکان کے کام میں ہاتھ بٹاتا ہے، خیر اللہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کراچی گیا ہوا ہے اور وہاں پر اُس نے ایک مدرسے میں داخلہ لیا ہوا ہے۔جبکہ عبداللہ کے باقی دو بیٹے ابھی سکول میں زیرِ تعلیم ہیں۔جبکہ وظیف اللہ کے تین بیٹے محمد نوید، محمد وحید اور محمد سعد ہیں جو کہ ابھی سکول میں زیرِ تعلیم ہیں۔

دوسرے گھرانے کا ایک برزگ فضل رحیم عرف فضلے بابا بھی موضع چمڈھیری سے یہاں آ کر آباد ہوا تھا۔اُس نے یہاں آ کر ترکھانی کے پیشے کو اختیار کیا تھا۔فضل رحیم بابا کا کوئی نارینا اولاد نہیں تھا۔لیکن اس کا ایک پوتا خانی زمان اپنی ماں کے ساتھ موضع کالوخان سے

یہاں آکر اپنے نانا کے رہنے لگا تھا۔ خانی زمان نے میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے خاندانی پیشے کو اپنایا۔ اُس نے اپنے نانا سے ترکھانی کے کام کو سیکھ لیا اور اُس پیشے میں قسمت آزمانے لگا۔ بعد میں اُس نے ترکھانی کے ساتھ ساتھ لوہاری کے ہنر کو سیکھ لیا اور پھر اس نے اپنے آپ کو لوہاری کے پیشے سے وابستہ کرلیا۔ خانی زمان کے چار بیٹے ممتاز علی، نیاز علی، بختیار علی اور احمد علی ہیں جو کہ اپنے والد کی طرح لوہاری کے پیشے کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اب اُس نے اپنے پیشے کو کمرشل کر دیا ہے۔ دوبئ اڈہ میں ایک دکان کھول رکھی ہے اور وہاں پر تجارتی پیمانے پر لوہاری کا کام کر رہا ہے۔ اُس کے چاروں بیٹے اس کے ساتھ منسلک ہے اور کاروبار سنبھالنے میں اپنے والد کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔
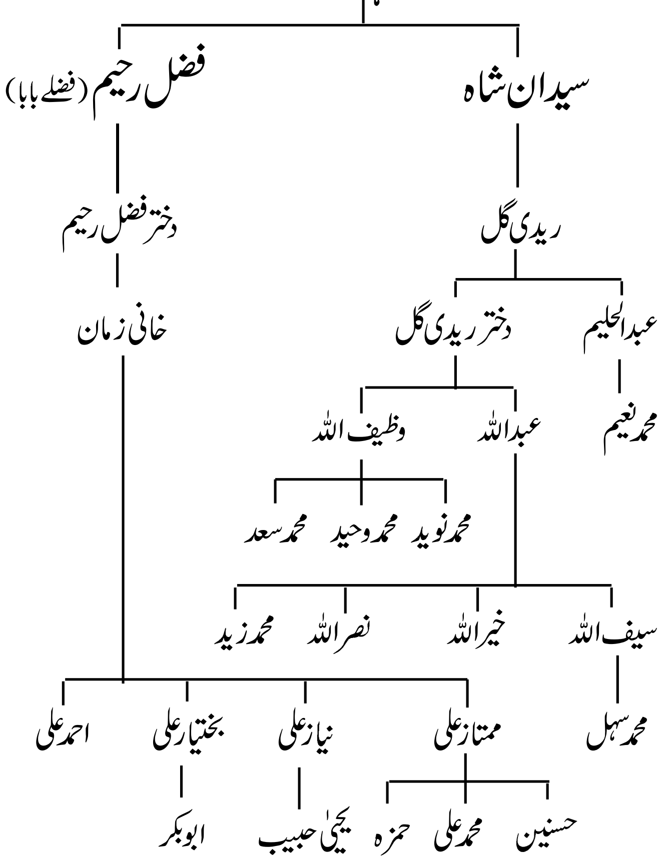
شجرہ لوہار خاندان